تواریخ عجیب

یعنی

کالا پانی

(تالیف مولوی محمد جعفر تھانیسری)

مرتبہ

محمد ایوب ایم اے

سلمان اکیڈمی

حق نشان، ۳۰ب نیو کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی ۵

سن اشاعت .... ستمبر ۱۹۶۲ء

بار اول .... گیارہ سو

قیمت ...... چار روپیہ پچاس پیسے

مطبوعہ

ایجوکیشنل پریس کراچی

انتساب

ہر اس پاکستانی کے نام جو پاکستان کے
استحکام و سالمیت پر ایمان و ایقان رکھتا
ہے اور ہر قسم کے اختلافات کو نظر انداز
کر کے اسلامی اخوت و مساوات کا علمبردار ہے

محمد ایوب قادری

فہرست مضامین

تذکرۂ رجال

از محمد ایوب قادری (مرتب)

(ان حضرات کے حالات کا اضافہ مرتب نے کیا)

۱۔ مولانا احمد اللہ

۲۔ اخوند سوات ملا عبدالغفور

۳۔ الٰہی بخش

۴۔ مولوی امیرالدین

۵۔ امیر خاں

۶۔ مولوی تبارک علی

۷۔ حسینی (تھانیسری)

۸۔ حسینی (عظیم آبادی)

۹۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ

۱۰۔ سید احمد شہیدؒ

۱۱۔ شیر علی

۱۲۔ مولوی عبدالرحیم

ضمیمہ جات

تعارف

از جناب ڈاکٹر محمود حسین صاحب وائس چانسلر ڈھاکہ یونیورسٹی

بڑی خوشی کی بات ہے کہ محمد ایوب قادری صاحب نے کالا پانی کا ایک نیا اڈیشن مرتب کیا ہے اس چھوٹی سی کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کی ضخامت سے نہیں کیا جاسکتا اس کی صحیح قدر وہی لوگ کرسکتے ہیں جنہوں نے سید احمد شہید کی تحریک جہاد کا مطالعہ کیا ہے۔ کالا پانی کے مصنف مولوی محمد جعفر تھانیسری نے خود اس تحریک میں حصہ لیا اور اس کی خاطر بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کیں اور قربانیاں دیں۔ اس تصنیف سے تحریک کے بعض ایسے پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے جن کے متعلق صحیح معلومات شاید کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل ہی نہ ہو پاتیں۔

یوں تو کالا پانی کے کئی اڈیشن نکل چکے ہیں خود میری نظر سے کم از کم تین اڈیشن گزر چکے ہیں مگر محمد ایوب قادری صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں انہوں

نے اس پر حواشی اور مقدمہ لکھ کر نہایت سلیقہ کے ساتھ کتاب کو از سرِ نو مرتب کیا ہے اور اس طرح تاریخ کی ایک بڑی خدمت انجام دی ہے۔

محمود حسین

ڈھاکہ ۱۳ر جنوری ۱۹۶۲ء

پیش لفظ

از جناب محترم جمیل جالبی صاحب

انیسویں صدی کے آخری پچاس سال برصغیر ہند پاکستان کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ پچاس سال کے اس عرصہ میں ایک طرف تو مسلمانوں کی ہزار سالہ سلطنت کا چراغ گل ہوا اور دوسری طرف سمندر پار سے آنیوالی قوم ان پر قابض ہو گئی۔ نئے حکمراں مسلمانوں سے خاص طور پر بدظن تھے۔ انہیں ہر دم یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں یہ لوگ پھر سے مجتمع ہو کر کھوئی ہوئی سلطنت واپس نہ لے لیں۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے یہ ہوا کہ ان کی انفرادی و اجتماعی حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھی گئی اور ان کی ہر اس آواز کو جبر و تشدد کی تلوار سے دبا دیا گیا جس میں ان کے نقطہ نظر سے ذرا سی بھی بوئے فساد مارتی تھی۔ سید احمد شہید کی تحریک جہاد اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اس نفسیاتی عمل پر ایک اور تازیانہ ثابت ہوئیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ سامراجی قوتوں نے ہر طرح سے مسلمانوں کو ذہنی و مادی اعتبار سے بدحال کرنے، ان کے حوصلے پست کرنے اور انہیں ایک کاسہ لیس قوم بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ سید احمد شہید کے ساتھیوں کی تحریک جہاد کو "وہابی تحریک" کے نام سے بدنام کیا اور حریت پسندی کو سنگین جرم قرار دے کر

بہتیروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، ہزاروں کو جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں ڈال دیا اور جو زیادہ نمایاں تھے انہیں کالے پانی بھیج دیا۔ مولانا محمد جعفر تھانیسری مرحوم کو جو جماعت مجاہدین کے سرگرم کارکن تھے، پہلے پھانسی کی سزا سنائی اور اپیل میں اس سزا کو حبس بعبور دریائے شور کی سزا سے بدل دیا۔ ایک طرف تو سامراجیوں کا یہ رویہ تھا اور دوسری طرف انگریز مورخوں نے ان تمام حقائق کو مسخ کرنے کی کوششوں میں طرح طرح کے افسانے گھڑے اور دروغ بے فروغ کو طرح طرح سے آب و رنگ بخشنے کی شعوری کوشش کی۔

انگریز مورخوں کی تحریریں پڑھ کر اکثر یہ گمان گزرتا ہے کہ حریت پسند حد درجہ خود غرض، غدار اور جرائم پیشہ لوگ تھے۔ یہ سلسلہ تقریباً ایک صدی تک نہایت شد و مد سے جاری رہا اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے بچے اور ہمارے ہم عصر اپنے اکابر، اسلاف اور مجاہدین آزادی کے نام اور کارناموں سے قطعی ناواقف ہیں۔ یہی بے خبری ہماری آزادی کی سب سے بڑی دشمن ہے۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تمام اکابرین کے کارناموں کو ورثہ کے طور پر نئی نسل کو منتقل کیا جائے اور اسی نقطہ نظر سے ان تمام تصانیف و تالیفات کو جدید اصولوں کے پیش نظر مرتب کیا جائے جن سے ان اکابرین کے کارناموں پر روشنی پڑتی ہے مجھے خوشی ہے کہ میرے فاضل دوست جناب ایوب قادری نے اس بات کی اہمیت کو سمجھ کر اس طرف توجہ دی ہے۔ اس سے پہلے انہوں نے تذکرہ علمائے ہند مرتب کیا تھا جسے ملک اور بیرون ملک کے علمی حلقوں نے حد درجہ پسند کیا تھا اور اب انہوں نے مولانا محمد جعفر تھانیسری مرحوم کی کتاب "کالاپانی" عرف "تواریخ عجیب" کو سلیقے، کاوش

اور محنت سے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے جہاں انگریزوں کے استبداد اور اس دور کے حالات و عوامل کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے وہاں یہ کتاب مولانا محمد جعفر تھانیسری کی خود نوشت سوانح عمری کی حیثیت سے بھی اہمیت رکھتی ہے۔ جناب ایوب قادری نے "کالا پانی" کے کئی نسخوں کو سامنے رکھ کر متن کی تصحیح کی ہے اور مبسوط مقدمہ لکھ کر اس کتاب کی افادیت کو بڑھا دیا ہے۔ حواشی، تعلیقات اور تذکرہ رجال نے اس کتاب کی علمی حیثیت میں حد درجہ اضافہ کر دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جہاں یہ کتاب قارئین کے دلوں پر ایثار و قربانی کے بے مثل نقوش چھوڑے گی وہیں قارئین ایوب صاحب کی اس علمی کاوش سے متاثر ہوئے بغیر بھی نہ رہ سکیں گے۔

جمیل جالبی

۲۳ر فروری ۱۹۶۲ء

مقدمہ

از محمد ایوب قادری (مرتب)

سید احمد شہیدؒ کی تحریک تجدید و احیائے دین اور جہاد کی تحریک تھی توحید خالص کی تبلیغ، شرک و بدعت اور قبر پرستی کا استیصال، مراسم محرم کی بیخ کنی، شادی و غمی نیز دیگر تقریبات سے غیر اسلامی مراسم کے بجائے اسلامی سادہ زندگی کا احیاء اور نکاح بیوگان کی ترویج و اشاعت اس تحریک کے خاص عنصر تھے اس مقصد کے لیے شاہ اسماعیل شہید نے تقویۃ الایمان جیسی انقلاب آفریں کتاب لکھی لہ پھر تو اس سلسلہ کو اس قدر وسعت ہوئی کہ اس خانوادے کے دوسرے تربیت یافتہ علماء نے احیاء سنت اور اصلاح معاشرہ کے لئے متعدد کتابیں اور رسالے لکھے اور اچھا خاصا

لہ مولانا فضل حق خیر آبادی (ف ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) نے سب سے پہلے تقویۃ الایمان کی ایک عبارت "اس شہنشاہ کی تو یہ شان . . . کی برابر کے پیدا کر ڈالے" پر امتناع نظیر اور امکان نظیر کی بحث چھیڑی اور ایک مختصر سا رسالہ اس عبارت کے رد میں لکھا پھر تو اس سلسلے میں بہت سے رسالے قلم بند ہوئے اور تقویۃ الایمان کے مستقل رد لکھے گئے غرض اس تحریک کی مخالفت (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ادب مہیا کر دیا۔

سید احمد شہید کی تحریک کا اہم ترین عنصر جہاد اور اصل مقصد حکومت الہیہ کا قیام تھا سید صاحب کا کوئی مکتوب یا وعظ ترغیب جہاد سے خالی نہیں جس زمانے میں پنجاب میں سکھا شاہی کا زور تھا مساجد اور اسلامی شعائر کی علانیہ بے حرمتی ہوتی تھی اس علاقے کے مسلمان سخت مصائب و آلام میں مبتلا تھے ان کی زندگیاں اجیرن ہو چکی تھیں، سید احمد شہید نے اس طاغوتی اور برائے نام سکھا شاہی حکومت کے خلاف علم جہاد بلند کیا گھر بار چھوڑا بہت سے شہر اور قصبات کا دورہ کیا ہجرت و جہاد کے وعظ کہے اللہ کے دین کی سربلندی اور اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر سرحد کے پہاڑوں کو کمین گاہ بنایا اور اسلام کے ان حامیوں نے ایمان و اخلاص سے کے

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) کے آغاز کا سہرا مولانا فضل حق خیر آبادی کے سر ہے (تقریر مولانا فضل حق خیر آبادی بر عبارت تقویۃ الایمان ص ۱۰ (قلمی))۔

۱؎ مسائل اربعین و مائۃ مسائل (شاہ محمد اسحاق ف ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء) نصیحۃ المسلمین و رسالہ جہادیہ (مولوی خرم علی بلہوری ف ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء) ہدایۃ المومنین، رسالہ راہ سنت و رسالہ رد عقائد مشرکین (مولوی اولاد حسن قنوجی ف ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء) رسالہ تقوی، رسالہ کلمات کفر و عقائد نامہ (مولوی سخاوت علی ف ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء) رسالہ دعوت و رسالہ رد شرک (مولوی ولایت علی ف ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء) رسالہ بت شکن (مولوی عنایت علی ف ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء) رسالہ تجہیز و تکفین مسلمان کی (مولوی محمد عمران ف ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۵ء) رفاہ المسلمین (شرح مسائل اربعین) و سعادت دارین (مولوی سعد الدین بدایونی ف ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء) تحفۃ المسلمین (ترجمہ مسائل اربعین) و رسالہ عقیقہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

بھروسہ پر دین کے دشمنوں سے مقابلہ کیا اور ان کے چھکے چھڑا دیئے مگر ملت کا نصیبہ ابھی سویا ہوا تھا گردش کے دن ابھی باقی تھے غلامی کا دور ابھی ختم نہ ہونا تھا کہ حالات نے ناسازگاری دکھائی اپنوں نے غیروں کا ساتھ دیا نتیجہ ظاہر تھا کہ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ (۶ مئی ۱۸۳۱ء) کو سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید نے بالاکوٹ میں جام شہادت نوش کیا ؎

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حادثۂ بالاکوٹ (۱۸۳۱ء) کے بعد اس تحریک کے قائد مولانا ولایت علی صادق پوری ہوئے جو اس وقت دکن میں تھے دکن سے فوراً صادق پور پہنچے بنگال میں خاص طور سے تبلیغ و اشاعت کا پروگرام بنایا دوسری جگہ بھی مبلغین بھیجے تدریس

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) (ملا نظام ف ۱۸۹۰ء) تذکیر الاخوان (مولوی سلطان خان شاہجہانپوری) تنبیہ الغافلین (ترجمہ و شرح) ترجمہ مسائل اربعین و تفسیر مقبول (مولوی عبداللہ بن بہادر علی حسینی وغیرہ کتب و رسائل خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

؎ جس وقت اللہ کے یہ فرمانبردار بندے دین و ملت کی خاطر میدان جہاد میں اپنی جانیں نچھاور کر رہے تھے اس زمانے میں اس تحریک کے سب سے زیادہ مخالف مولانا فضل حق خیرآبادی (ف ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) ایجنٹ دہلی کے محکمہ میں سررشتہ دار اور مولوی فضل رسول بدایونی (ف ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء) کلکٹری بدایوں (سہسوان) میں سررشتہ دار تھے حکومت برطانیہ کی دور اندیشی اور پالیسی ملاحظہ ہو کہ اس نے مسلمانوں کے ذہین اور صاحب علم و فضل طبقے کو سرکاری خدمات کے لئے حاصل کر لیا دہلی میں دبیر الدولہ نواب فرید الدین (بقیہ اگلے صفحہ)

کا باقاعدہ انتظام کیا اصلاحی اور دینی ادب کی اشاعت کی حج بیت اللہ سے سرفراز ہونے کے بعد ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء میں جہاد کی غرض سے بالاکوٹ پہنچے اور مجاہدین کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اس وقت کشمیر کے راجا گلاب سنگھ اور مجاہدین کے درمیان جنگ چھڑی ہوئی تھی راجا کو شکست ہوئی اس نے انگریزوں کے سایہ میں جاکر پناہ لی جو اس وقت تک پنجاب کے ایک حصے پر قابض اور ملکی معاملات میں پوری طرح دخیل ہو چکے تھے۔ مارچ ۱۸۴۹ء میں تمام پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) (ف ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۸ء) مفتی زین العابدین (ف ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء) مفتی صدرالدین آزردہ (۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) مولوی فضل امام خیرآبادی (ف ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء) مولوی محمد صالح خیرآبادی (برادر فضل امام خیرآبادی) مفتی فضل عظیم خیرآبادی (فرزند اکبر فضل امام خیرآبادی) مولوی فضل حق خیرآبادی (ف ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) بدایوں میں مولوی فضل رسول (ف ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) مولوی علی بخش صدر الصدور (ف ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء) مرادآباد میں مولوی عبدالقادر چیف رام پوری (۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء) الہ آباد میں مفتی اسداللہ (ف ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء) و قاضی عطا رسول چریاکوٹی۔ کلکتہ میں قاضی نجم الدین خاں کاکوروی (ف ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء) اور ان کے صاحبزادگان قاضی سعید الدین (۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء) مولوی حکیم الدین (ف ۱۲۶۹ھ) اور قاضی علیم الدین (ف ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) وغیرہ، مدراس میں قاضی ارتضا علی گوپاموی (ف ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) اور ناسک میں خان بہادر مولوی عبدالفتاح مفتی وغیرہ ہندپاکستان کے وہ علماء اتاعمل ہیں جنہوں نے منصب افتاء، قضاء اور صدر الصدوری کے ذریعے سرکار کمپنی کے انتظام و اقتدار حکومت کو بحال اور مضبوط تر کیا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سلہ۔۔ ہندوستان کی پہلی اصلاحی تحریک از مسعود عالم ندوی ص ۶۲

ہو گیا۔

۱۸۴۹ء سے تحریک جہاد کا ایک نیا موڑ شروع ہوتا ہے چونکہ اب تک مقابلہ سکھوں سے تھا اس لئے سرکار کمپنی خاموش تھی جب پنجاب پورے طور سے انگریزوں کے قبضے میں آگیا تو مجاہدین کی سرگرمیاں انگریزی حکومت کو ایک آنکھ نہ بھائیں حکومت کے پیدا کردہ حالات سے مجبور ہو کر مولانا ولایت علی اور ان کے بھائی مولانا عنایت علی اپنے وطن پٹنہ پہنچے اور وہاں مجسٹریٹ کے سامنے حاضر ہو کر دو سال کے لئے مچلکے دیئے۔ مولانا ولایت علی نے تبلیغ و تذکیر کا سلسلہ برابر جاری رکھا مولانا عنایت علی کو بنگال بھیجا اور دو سال کی مدت گزارنے کے بعد سرحد روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچنے کے سال ڈیڑھ سال بعد محرم ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں انتقال ہو گیا۔

مولانا ولایت علی کے انتقال کے بعد ان کے منجھلے بھائی مولانا عنایت علی امیر مقرر ہوئے جو نہایت پرجوش مجاہد تھے بہت سے معرکوں میں حصہ لے چکے تھے مولانا عنایت علی نے ۱۸۵۲ء سے ۱۸۵۸ء تک برابر اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور براہ راست انگریزی حکومت سے چھیڑ چھاڑ رہیں انگریزوں کے حلیف جہاں داد خاں والی امب پر حملہ کیا اسی

(صفحہ ۲۲ کا بقیہ) (ملاحظہ ہو سیرت فریدیہ از سرسید احمد خاں ص ۱۸، ۲۰ ہم باغی ہندوستان از عبدالشاہد خاں شروانی ص ۴۰، ۴۲ علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول ص ۲۵۵، ۲۵۶ و جلد دوم ص ۱۲، ۹۸، ۱۹۶ بیاض مولانا فضل حق خیرآبادی ۱۹، ۳۰ مملوکہ حکیم نصیرالدین نظامی دواخانہ کراچی۔ اکمل التذکرہ از محمد یعقوب ضیاء جلد دوم ص ۵۱، تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۲۴۴، ۲۴۲، ۳۴۲، ۵۰۹، ۵۱۲، ۵۱۳۔ تذکرہ مشاہیر کاکوروی ۱۲۲۳، ۱۹، ۲۸۶، ۳۴۲۷)

زمانے میں مولانا عنایت علی نے انگریزی حکومت کی فوجوں سے بھی براہ راست تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی ۱۸۵۸ء میں پشاور سے جنرل کاٹن کی سرکردگی میں مجاہدین پر حملہ ہوا مجاہدین نے خوب داد شجاعت دی مگر بڑی تعداد میں شہید ہوئے اور کچھ پہاڑوں میں چھپ گئے مولانا عنایت علی نے استھانہ کا رخ کیا مگر راستے ہی میں بمقام چمبی داعی اجل کو لبیک کہا (۱۸۵۸ء ۱۲۷۴ھ)

مولانا عنایت علی کے بعد ۱۸۶۲ء میں ان کے بھتیجے مولانا عبداللہ (بن مولانا ولایت علی) امیر قرار پائے[1] مولانا عبداللہ (ف ۱۹۰۲ء) زمام کار ہاتھ میں لیتے ہی تندہی اور مستعدی کے ساتھ جماعت کی فوجی تربیت میں لگ گئے۔ مولانا عبداللہ کے دور امارت کا سب سے اہم واقعہ معرکہ امبیلا (۱۸۶۳ء) ہے معرکہ امبیلا میں مجاہدین نے دین کی عظمت اور سربلندی کے لئے جس عزم واستقلال اور بہادری وجانبازی کا مظاہرہ کیا اس سے انگریزی حکومت کے حوصلے پست ہوگئے گو میدان انگریزی حکومت ہی کے ہاتھ رہا مگر اس کو بخوبی اندازہ ہوگیا کہ سرحد کے مجاہدین کو انگریزی مقبوضات کے اندر سے رسد۔ اسلحہ، رقوم اور تازہ دم مجاہدین پہنچتے ہیں ہند پاکستان میں اس تحریک کا سب سے بڑا مرکز صادق پور پٹنہ ہے اور اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے معلوم نہیں کتنے مراکز ہیں۔

جنگ امبیلا کے بعد انبالے کا مشہور مقدمہ (۱۸۶۴ء) ظہور پذیر ہوا جس میں گیارہ ملزم (۱) محمد شفیع انبالوی (۲) عبدالکریم (۳) الٰہی بخش (۴) میاں حسینی تھانیسری (۵)

---

[1] ۱۸۵۸ء میں مولانا عنایت علی کے انتقال کے بعد تین چار سال تک مجاہدین کی قیادت میر نصراللہ اور میر مقصود علی نے کی۔ ملاحظہ ہو ہسٹری آف فریڈم موومنٹ جلد دوم حصہ، ول ص ۱۴۶۔

حسینی عظیم آبادی (۶) عبدالغفور (۷) قاضی میاں جان (۸) مولوی یحییٰ علی (۹) میاں عبدالغفار (۱۰) مولوی عبدالرحیم (۱۱) مولوی محمد جعفر تھانیسری تھے جن میں سے اول الذکر چھ حضرات ابتلاء و آزمائش میں ثابت قدم نہ رہ سکے اور سرکاری گواہ بن کر نہایت ذلت و خواری کے ساتھ رہا ہوئے البتہ پانچ حضرات نے ایمان و استقامت کا پورا پورا ثبوت دیا قاضی میاں جان تو انبالہ جیل میں وفات پا گئے۔ مولوی یحییٰ علی نے جو تقویٰ اور ایمان و اخلاص میں سلف کا نمونہ تھے جزیرہ انڈمان کو آرام گاہ بنایا باقی تین حضرات میاں عبدالغفار، مولوی عبدالرحیم اور مولوی محمد جعفر تھانیسری نہایت سخت جان نکلے اور اٹھارہ سال کی مدت جزائر انڈمان میں گزار کر وطن پہنچے یہی وہ مقدمہ ہے جس سے ہمیں براہ راست تعلق ہے۔

مقدمہ انبالہ کے بعد حکومت نے پٹنہ (۱۸۶۵ء) مالدہ (۱۸۷۰ء) راج محل (۱۸۷۰ء) اور پٹنہ (۱۸۷۱ء بار دوم) میں بہت سے علماء، تجار اور مبلغین پر بغاوت اور سازش کے مقدمے چلائے ان کی جائدادیں ضبط کیں ان کو جیلوں میں ٹھونسا حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزائیں دیں یہی نہیں بلکہ بنگال اور بہار کے تمام مبلغوں کی فہرست مرتب کی گئی اور اس فہرست کے بموجب تقریباً دس سال تک یہ غریب تنگ کئے جاتے رہے اور اس کی وجہ سے بنگال کے کتنے ہی خوش حال خاندان تباہ و برباد کر دیئے گئے سازش کے مقدمات کا ذکر کرنے کے بعد مولوی مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں [1]

"اس کے یہ معنی نہیں کہ صرف یہی حضرات قید و محن میں مبتلا کئے گئے ۱۸۴۹ء سے ۱۸۷۱ء تک گرفتاریوں کا سلسلہ برابر جاری رہا تھا"

---

[1] ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک از مسعود عالم ندوی ص ۱۶۸ - ۱۶۹

تعداد کچھ "سزائیں دے کر" چھوڑ دی گئی کچھ بے قانون اور بے سزا حوالات اور جیلوں میں سڑتے پھرے، ایک اچھی خاصی جماعت وعدہ معاف گواہ بننے پر مجبور کی گئی"۔

سردار عبدالرحیم لکھتے ہیں۔ [1]

■ "بنگال میں وہابی تحریک کے بعد جو طرز عمل اختیار کیا اس سے مسلمان جاگیردار اور زمینداروں کی تمام املاک جو وسعت میں تمام بنگال کی ایک چوتھائی تھی گورنمنٹ انگلشیہ نے ضبط کرلی اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری ملت کے سینکڑوں شریف اور خوش حال خاندان نان شبینہ کو محتاج ہو گئے اور ہماری قوم کے ہزاروں افراد عالم بے کسی اور مفلسی میں دربدر پھرنے لگے"۔

حقیقت یہ ہے کہ انگریز نے تحریک جہاد کو بری طرح کچلا مجاہدین اور مصلحین کو "وہابی" [2] کے نام سے موسوم کر کے بدنام کیا گیا تمام ملک میں "وہابیوں" کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا

---

[1] خطبۂ صدارت آنریبل سر عبدالرحیم، اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ علی گڑھ ۱۹۲۵ء (ترجمہ قاضی عبدالرشید) ص ۱۲ (مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۲۵ء)

[2] ترکوں اور انگریزوں کے سیاسی پروپیگنڈے نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک کو وہابیت کا نام دے کر بدنام کیا ہند پاکستان میں انگریزوں نے سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے حضرات کو وہابیوں کے نام سے مطعون کیا اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک از مسعود عالم ندوی ص ۱۵-۳۱

مرکزی حکومت سے صوبائی حکومتوں سے ان کے حالات اور سرگرمیوں کی کیفیت طلب کی ایک محکمہ سراغ رسانی خاص اسی مقصد کے لئے وجود میں آیا حکومت انگریزی نے باغی اور وہابی مترادف الفاظ قرار دیئے عامۃ المسلمین میں ان کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کیا اور ایک عام معاشرتی انقطاع شروع کیا گیا حکومت کے اشارے پر لدھیانے سے ایک فتویٰ شواہد الحق کے نام سے شائع ہوا جس کی رو سے مساجد میں "وہابیوں" کو بازو پکڑ کر مسجد سے باہر نکالنے کا حکم دیا گیا ان کو زدوکوب کیا گیا ان کی تذلیل و تشہیر کی گئی اگر ایک طرف ولیم ولسن ہنٹر نے "اور انڈین مسلمانس" لکھ کر ان کے خلاف حکومت کو مواد مہیا کیا تو دوسری طرف مولانا فضل رسول بدایونی (متوفی ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء) اور ان کے تلامذہ نے "غریب" وہابیوں" کے خلاف تصنیفات و تالیفات کا ایک انبار لگا دیا[1]

غیروں اور اپنوں کے اس رویئے سے بدنام "وہابی" گھبرا اٹھے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے جہاد کی تحریک اندرون ہند پاکستان قطعی طور سے ختم ہو گئی۔ اپنے لئے "وہابی" کی بجائے "اہل حدیث" کا نام مروج و مشتہر کیا انہوں نے باقاعدہ وفاداری حکومت برطانیہ کا اعلان کیا مولوی محمد حسین بٹالوی (م ۱۳۳۸ھ) نے سرکاری تحریرات میں "وہابی" کے بجائے "اہل حدیث" لکھے جانے کے باقاعدہ احکام جاری کرائے غرض انگریز نے اپنے بے پناہ مظالم اور شاطرانہ سیاست سے اس اسلامی تحریک

---

[1] مولوی فضل رسول بدایونی کی تصنیفات میں سیف الجبار، تصحیح المسائل، البوارق المحمدیہ الرجم الشیاطین لنجدیہ، احقاق الحق و ابطال الباطل اور مجموعہ رسائل و فوائد ہماری نظر سے گزرے ہیں۔

کا خاتمہ کر دیا۔ تحریک کا رخ بدل گیا اور اب وہ چند فروعی مسائل میں الجھ کر رہ گئی ہے بعض علماء نے ان ہی فروعی اور اختلافی مسائل کو اصل مقصد تحریک سمجھا رکھا ہے مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم لکھتے ہیں۔

"اہل حدیث کے نام سے ملک میں اس وقت بھی جو تحریک ہے حقیقت کی رو سے وہ قدم نہیں صرف نقش قدم ہے مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جس تحریک کو لے کر اٹھے وہ فقہ کے چند مسائل نہ تھے بلکہ امامت کبریٰ، توحید خالص اور اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی تعلیمات تھیں مگر افسوس ہے کہ سیلاب نکل گیا اور باقی جو رہ گیا ہے وہ گزرے ہوتے پانی کی فقط لکیر ہے" (تراجم علمائے اہل حدیث (مقدمہ) ص ۳۵

مولوی محمد جعفر تھانیسری سید احمد شہید کی تحریک کے خاص اراکین میں سے ہیں انہوں نے اپنے مقاصد کے تحت جانی اور مالی قربانیاں پیش کیں معرکہ امبیلا کے بعد ۱۸۶۴ء میں ان پر بغاوت اور سازش کے الزام میں مقدمہ چلا۔ جائداد ضبط اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی مگر انہوں نے فرنگی استبداد کے خلاف استقامت کا پورا پورا ثبوت دیا اور ابتلاؤ آزمائش میں پورے اترے اب ہم مولوی محمد جعفر تھانیسری کے حالات و واقعات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

مولوی محمد جعفر قصبہ تھانیسر (ضلع انبالہ) کے باشندے تھے والد کا نام میاں جیون تھا رائیں قبیلے کے چشم و چراغ تھے تقریباً ۱۸۳۸ء میں پیدا

ہوئے[1] ابتدائی عمر میں تعلیم کی طرف توجہ نہیں ہوئی جلد ہی والد کا انتقال ہو گیا اس سلسلہ میں خود مولوی محمد جعفر لکھتے ہیں[2]۔

"میں نے دس برس کی عمر تک کوئی تعلیم حاصل نہیں کی اپنے باپ کے فوت ہو جانے کے بعد جبکہ میری عمر دس بارہ برس کی تھی اور میرا چھوٹا بھائی چھ مہینے کا تھا ہم اپنی والدہ کی سرپرستی میں تربیت پانے لگے میری والدہ بالکل ناخواندہ تھیں انہیں کوئی مذہبی تعلیم نہ دی گئی تھی لڑکپن میں میں نے تعلیم کی طرف مطلق توجہ نہ کی اور آزاد پھرتا رہا مجھے تھوڑی سی عقل آگئی تو تعلیم کی طرف متوجہ ہوا"۔

محمد جعفر نہایت ذہین و ذکی تھے جب تعلیم کی طرف میلان ہوا تو نہایت ذوق و شوق اور کوشش و سعی کا مظاہرہ کیا مولوی صاحب کی تعلیم کے متعلق تفصیلات نہیں ملتیں مگر اندازہ ہے کہ مروجہ تعلیم سے جلد ہی فراغ حاصل کر لیا ہو گا۔

مولوی صاحب کی تعلیم اس نہج پر ہوئی کہ خواص ادویہ وغیرہ سے بھی کچھ مناسبت

---

[1] مولوی محمد جعفر تھانیسری نے "کالا پانی" میں کئی جگہ اپنی عمر کا ذکر کیا ملاحظہ ہو۔

[2] مولوی محمد جعفر تھانیسری نے خود اپنے حالات ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ (مطابق ۲۶ جون ۱۸۶۴ء) سے تحریر کئے مولوی صاحب کا یہ نوشتہ حکومت کے ہاتھ لگ گیا اس کا خلاصہ مقدمہ انبالہ میں پیش ہوا ولیم ہنٹر نے وہی خلاصہ اپنی کتاب "آور انڈین مسلمانس" میں شامل کر لیا ہے ملاحظہ ہو "آور انڈین مسلمانس" ص ۸۰

ہوگئی چنانچہ جب اندار جیل میں بیمار ہوئے اور انگریزی دواؤں سے فائدہ نہ ہوا تو ڈاکٹر کے کہنے سے اپنے لئے مربہ سیب، مربہ آملہ، شربت انار، شربت بنفشہ و نیلوفر و ورق نقرہ وغیرہ عمدہ عمدہ مقوی و مفرح دوائیاں تجویز کیں ان دواؤں سے خاطر خواہ فائدہ ہوا خود ہی لکھتے ہیں [۱]

"بخار تو قسم حرقہ سے تھا ان شربتوں کے استعمال سے دوسرے دن رفع ہو گیا اور مربوں اور اوراق نقرہ سے بدن اور معدہ میں بھی طاقت اور قوت آگئی"

مولوی محمد جعفر کو قرآن و حدیث سے خاص شغف تھا بقدر تین سیپاروں کے قرآن کریم حفظ تھا اور حدیثیں تو سینکڑوں یاد تھیں۔ تہجد کی نماز کے بچپن سے عادی تھے [۲] بچپن سے نماز تہجد کے عادی ہونے میں ان کے والدین کی مذہبی زندگی کا اثر معلوم ہوتا ہے مولوی محمد جعفر کی والدہ نہایت راسخ العقیدہ خاتون تھیں سنت کی پابند تھیں جس زمانہ (مئی ۱۸۶۴ء) میں مولوی صاحب قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہے تھے ان بزرگ خاتون کو سانپ نے کاٹ کھایا لوگوں نے سانپ کے علاج کے لئے مشرکانہ رسوم تجویز کئے تو انہوں نے سختی سے انکار کر دیا اور کہا [۳]

"میرے گھر سے شرک و بدعت مدت سے اٹھ گیا ہے اب میں

---

[۱] ملاحظہ ہو ص ۱۱۱

[۲] ملاحظہ ہو ص ۱۷۸

[۳] ملاحظہ ہو ص ۱۰۵

اپنے بیٹے کی غیر حاضری میں اپنے گھر میں شرک نہ ہونے دوں گی
ایسی بے ایمانی کی حیات سے موت افضل ہے۔"

مئی ۱۸۶۴ء میں ان رابعہ عصر خاتون کا انتقال ہو گیا ایسی موت پر لاکھوں زندگیاں قربان۔

مروجہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولوی محمد جعفر نے ۱۸۵۶ء میں مقامی عدالتوں میں عرائض نویسی شروع کر دی اور تھوڑی ہی مدت میں قانون دانی میں ایسا کمال حاصل کر لیا کہ تمام عرائض نویس اور وکلا عدالتی قوانین اور ضوابط کے متعلق ان سے مشورے کرنے لگے یہاں تک کہ مولوی محمد جعفر کی دور دور شہرت ہو گئی اور قرب و جوار کے بعض زمینداروں نے ان کو اپنا قانونی مشیر مقرر کر لیا[1] مولوی محمد جعفر کی قانونی دانی اور مہارت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مقدمہ انبالہ میں کوئی وکیل پیروی کے لئے مقرر نہیں کیا بلکہ خود ہی جواب دہی کی جرح و بحث میں اس قدر مہارت تھی کہ جب انہوں نے گواہوں سے سوالات کئے تو وہ جوابات سے تنگ آ گئے[2]

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مولوی محمد جعفر کے والد میاں جیون کا ذریعہ معاش کاشتکاری تھا اور وہ ایک مرفہ الحال شخص تھے[3] مولوی محمد جعفر کا جب ۱۸۵۶ء

---

[1] آور انڈین مسلمانس ۸۱۲

[2] ملاحظہ ہو ص ۹۴۳

[3] ہنٹر نے لکھا ہے کہ "وہ (مولوی محمد جعفر) ایک بہت ہی غریب گھرانے میں پیدا ہوا۔"
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں نکاح ہوا تو انہوں نے اپنے حصے کی کل جائداد مہر کے عوض اپنی بیوی کے
لکھدی ؎۔ مولوی محمد جعفر نے عرائض نویسی اور قانون دانی کے ذریعے بھی کا
دولت اور شہرت حاصل کی زمینداری اور جائداد پیدا کی تھانیسر سے ایک میل
سے فاصلے پر ان کی زمینداری تھی مولوی محمد جعفر اپنی مالی حالت پر ان الفاظ میں تبصرہ
کرتے ہیں ؎۔

"میں ہزاروں روپے کی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ پر قابض
تھا بیسیوں آدمی میری رعیت رہتے تھے ایسے بڑے شہر کا نمبردار
گھوڑے اور گاڑیوں میں سوار پھرتا تھا ہر کام کے میرے گھر میں
نوکر چاکر تھے"۔

مولوی محمد جعفر اکابر صادق پوریں سے کسی کے مرید تھے مولوی عنایت علی

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) (آور انڈین مسلمانس ص ۷۹) یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ
ہنٹر نے ۱۸۵۶ء میں مولوی محمد جعفر نے عرائض نویسی کا پیشہ اختیار کیا اور اسی سال ان کی شادی
ہوئی تو انہوں نے اتنی جلدی کہاں سے زمینداری و جائداد حاصل کر لی کہ جس کو بیوی کے مہر
میں لکھدیا۔ یہ یقیناً ان کے والد کی چھوڑی ہوئی جائداد تھی جس میں سے انہوں نے اپنے حصے
کی جائداد اپنی بیوی کے مہر میں لکھدی۔

؎ مولوی محمد جعفر کی شادی پانی پت میں ہوئی تھی گرفتاری کے وقت دو لڑکے اور
ایک لڑکی تھی بڑا لڑکا محمد صادق انکی اسیری کے زمانے میں فوت ہو گیا چھوٹا لڑکا، لڑکی اور بیوی رہائی
کے وقت زندہ تھے۔ ؎ ملاحظہ ص ۱۱۲

سرحد ہجرت (شوال ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء) کرنے کے بعد جب جماعت کا نظام مولوی یحییٰ علی کے سپرد ہوا تو مولوی محمد جعفر ان کے زیر ہدایت اپنے "فرائض" انجام دینے لگے بلکہ ہنٹر کی رائے ہے کہ مولوی یحییٰ علی کی تعلیم و تحریک ہی سے وہ تحریک جہاد میں شریک ہوئے ہنٹر لکھتا ہے[1]

"جعفر بہت دور دراز تک پھیلی ہوئی وہابی سازش میں داخل ہو گیا اس کے خفیہ فرائض نے اس کے نفرت انگیز پیشے کو بھی مقدس بنا دیا کیونکہ وہ اس کے متعلق لکھتا ہے کہ میں نے اس کام کو ایک خاص آدمی کے حکم کے مطابق اور ایک خفیہ مقصد کے لئے اختیار کر رکھا ہے یہ خاص شخص پٹنے کا مولوی یحییٰ علی ہندوستان میں وہابیوں کا پیشوا تھا کہ جہاں کی وہابی نوآبادی کو رنگروٹ اور اسلحہ ہیم پہنچائے جائیں۔ جو اس وقت علانیہ حکومت سے برسرپیکار تھے۔"

بہرحال یہ یقینی بات ہے کہ مولوی محمد جعفر ۱۸۵۶ء سے قبل اس تحریک میں ذمہ دارانہ طور سے شریک ہو چکے تھے اور اس کے عواقب و نتائج کا بھی ان کو کسی قدر اندازہ تھا اسی لئے انہوں نے اپنے نکاح کے دن ہی اپنے حصے کی جائداد حفظ ماتقدم کے طور پر اپنی بیوی کے مہر میں لکھدی تھی[2]

---

[1] آور انڈین مسلمانس ص ۸۷

[2] ملاحظہ ہو ج۱

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولوی عنایت علی نے نہایت عزم واراد ے کے ساتھ مردانہ وار حصّہ لیا، مجاہدین کی قیادت کی اور انگریزی حکومت کے لئے مشکلات پیدا کیں جس کے نتیجہ میں تو شہرہ اور مردان کے فوجیوں میں کچھ شورش و بغاوت ہوئی اور نارنجی کی جنگ کا واقعہ پیش آیا۔[1] ہنٹر کا بیان ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں مولوی محمد جعفر اپنے بارہ معتمد ہمراہیوں کے ساتھ مجاہدین کے کیمپ کی طرف (مولوی عنایت علی کے پاس) گئے[2] اور نہایت قابلیت سے جنگ میں حصّہ لیا[3] لیکن جب دہلی میں (ستمبر ۱۸۵۷ء) "باغیوں" کی امیدیں خاک میں مل گئیں تو محمد جعفر تھانیسر واپس آگئے۔

مولوی محمد جعفر تحریک جہاد کے رکن عظیم اور ایک بڑے رازدار تھے ان کا اصطلاحی نام "پیرو خاں" یا "پیرو خلیفہ" تھا۔ سرحد کو روپیہ، اور مجاہدین ان کے ذریعے سے جاتے تھے۔ پیامبر اور مجاہدین ان کے یہاں ٹھیرتے تھے رازدارانہ خط و کتابت ان کے ذریعے سے ہوتی تھی حقیقت یہ ہے کہ سرحد اور صادق پور کے مرکزوں کے درمیان تھانیسر بھی ایک خاص مرکز تھا۔ مولوی محمد جعفر اکابر صادق پور کے معتمد علیہ اور ان کے رازہائے سربستہ کے امین و محافظ تھے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی

---

[1] مولوی عنایت علی کی قیادت میں ۱۸۵۷ء میں جو واقعات پیش آئے ان کی تفصیل مولوی غلام رسول مہر نے اپنی کتاب سرگزشت مجاہدین میں نہایت تحقیق سے درج کی ہے ملاحظہ ہو ص ۲۹۱-۳۰۱

[2] آور انڈین مسلمانس ص ۸۱

[3] ہنٹر کے علاوہ اس "خبر واحد" کی کسی اور ذریعے سے تصدیق نہیں ہوئی۔

بڑے تعلقات تھے چنانچہ جب ۱۸۶۵ء میں میاں صاحب راولپنڈی میں نظر بند ہوئے تو ان کے کاغذات میں مولوی محمد جعفر تھانیسری کے بھی تین خط نکلے[۱]

جب حکومت کو یہ یقین ہو گیا کہ سرحد پہ مجاہدین کے پاس رقم اور آدمی مولوی محمد جعفر کے ذریعے سے بھیجے جاتے ہیں تو ۱۲ دسمبر ۱۸۶۳ء کو ان کی خانہ تلاشی ہوئی مولوی محمد جعفر فرار ہو گئے ان کی گرفتاری کے لئے دس ہزار روپیہ کا اشتہار جاری ہو کر آخر علی گڑھ سے گرفتار ہو کر انبالے لائے گئے مقدمہ چلایا گیا۔ ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو مقدمے کا فیصلہ سنا دیا گیا تمام جائداد منقولہ وغیر منقولہ ضبط ہوئی اور پھانسی کی سزا تجویز ہوئی مولوی محمد جعفر نے کسی قسم کی پریشانی اور رنج کا اظہار نہیں کیا بلکہ نہایت خوش اور مطمئن رہے مقدمے میں مولوی محمد جعفر نے نہایت استقامت اور پامردی کا ثبوت دیا مولوی محمد جعفر کو لالچ بھی دیا گیا اور رعب کے سبب سے بھی واسطہ پڑا مگر ایمان کی لذت سے سرشار ہر موقعہ پر ثابت قدم رہے جج نے مولوی محمد جعفر سے مخاطب ہوتے ہوئے فیصلہ ان الفاظ میں سنایا[۲]

"تم بہت عقلمند ذی علم اور قانون داں اور اپنے شہر کے نمبردار اور رئیس ہو تم نے اپنی ساری عقلمندی اور قانون دانی کو سرکار کی مخالفت میں خرچ کیا تمہارے ذریعے سے آدمی اور روپیہ سرکار

---

[۱] سلیکشنس فرام بنگال گورنمنٹ ریکارڈس آن وہابی ٹرائلس مرتبہ معین الدین احمد خاں ص ۶۵-۶۶

[۲] ملاحظہ ہو ص ۹۸

کے دشمنوں کو جانا تھا تم نے سوائے انکار بحث کے کچھ جیلنا بھی خیر خواہی سرکار کا دم نہیں بھرا اور باوجود فہمائش کے اس کے ثابت کرانے میں کچھ کوشش نہ کی اس واسطے تم کو پھانسی دی جاوے گی اور آخیر میں یہ کلمہ بھی فرمایا کہ میں تم کو پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوں گا۔

مولوی محمد جعفر نے کیا مردانہ وار جواب دیا۔

"جان دینا اور لینا خدا کا کام ہے آپ کے اختیار میں نہیں ہے وہ رب العزت قادر ہے کہ میرے مرنے سے پہلے تم کو ہلاک کرے۔

مولوی محمد جعفر کے یہ الفاظ الہامی ثابت ہوئے اور چند روز کے بعد وہ جج اپنی موت مر گیا۔

چیف کورٹ میں اپیل کی گئی ۱۶ر دسمبر ۱۸۶۴ء کو اپیل کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ پھانسی حبس دوام بعبور دریائے شور میں تبدیل ہو گئی اور وہ بھی اس وجہ سے کہ ان جہاد و حریت کے نقیبوں کو مسلسل شدائد و مصائب کا شکار کیا جائے۔

یکم ستمبر ۱۸۶۴ء سے فروری ۱۸۶۵ء تک مولوی محمد جعفر انبالہ جیل میں رہے ۲۲ر فروری ۱۸۶۵ء کو لاہور جیل روانہ ہوئے اخیر اکتوبر ۱۸۶۵ء کو انڈمان روانگی ہوئی لاہور سے ملتان، سکھر، ٹھٹھ، کوٹری ہوتے ہوئے کراچی پہنچے ایک ہفتے کراچی جیل میں رہے پھر بذریعہ بادبانی جہاز بمبئی روانہ ہو گئے وہاں تھانہ جیل میں ایک ماہ رہے ۸ر دسمبر ۱۸۶۵ء کو وہاں سے بھی روانگی ہو گئی ۱۱ر جنوری ۱۸۶۶ء کو مولوی محمد جعفر نے سرزمین انڈمان پر قدم رکھا اور زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا۔

مولوی محمد جعفر کے جہاز سے اترتے ہی مولانا احمد اللہ اور ان کے ساتھیوں نے استقبال کیا مولانا احمد اللہ دو روز پہلے انڈمان پہنچ چکے تھے مولوی محمد جعفر مولانا احمد اللہ کے ہمراہ منشی غلام نبی محرر کے مکان پر پہنچے وہاں مولوی محمد جعفر کی بیڑیاں کاٹی گئیں اور عمدہ لباس پہنایا گیا۔ منشی اکبر زماںؔ اکبر آبادی کی کوشش سے چیف کمشنر کے دفتر میں "محرر سیکشن ورڈ" یا "نائب میر منشی" مقرر ہو گئے تنخواہ کے علاوہ رہنے کو مکان اور خدمت کو ایک ملازم ملا۔ کسی قسم کی کوئی پابندی نہ رہی جہاں چاہیں آئیں جہاں چاہیں جائیں۔

جب مولوی محمد جعفر انڈمان پہنچے اس وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی عین عالم شباب تھا پہلے اپنے اہل وعیال کو وطن سے بلانے کی کوشش کی جب اس میں ناکام رہے تو انہوں نے وہیں ایک کشمیری خاتون سے نکاح کر لیا ۳۰ اپریل ۱۸۶۸ء کو ان کا انتقال ہو گیا یہ بیوی نہایت دیندار اور متبع سنت تھیں مولوی یحییٰ علی کی مرید

لہ منشی اکبر زماں بن امیر زماں اکبر آباد کے رہنے والے تھے عربی و فارسی کی مروجہ تعلیم پائی مجید تخلص کرتے تھے درس و تدریس مشغلہ تھا پھر قلعہ آگرہ میں میر منشی رہے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا جب آگرہ پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو منشی اکبر زماں گرفتار ہوئے مقدمہ چلا اور حبس بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی جزیرہ انڈمان و نکوبار میں چیف کمشنر کے دفتر میں نائب میر منشی رہے۔ تقریباً بیس سال کے بعد رہائی ہوئی آگرے پہنچے اور ٹیوشن پر گزارہ کرنے لگے آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے مگر حافظہ صحیح تھا شاہ مظفر علی اکبر آبادی کے مرید تھے ۱۹۰۴ء میں انتقال ہوا اور کربلا کے قبرستان میں دفن ہوئے ان کا کلام مولوی محمد علی شاہ میکش کے پاس ہے (ملاحظہ ہو ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء از مفتی انتظام اللہ شہابی ص ۶۵۔۶۷ مطبوعہ دہلی ۱۹۵۶ء)

تھیں مولوی محمد جعفر نے دوسری شادی الموڑے کی ایک برہمن زادی سے کی مولوی صاحب نے پہلے اس کو اسلام کی دعوت پیش کی جس کو اس نے بخوشی قبول کر لیا ۱۵ر اپریل ۱۸۷۶ء کو دوسرا نکاح ہوا اس بیوی سے دس اولادیں ہوئیں جن میں آٹھ زندہ رہیں اور یہی بیوی مولوی محمد جعفر کے ہمراہ ہندپاکستان آئیں۔

مولوی محمد جعفر نے ملازمت کے ساتھ تجارت بھی کرنی چاہی مگر اس میں کوئی خاص فائدہ نہ ہوا تین سو روپے کا مال دہلی سے منگوایا جو دو سال میں ان کے پاس پہنچا اس میں ڈیڑھ سو روپئے کا خسارہ ہوا۔ دوسری مرتبہ ان کی ہنڈی بنگالیوں نے پکڑوادی کیونکہ ملازم سرکار کو تجارت کی اجازت نہ تھی۔ مولوی جعفر نے اپنے سابقہ تعلقات و روابط کی بنا پر مولوی نذیر حسین دہلوی سے خط وکتابت جاری رکھی مختلف اوقات میں کتابیں منگائیں۔ مذہبی فتوے اور مسئلے پوچھے تجارت کے سلسلہ میں دہلی سے جو چیزیں منگائی گئی تھیں وہ مولوی نذیر حسین ہی کے ذریعے منگائی تھیں اور ان کو لکھا تھا کہ یہ تمام سامان خرید کر کلکتہ میں مولوی احمد علی کے پاس بھیجدیا جائے۔ مولوی نذیر حسین دہلوی سے ایک فتویٰ پوچھا گیا کہ ایک عورت جس کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی ہے اس کی رہائی کی کوئی اُمید نہیں ہے اور وطن میں اس کا شوہر زندہ ہے تو ایسی صورت میں انڈمان میں اس عورت کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ اس زمانے میں جزیرہ انڈمان میں خاص اہمیت رکھتا تھا مولوی محمد جعفر نے اپنے ایک مکتوب مورخہ ۲۹ر اپریل ۱۸۷۶ء (موصولہ دہلی اگست ۱۸۷۶ء) کے ذریعے مولوی رحمت اللہ کیرانوی (ف ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۱ء) کی ایک کتاب ▪ رد نصاریٰ

منگوائی گئی۔[1]

مولوی محمد جعفر نے انڈمان کا تمام زمانۂ اسیری ملازمت میں گزارا پہلے جزیرہ پریسیوڈنٹس میں رہے جنوری ۱۸۶۷ء میں ہوجزیرے کو تبادلہ ہوا اور وہاں اسٹیشن محرر مقرر ہوئے۔ فروری ۱۸۷۲ء میں لارڈ میو کا قتل ہوا تو مولوی محمد جعفر کو صدر جزیرہ روس بلا لیا گیا جون ۱۸۷۶ء میں جزیرہ ابرڈین کو بحیثیت میر منشی تبادلہ ہو گیا اور غالباً وہیں آخر وقت تک رہے مولوی صاحب نہایت محنت اور قابلیت سے اپنے فرائض منصبی انجام دیتے تھے تمام حکام ان پر اعتماد کرتے تھے میجر پارکر و لکھتا ہے کہ[2]

"میں فروری ۱۸۶۹ء سے محمد جعفر کو جانتا ہوں اس وقت سے آج تک جہاں کہ مجھ کو موقع اس کے چال چلن کے دریافت کا ملا ہے میں نے اس کو ایک بے نظیر اور لاثانی آدمی پایا ہے یہ شخص بڑا علم دوست اور نہایت جفاکش آدمی ہے پورٹ بلیر میں آکر اس نے علم انگریزی بھی سیکھ لیا ہے کہ اس کو نہایت عمدگی سے پڑھتا لکھتا اور بولتا ہے اور بہت موقعوں میں جہاں جہاں یہ سرکاری کچہری میں رہا ہے نہایت کارآمد سرکار ہوا ہے۔۔۔۔ ۔۔۔ اور جب کسی کام کے واسطے اس کو حکم ملا ہے تو ہمیشہ نہایت

---

[1] سلیکشنس فرام بنگال گورنمنٹ ریکارڈس آن وہابی ٹرائلس ص ۶۴-۶۵

[2] تاریخ پورٹ بلیر (تاریخ عجیب) ص ۲-۳

خوشی سے اس نے اس کو انجام دیا ہے اور کیسا ہی کسی قدر کام ہو وہیں ہمیشہ اس کو اس کے کرنے میں کمربستہ و تیار پاتا ہوں۔"

رہائی کے موقع پر جب حکومت ہند نے محمد جعفر کے حالات اور چال چلن کی کیفیت طلب کی تو سپرنٹنڈنٹ نے لکھا[1]

"مولوی محمد جعفر نے انڈمان کے تمام دوران قیام میں نہایت قابلیت اور لیاقت کا مظاہرہ کیا ہے اس کا کردار اور چال چلن بہت اچھا رہا ہے۔"

مولوی محمد جعفر کے اعمالنامے میں صرف چار قابل اعتراض واقعات کی نشاندہی کی گئی ہے جو درج ذیل ہیں[2]

(۱) ۱۲ر جنوری ۱۸۶۷ء کو ایک گمنام درخواست اسپرنٹنڈنٹ (جزیرہ) کو بھیجی جس میں جھوٹی اور بدنام کن اطلاع تھی اس کے نتیجہ میں سپرنٹنڈنٹ کے دفتر سے برخاست ہوئے اور بطور سزا تیسرے درجے کے ملازمین میں تبدیل ہو گئے۔

(۲) ۴ر جنوری ۱۸۶۸ء کو جھوٹی شکایت کرنے پر پانچ روپیہ جرمانہ ہوا۔

(۳) ۹ر جون ۱۸۷۵ء کو ایک یوروپین سپاہی کے کپڑے خریدے جس پر ان کو تنبیہ کی گئی۔

۱؎ سلیکشنس فرام بنگال گورنمنٹ ریکارڈس آن وہابی ٹرائلس ص ۲۶۰

۲؎ ایضاً ص ۲۴۶-۲۴۷، ۲۶۰

(۴) ۱۹ اگست ۱۸۸۲ء کو سپرنٹنڈنٹ کے جاری کردہ کسی قانون کی تعمیل نہیں کی جس کی بنا پر وہ حکم عدولی کے جرم سے نامزد کئے گئے۔

انڈمان میں بحیثیت قیدی کے مولوی محمد جعفر کا نمبر (۱۱۴۷۰) تھا۔[1]

مولوی محمد جعفر نے ایک شخص رام سروپ سے انگریزی پڑھی اور ایک سال کے عرصے میں اس زبان میں لکھنے پڑھنے اور بولنے میں خاصی مہارت حاصل کر لی مولوی محمد جعفر فرصت کے اوقات میں فارسی، اردو ناگری زبانیں انگریزوں وغیرہ کو سکھایا کرتے تھے اس لئے انگریزوں سے باہمی ربط وضبط رکھنے اور ترجمہ د مشق کی وجہ سے انگریزی کی استعداد خاصی پختہ ہو گئی یہاں تک کہ وہ انگریزی میں عرضی اور اپیل بھی لکھنے لگے اور اس سے ان کو کافی مالی منفعت بھی ہوئی جزائر انڈمان میں ان کے سوا کوئی دوسرا مسلمان انگریزی خواں نہ تھا انہوں نے مسلمانوں کے مقدمات میں بڑی مدد کی یہاں تک کہ بعض کی پھانسیاں تک منسوخ ہوئیں، غرض انگریزی جاننے کی وجہ سے انہوں نے مسلمانوں کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

انگریزی زبان کی اہمیت کے متعلق محمد جعفر لکھتے ہیں۔[2]

"جو انگریزی نہیں جانتا وہ بلاشبہ دنیا کے حالات سے بخوبی ماہر نہیں اور بے انگریزی سیکھے پکا دنیادار اور طرار نہیں ہو سکتا۔ اور نہ سوائے اس زبان کے آج کل کوئی آلہ زر کمانے کا ہے۔"

---

[1] سلیکشنز فرام بنگال گورنمنٹ ریکارڈس آن وہابی ٹرائلس ص ۲۶۰

[2] ملاحظہ ہو ج م

انڈمان کی نوآبادی میں مختلف اقوام، ممالک اور مذاہب کے لوگ تھے
اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ ان میں اکثریت ہند پاکستانیوں کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ
عام استعمال کی زبان اور دفتری زبان ہندوستانی (اردو) قرار پائی مولوی محمد جعفر
لکھتے ہیں سلہ

"جب یہ لوگ آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو اپنی اپنی زبان میں
بات چیت کرتے ہیں مگر بازار اور کچہریوں کی زبان یہاں ہندوستانی
ہے اس واسطے ہر آدمی کو خواہ وہ کسی ملک کا ہو یہاں آکر ہندوستانی
زبان سیکھنا ضرور پڑتا ہے بلکہ بے سیکھے تھوڑے روز کے بعد ہر
آدمی خود بخود ہندوستانی بولنے لگتا ہے کیونکہ جب تک کوئی آدمی
ہندوستانی نہ بولے اس کا گزارہ نہیں ہو سکتا"

مولوی محمد جعفر نے رہائی کے لئے بہت کوشش کی مگر بے سود۔ ۱۵ر اگست
۱۸۸۲ء کو مولوی عبدالرحیم صادق پوری کی بیوی مسماۃ جمیلا نے اپنے شوہر کی
رہائی کے لیے درخواست دی جس کے نتیجے میں "وہابی کیس" کے جملہ ملزمین کا
مسئلہ زیر بحث آیا اس وقت ہند پاکستان کے گورنر جنرل لارڈ رپن تھے جن کا
تعلق لبرل جماعت سے تھا۔ ان کی حکومت نے "وہابی کیس" کے جملہ ملزمین کی
رہائی منظور کر لی تلہ چنانچہ ۳۰ر دسمبر ۱۸۸۲ء کو ان کی رہائی کی اطلاع مولوی محمد جعفر

سلہ ملاحظہ ہو ص ۲۰۲

تلہ سلیکشنس فرام بنگال گورنمنٹ ریکارڈس آن وہابی ٹرائلس ص ۲۴۰-۲۴۲

کی بیوی کو پانی پت مل گئی۔

۲۲ر جنوری ۱۸۸۳ء کو رہائی کا حکم محمد جعفر کو انڈمان میں ملا۔ مگر انکی بیوی کو بھی عمر قید کی سزا تھی اور ابھی صرف ۱۴ سال گزرے تھے انھوں نے اپنی بیوی کی رہائی کی درخواست دی یکم مئی ۱۸۸۳ء کو ان کی بیوی کی رہائی کا حکم بھی آگیا اتفاق سے ان کو اس وقت چھ ماہ کا حمل تھا لہذا چھ ماہ مزید ٹھیرنا پڑا اس دوران میں محمد جعفر نے اپنا تمام اسباب فروخت کیا اور مکان کو وقف کر کے مسجد بنانی چاہی جس کی ڈپٹی کمشنر نے اجازت نہیں دی۔

۹ر نومبر ۱۸۸۳ء کو سترہ سال دس ماہ کے بعد انڈمان سے ایک بیوی آٹھ بچے اور آٹھ ہزار روپیہ نقد لے کر ہند پاکستان روانہ ہوئے ۱۳ر نومبر ۱۸۸۳ء (۱۴ر محرم سنہ ۱۳۰۱ھ) کو کلکتے پہنچے اور مولوی عبدالرحیم کے بھائی مولوی عبدالرؤف کے پاس چینا پاڑے میں دو روز ٹھیرے۔ ۲۰ر نومبر ۱۸۸۳ء کو رات کے ۱۰ بجے انبالہ چھاؤنی کے اسٹیشن پہنچے تقریباً اٹھارہ سال کے بعد اس مرد مجاہد کو سرزمین وطن دیکھنی نصیب ہوئی۔

مولوی محمد جعفر بازار انبالہ کیمپ میں ایک مکان کرایہ پر لے کر اس میں رہنے لگے اس زمانے میں مولوی صاحب کا ایک شاگرد کپتان ٹمپل کیمپ انبالہ میں مجسٹریٹ تھا اس نے مولوی صاحب کی بڑی مدد کی اپنی ضمانت پر حکومت کی عائد کردہ پابندی ختم کرائیں بیس روپئے ماہانہ اپنی طرف سے مقرر کر دئیے دوسرے انگریزوں کے پڑھانے سے تیس روپئے مل جاتے تھے اپریل ۱۸۸۶ء میں کپتان ٹمپل کا تبادلہ ہو گیا تو مولوی صاحب پر پولیس کی نگرانی ہو گئی لیکن فروری ۱۸۸۸ء میں خود

بعد حکومت نے یہ پابندیاں مولوی محمد جعفر کے اوپر سے ختم کر دیں۔ اور مولوی صاحب کی ملازمت کا سلسلہ ریاست ارنولی میں ہو گیا۔ اس ملازمت سے وہ کافی مطمئن تھے ۱۹۰۵ء میں انتقال ہوا۔ ان کے صاحبزادے مولوی محمد اسمٰعیل وکیل انبالہ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں غیر مسلموں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ مولوی محمد اسمٰعیل کے صاحبزادے آج کل لاہور میں کسی سرکاری محکمے میں ملازم ہیں۔ [1]

مولوی محمد جعفر کو تصنیف و تالیف سے خاص شغف تھا کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں کالا پانی (تواریخ عجیب) اور سوانح احمدی کافی مشہور ہیں۔

نصائح جعفری مولوی محمد جعفر نے اپنے حالات ۸ ذی الحجہ ۱۲۷۸ھ (مطابق ۱۶ جون ۱۸۶۲ء) سے لکھنے شروع کئے یہ نوشتہ حکومت کے ہاتھ لگ گیا اس کا خلاصہ مقدمہ انبالہ میں پیش ہوا ولیم ہنٹر نے اسی خلاصہ کو اپنی کتاب آور انڈین مسلمانس میں شامل کر لیا کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔ [2]

"میں نے یہ کتاب منگل کے روز ۸ ذی الحجہ ۱۲۷۸ھ سے لکھنی شروع کی ہے اس کا اختتام اللہ کے ہاتھ میں ہے میں نے اس میں کسی خاص طریقے کی پیروی نہیں کی میں نے صرف وہ واقعات لکھ دیئے ہیں جن کا تعلق دین و دنیا سے ہے اور جن میں میں نے وقتاً فوقتاً حصہ لیا مزید برآں میں یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ

---

[1] مکتوب مولانا غلام رسول مہر بنام محمد ایوب قادری مورخہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۱ء

[2] آور انڈین مسلمانس ص ۱۰۳

یہ دنیا فانی ہے انسان، جن، فرشتے، حیوانات یا نباتات جو کوئی بھی اس دنیا میں پیدا ہوا اپنے وقت مقررہ پر فنا ہو جائے گا سوائے خدا کی ذات کے اور کوئی ہمیشہ رہنے والا نہیں جو کوئی بھی اس دنیا میں پیدا ہوا وہ ہزار سال تک کیوں نہ زندہ رہے آخر افسوس اور ندامت کے سوا کچھ نہ لے گیا۔"[1]

ترجمہ آئین پورٹ بلیر جزائر انڈمان و پورٹ بلیر کے ڈپٹی کمشنر میجر پراتھرد نے پورٹ بلیر کے آئین سے متعلق ایک کتاب مرتب کی اس کتاب کی تیاری میں مولوی محمد جعفر نے میجر پراتھرد کی پوری پوری مدد کی اور اس آئین پورٹ بلیر کا اردو ترجمہ بھی مولوی محمد جعفر نے کیا جو چھپ چکا ہے۔[2]

تاریخ پورٹ بلیر (تاریخ عجیب) اس کتاب کا تاریخی نام "تاریخ عجیب" ہے یہ کتاب اپریل ۱۸۷۹ء میں مکمل ہوئی در دراصل یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے جس میں پہلا حصہ تو جزائر انڈمان و پورٹ بلیر کے حالات و واقعات سے متعلق ہے اور دوسرے حصے میں ان جزائر میں مروجہ تیس مشہور زبانوں کے روزمرہ کی ضروریات کے چھوٹے چھوٹے جملے اور اسماء حالق باری کے طرز پر اردو جملوں کے ساتھ لکھے ہیں یہ کتاب ۲۶×۲۰/۸ کے ۲۲۸ صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب کے سبب تالیف کے متعلق مولوی محمد جعفر لکھتے

---

[1] تاریخ پورٹ بلیر (تاریخ عجیب) ص ۲۲

[2] جزائر انڈمان و پورٹ بلیر میں جس قدر نقشہ جات اور رپورٹیں مرتب ہوئیں وہ سب مولوی محمد جعفر تھانیسری نے مرتب کیں۔ (تاریخ عجیب) ص ۲۲

ہیں [1]

"مدت دراز سے بہت صاحب لوگوں کی جو مجھ سے زبان اردو ناگری اور فارسی سیکھتے تھے یہ فرمائش تھی کہ اردو مروجہ پورٹ بلیر میں کوئی ایک کتاب تصنیف کی جاوے کہ جس سے یہاں کے لوگوں کو اردو سیکھنے میں مدد ملے اور اس کے سوائے اور بہت سے دوستوں کی مدت سے یہ تمنا تھی کہ ایک کتاب تاریخ پورٹ بلیر جس میں یہاں کی آبادی اور اوضاع و اطوار و بندوبست و قانون و زبان مختلف پورٹ بلیر و حال جنگلیان جزائر ہذا کا مفصل درج ہو تصنیف کر کے غیر حاضر ہور ہند کے لوگوں کو بھی یہاں کے عجائبات سے آگاہ کیا جاوے سو ان دونوں غرضوں سے رفع ہو جانے کے واسطے اس خاکسار محمد جعفر میر منشی سدرن ڈسٹرکٹ نے یہ مختصر کتاب تحریر کر کے اس کا تاریخی نام تاریخ عجیب رکھ دیا۔"

یہ کتاب چھ فصول پر مشتمل ہے پہلی فصل میں جزائر انڈمان و پورٹ کے محل وقوع آبادی، جغرافیائی حالات مقامی باشندوں نیز دوسرے عجائبات کا ذکر ہے۔ دوسری فصل میں انتظامی امور کا ذکر ہے جزائر انڈمان پر انگریزوں کے قبضے کرنے سے اس وقت تک سات سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے تھے ان حکام کے عہد کے خاص خاص

---

[1] تاریخ عجیب ص ۳-۴

واقعات اور ان کی انتظامی اور آئینی کارگزاریوں کا ذکر ہے۔ تیسری فصل میں لارڈ میو گورنر جنرل کے قتل کے چشم دید واقعات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ چوتھی فصل میں مروجہ دستورالعمل اور ان قوانین کا ذکر ہے جن کا وقتاً فوقتاً جزائر انڈمان میں نفاذ ہوتا رہا ہے۔ پانچویں فصل جزائر انڈمان و پورٹ بلیر کی مروجہ زبانوں اور وہاں کے ممالک کے باشندوں کے طرز معاشرت اور عادات و اطوار کے بیان پر مشتمل ہے۔ چھٹی فصل نہایت مختصر ہے جس میں قیدیوں کے کچھ عجیب و غریب نام انتخاب کر کے لکھے ہیں اور ان کا ایک مفصل گوشوارہ بھی دیا ہے۔ آخر کتاب میں ایک مختصر سی فرہنگ شامل کی ہے۔ اس کتاب کا قطعہ تاریخ تصنیف مولوی ایوب خاں کیفی[1] مرادآبادی نے لکھا ہے۔

---

[1] مولوی ایوب خاں کیفی، نواب مجدالدین عرف نواب مجو خاں کے ساتھیوں میں تھے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد جب مرادآباد پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔ کیفی تخلص کرتے تھے۔ امیر مینائی لکھتے ہیں۔

"ایوب خاں ولد انور خاں، فارسی شیخ احمد علی احمد تخلص سے پڑھی اور فن شعر میں بھی انہیں سے اصلاح لی۔ اشعار اساتذہ کے بکثرت یاد ہیں۔ مجیدالدین احمد خاں عرف مجو میاں مرادآبادی کے مختار تھے۔ ۱۲۷۳ھ میں ... یہ بجرم مختاری مقید ہو کر جزیرۂ انڈمان کو بھیجے گئے اور محبوس دائمی ہوئے۔ اب تک (۱۲۹۰ھ) وہیں ہیں۔ ستر برس کی عمر ہے۔ کلام ان کا زمانۂ غدر میں سب تلف ہو گیا۔ دو شعر اردو (بقیہ اگلے صفحہ پر)

انڈمان کا جو لکھا کل احوال — منشی جعفر نے بعنوان غریب
نام و تاریخ کی خواہش جو کی — کہا کیفی نے ہے "تاریخ عجیب"
۱۲۹۶ھ

مولوی محمد جعفر نے یہ کتاب سردار بھگیل سنگھ[1] ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پورٹ بلیر انڈمان کے بیٹے ٹھاکر سنگھ کی فرمائش پر لکھی اور سردار صاحب ہی کے نام معنون کی ہے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ (پورٹ بلیر) کی اجازت کے بعد پہلی مرتبہ یہ کتاب نول کشور پریس لکھنؤ میں سنہ ۱۸۷۹ء میں طبع ہوئی کتاب کے شروع میں ابتدائیہ اور پیش لفظ انگریزی میں بھی لکھا ہے اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۹۲ء میں مولوی محمد جعفر کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ شائع ہوا۔ اشاعت ثانی میں چھٹی فصل حذف کر دی گئی ہے اب یہ کتاب نایاب ہے[2]

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) درج ذیل ہیں۔

مو باف سبز چوٹی میں رنگت بدل گیا — اندھیرا ہے کہ سانپ زمرد نگل گیا
کیفی تپ فراق میں جینے سے یاس تھی — گھر سے پھرا خدا کے کرم سے سنبھل گیا

(انتخاب یادگار از امیر مینائی ص ۲۱۸)

[1] سردار بھگیل سنگھ قصبہ وڈالا ضلع سیالکوٹ کے باشندے اور خاندانی رئیس تھے جو ۱۸۵۸ء سے اودھ میں پولیس افسر تھے ۱۵ جنوری ۱۸۷۶ء کو اکسٹرا اسسٹنٹ مقرر ہو کر پورٹ بلیر پہنچے ۱۸۷۸ء میں پورٹ بلیر کے سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر ہوئے انھوں نے انتظام بہت اچھی طرح کیا جرائم میں کمی ہو گئی۔ ملاحظہ ہو تاریخ عجیب ص ۵۱، ۶۱، ۶۲

[2] خوش قسمتی سے تاریخ عجیب کا پہلا ایڈیشن ہمارے پاس اور دوسرا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سوانح احمدی

یہ کتاب سید احمد شہیدؒ اور ان کے اکابر خلفاء کے حالات و سوانح پر مشتمل ہے سید صاحب کے حالات میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو زیور طبع سے آراستہ ہوئی اور اس موضوع پر دوسری کتابوں کے لئے بنیادی مواد ثابت ہوئی سوانح احمدی پانچ حصص (ابواب) پر مشتمل ہے پہلے باب میں سید صاحب کی پیدائش، ایام طفولیت، تعلیم و تربیت، فیوض باطنی اور سفر حج کا ذکر ہے یعنی سن ۱۲۰۱ھ سے ۱۲۴۰ھ تک کے حالات آگئے ہیں دوسرے باب میں ان کی تعلیمات کا بیان ہے یہ باب گویا صراط مستقیم کا لب لباب ہے تیسرا باب ۱۲۴۱ھ سے ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے اس میں ان کی سپاہیانہ زندگی اور مجاہدانہ سرگرمیوں کا بیان ہے اور ان تمام معرکوں کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے جو سکھوں وغیرہ سے پیش آئے چوتھے باب میں نامور خلفاء کی فہرست اور ان کے ضروری حالات درج ہیں پانچویں باب میں سید صاحب کے وہ فارسی مکاتیب ہیں جو انہوں نے وقتاً فوقتاً رؤساء و خوانین وغیرہ کو لکھے تھے۔

اس کتاب کا پہلا اڈیشن ۱۸۹۱ء میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا اس کے بعد صوفی کمپنی پنڈی بہاء الدین سے غالباً دو مرتبہ شائع ہوئی۔

اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ مؤلف نے اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جہاد کی تحریک از اول تا آخر سکھوں کے خلاف تھی انگریزوں سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا اور سید احمد شہید کی جماعت مجاہدین کے سرگرم کارکن کو انگریزوں سے کوئی دشمنی یا پرخاش نہ تھی حقیقت یہ ہے کہ مولوی محمد جعفر جماعت

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) اڈیشن پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (کراچی) کے کتب خانے میں موجود ہے

جس کے نتیجہ میں انھوں نے خوفناک تکلیفیں اٹھائیں۔ گھر بار لٹایا۔ ہزاروں کی منقولہ اور غیر منقولہ جائداد سے محروم ہوئے۔ بیوی بچوں کو چھوڑنا۔ عزت و دولت سے محروم ہوئے زندگی کے بہترین اٹھارہ سال جنگلوں اور پہاڑوں (جزائر انڈمان) میں قیدی کی حیثیت سے گزارے جب کالے پانی سے رہا ہو کر آئے تو پولیس کی پابندیوں اور نگرانیوں سے بھی واسطہ پڑا ان حالات اور مصائب و آلام کا یہ ردعمل ہوا کہ انھوں نے اس مرقع میں مصلحت کے قلم سے نقش و نگار بھرنے کی کوشش کی ہے ورنہ حقیقت اپنی جگہ عیاں اور ظاہر ہے۔

رسالہ ردِ قادیانیت مولوی محمد جعفر تھانیسری نے قادیانیت کے رد میں بھی ایک رسالہ لکھا تھا جس کی نشاندہی مولانا عطاء اللہ حنیف شارح سنن ابن نسائی (مالک مکتبہ سلفیہ لاہور) نے کی ہے ان کی نظر سے یہ رسالہ گزرا ہے مولوی محمد جعفر تھانیسری نے سوانح احمدی کے خاتمہ میں بھی قادیانیت کے سلسلے میں بعض چٹکیاں لی ہیں۔

کالا پانی حقیقت میں یہ کتاب تاریخ پورٹ بلیر کا دوسرا حصہ یا تتمہ ہے جب ۱۸۸۴ء میں مولوی محمد جعفر انڈمان سے واپس آئے تو احباب و اعزہ نے اس طویل زمانۂ اسیری کے حالات پوچھنے شروع کئے مولوی صاحب نے

لہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے سید احمد شہیدؒ کے بعض مکاتیب کی عبارتیں تک بدل دی ہیں مولانا غلام رسول مہر نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "سید احمد شہید" میں اس کا انکشاف کیا ہے ملاحظہ ہو "سید احمد شہید" ۱۵۹ تا ۱۶۲

اس مختصر سی کتاب میں اپنی گرفتاری، مقدمے، قید، سفر انڈمان، انڈمان کی زندگی اور رہائی کے حالات نہایت دلچسپ انداز میں لکھے ہیں خود لکھتے ہیں [۱]

"میری واپسی انڈمان کے بعد جب ہر ایک دوست نے جس سے میری ملاقات ہوئی میری قید بست سالہ اور سفر اور ان جزائر کی کیفیت پوچھنی شروع کی تو ہر ایک شخص کے روبرو ایک بست سالہ تواریخ کا بیان کرنا دشوار سمجھ کر کچھ ضروری ضروری حالات و واقعات جو اس مدت بیس سال میں مجھ کو پیش آئے مختصراً واسطے ملاحظہ ناظرین کے لکھ دیتا ہوں کہ ہر سائل اور مستفسر کے روبرو اس کو پیش کر دوں۔"

اس کتاب کا پہلا اڈیشن بہت چھوٹے سائز پر شائع ہوا تھا جس میں کوئی باب یا ذیلی سرخی نہ تھی [۲] اس کے بعد صوفی کمپنی پنڈی بہاءالدین نے مختلف ابواب اور سرخیاں قائم کر کے شائع کیا۔ صوفی کمپنی نے نویں باب "کالا پانی" کے عنوان کے تحت مولانا محمد علی جوہر (ت ۱۹۳۱ء) کا مندرجہ ذیل شعر لکھا ہے۔

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

پہلے اڈیشن میں اس قسم کی کوئی ذیلی سرخی اور مولانا محمد علی جوہر کا یہ شعر نہیں ہے۔ صوفی کمپنی

---

[۱] ملاحظہ ہو ص ۵۸

[۲] کالا پانی کا پہلا اڈیشن ہمیں مفتی انتظام اللہ شہابی کے ذخیرہ علمیہ سے دستیاب ہوا اب یہ کتاب آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس (کراچی) کی لائبریری میں موجود ہے۔

کے چار اڈیشن ہماری نظر سے گذرے ہیں۔

مکتبۃ السلفیہ ملتان نے بھی ایک مرتبہ شائع کیا ہے ملتان کا اڈیشن ۱۹۳۵ء کے بلد شائع ہوا ہے کیونکہ ناشر نے آخر کتاب میں مولوی یحییٰ علی کے حالات شامل کر دیئے جو سیرتِ سید احمد شہید مؤلفہ مولوی ابوالحسن علی ندوی سے ماخوذ ہیں۔

۱۳۶۳ھ میں اقبال اکیڈیمی لاہور نے ایک اڈیشن شائع کیا۔ ایک مجاہد کی ڈائری کے عنوان سے نفیس اکیڈیمی (حیدرآباد دکن) نے شائع کیا یہ داستان اتنی دلچسپ ہے کہ مختلف رسائل و جرائد میں بالاقساط شائع ہوئی ہے ۱۹۵۳ء میں الارشاد جدید (کراچی) اور ۱۹۶۱ء میں چٹان (لاہور) میں قسطوار شائع ہوئی[1] کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے محمد جعفر لکھتے ہیں[2]۔

"اس قصے کو ایک کہانی ایک مسل ایک فوجداری کا ترجمہ نہ سمجھو بلکہ یہ قصہ ایک بڑی آیت آیات الٰہی ہے اس کو بار بار چپت ملاحظہ کر کے عبرت پکڑنا چاہیئے۔"

درحقیقت سید احمد شہید کی تحریک کے سلسلے میں مولوی محمد جعفر کے یہ خود نوشت حالات ایک قیمتی دستاویز ہیں اور یہ وہ اصل ماخذ ہے کہ جس سے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو کسی دوسرے ذریعے سے معلوم نہیں ہو سکتی تھیں۔

میں نے اپنے مخلص دوست ثناء الحق صدیقی کے ارشاد پر اس مختصر مگر اہم

---

[1] ہم نے ان تمام اشاعتوں کی روشنی میں متن کی تصحیح کی ہے۔

[2] ملاحظہ ہو ص ۲۱۷

تاریخی دستاویز کو مرتب کیا ہے مقدمہ میں اس تحریک کا مختصر پس منظر اور مولوی محمد جعفر کے سوانح حیات پیش کئے ہیں حسب ضرورت حواشی و تعلیقات بھی لکھے ہیں۔ متن عبارت کو مختلف پیراگرافوں میں تقسیم کیا ہے اور ذیلی عنوانات قائم کئے ہیں کتاب میں جن اشخاص کے نام آئے ہیں ان کے حالات "تذکرہ رجال" کے عنوان سے شامل کر دیئے ہیں اور متن عبارت میں ایسے اسماء کو خط کشیدہ کر دیا ہے آخر کتاب میں دو ضمیمے اور کتابیات و اشاریہ بھی شامل کیا ہے۔

میں مخدومی جناب ڈاکٹر محمود حسین صاحب وائس چانسلر ڈھاکہ یونیورسٹی کا نہایت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے "تعارف" تحریر فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

اسی طرح اپنے فاضل دوست جناب جمیل جالبی صاحب کا بھی خصوصی طور پر سپاس گزار ہوں کہ موصوف نے اس کتاب پر "پیش لفظ" لکھ کر مجھے ممنون احسان فرمایا۔

جناب مکرم مولانا عبدالحلیم چشتی اور جناب محترم حکیم محمود احمد برکاتی کا بھی شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ جن کے ذخائر علمیہ سے بعض اہم کتابیں ملیں۔

آخر میں ڈاکٹر سید معین الحق، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور مولوی اعجاز الحق قدوسی کا بھی متشکر ہوں کہ جنہوں نے بزرگانہ شفقتوں سے نوازا اور میری ہمت افزائی فرمائی۔

محمد ایوب قادری
یکم ستمبر ۱۹۶۷ء

نمبر مکان ۱/۱۴۱، وحید آباد
گولی مار۔ کراچی ۱۸

(نوٹ) مولوی محمد جعفر تھانیسری نے اس کتاب کا تاریخی نام "تواریخ عجیب" رکھا تھا جو "کالا پانی" کے نام سے شائع ہوتی رہی ہے۔

ہم اس کو اس کے تاریخی نام تواریخ عجیب کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔ البتہ حوالوں میں "کالا پانی" ہی لکھا گیا ہے۔

"ناشر"

تواریخ عجیب

یعنی

کالا پانی

پیش لفظ

میری واپسی انڈمان کے بعد جب ہر ایک دوست نے جس سے میری ملاقات ہوئی میری قید بست سالہ اور سفر اور ان جزائر کی کیفیت پوچھنی شروع کی تو ہر ایک شخص کے روبرو ایک بست سالہ تواریخ کا بیان کرنا دشوار سمجھ کر ضروری ضروری حالات و واقعات جو اس مدت بیس سال میں مجھ کو پیش آئے مختصراً واسطے ملاحظہ ناظرین کے لکھے دیتا ہوں کہ ہر سائل اور مستفسر کے روبرو اس کو پیش کر دوں۔

جب اپریل ۱۸۷۹ء میں میں نے تواریخ پورٹ بلیر مسمی بہ تاریخ عجیب لکھی تھی اس کے تھوڑے روز پہلے میری درخواست رہائی بڑے شد و مد سے حضور نواب گورنر جنرل بہادر ہند سے نامنظور ہو گئی تھی جس سے اکثر حکام بلکہ خاص و عام کو یقین ہو گیا تھا کہ اس قید فرنگ سے میری رہائی کبھی نہ ہو گی لیکن میں رحمت الٰہی سے ناامید نہ ہوا تھا۔ چنانچہ میں نے دیباچہ کتاب مذکور میں یہ لکھا تھا کہ دنیا بامید قائم ہے دیکھیے پردۂ غیب سے اور کیا ظاہر ہوتا ہے بلکہ اخیر دیباچہ میں ناظرین کتاب مذکور سے یہ بھی التجا کی تھی کہ وہ میرے حق میں دعا کریں کہ ہماری سرکار معدلت شعار خاکسار

ان ننگ دھڑنگ جنگلیوں کی صحبت سے جدا کرے تاکہ جلد ثانی اس کتاب کی ہند میں حاضر ہو کر اپنے ملک کی بولی میں ناظرین کی نذر کروں۔

سو اس تحریر دل سوز کو ابھی تھوڑے دن نہ ہوئے تھے کہ خود بخود بلا میری درخواست کے بمدد غیبی لارڈ رپن صاحب بہادر کی زبان سے ظہور میری رہائی کا ہو گیا میری پہلی کتاب تاریخ عجیب کا نام بھی تاریخی ہے[1] ۱۲۹۷ھ اور اتفاق حسنہ سے فقط ایک حرف کے زیادہ کر دینے سے اس چھ برس کی بیشی کو پورا کر کے اس کا بھی تاریخی نام تواریخ عجیب ۱۳۰۲ھ رکھا گیا۔ گویا یہ وہی جلد ثانی ہے جس کے مشتہر کرنے کا ہند میں پہنچنے کے بعد وعدہ تھا۔

اب ناظرین باوقار کی خدمت میں عرض ہے کہ میں نے اس کتاب کو بھی بطور روزنامچہ روزمرہ بول چال میں لکھا ہے اور دوسرے لوگوں کے مقولوں اور قصص کو جہاں تک مجھے یاد تھے بعینہٖ ہو بہو نقل کیا ہے مگر اس پر بھی جہاں کہیں بمقتضائے بشریت مجھ سے کمی بیشی ہوئی ہو اس کو خداوند عالم الغیب معاف کرے اور صاحبان نکتہ چیں اور اہل علم سے امید ہے کہ جہاں کہیں غلطی پاویں قلم عفو سے اصلاح کر دیویں اور میرے حق میں دعا کریں کہ جیسے اس مہلکہ عظیم قید فرنگ سے مجھ کو نجات بخشی ویسے ہی وہ رب کریم مراد دلی پوری کر کے ساتھ خاتمہ خیر کے اس مہلکہ اعظم دنیا سے بھی نجات دیوے آمین ثم آمین۔

---

[1] مولوی محمد جعفر تھانیسری کی کتاب تاریخ عجیب (تاریخ پورٹ بلیئر) نول کشور پریس لکھنؤ سے ۱۸۸۰ء میں پہلی بار اور ۱۸۹۱ء میں دوسری بار شائع ہوئی ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُّتْرَكُوْٓا أَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۔

فرمایا خداوند تعالیٰ نے کیا گمان کیا ہے لوگوں نے کہ فقط منہ سے کہنے پر کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں چھوڑ دیے جاویں گے اور وہ نہ آزمائے جاویں گے اور البتہ آزمایا تھا ہم نے ان لوگوں کو جو پہلی امتوں کے تھے پس اب بھی بعد آزمائش کے البتہ ظاہر کر دے گا کہ کون سچے مسلمان ہیں اور کون جھوٹے ہیں۔

جہاں تک مجھ کو سمجھ اور علم ہے اس مقدمہ میں ہم لوگوں کی گرفتاری بھی سب منشاء ایزدی اس آیت کے فقط سچے اور جھوٹوں کی پرکھ اور آزمائش کے واسطے تھی للہ وحدہٗ حق موجود ہے۔ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۔ پس اگر یہ سب آزمائش کا نہ ہوتا تو کبھی بھی سرکار انگریزی کے ہاتھ سے ہم کو صدمہ نہ پہنچتا اور بموجب منشاء حدیث نبوی کے يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ (یعنی ہر آدمی بقدر استعداد اپنے ایمان اور دین کے آزمایا جاتا ہے۔) اس مقدمہ میں بھی دعویٰ داران محبت باری تعالیٰ کو جن کو دعویٰ ایمان کا تھا بقدر استعداد اپنے ایمان کے جانچا گیا اور جھوٹے اور سچے سب ظاہر ہو گئے۔ پس یہ کتاب گویا اس آیت مذکورہ بالا کی تفسیر سمجھنی چاہیئے۔

لہٰذا میں بعد قائم کرنے اس تمہید کے اب اصل مقدمہ کے شروع سے اخیر تک بیان کرتا ہوں۔ اگر ناظرین اس آیت اور حدیث کے مضمون کو برابر

خیال رکھیں گے تو ان کو اصل اسرار مکنونہ اس تواریخ کے خود بخود ظاہر ہوتے چلے جاوینگے لیکن ان کے سمجھنے کو ایمان درکار ہے۔ میں خود اپنی کم ظرفی اور بے استعدادی اور ضعیف الایمانی کے سبب سے اس مقدمہ میں ہزاروں اسرار مکنونہ کو سمجھ نہیں سکا۔

محمد جعفر تھانیسری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معرکۂ امبیلا

اخیر ۱۸۶۳ء مطابق ۱۲۸۰ھ ہجری سرحد غربی ہند پر ملک یاغستان میں خود سرکار انگریزی کی زبردستی سے ایک جنگ عظیم شروع ہو گئی [1] جنرل چمبرلین صاحب

---

[1] ستھانہ مجاہدین کا خاص مرکز تھا اور سادات ستھانہ مجاہدین سے وابستہ تھے وہ ان کی ہر قسم کی مدد کرنا اپنا قومی اور مذہبی فریضہ سمجھتے تھے انگریزی حکومت، مجاہدین کے مراکز پنجتار اور منگل تھانے کو برباد اور ستھانہ کو نیست و نابود کرنا چاہتی تھی اسی دوران میں سادات ستھانہ اور اتمان زئیوں کے معاملات بگڑے اور مقابلہ کی نوبت آئی سادات کے سرگروہ سید عمر شاہ شہید ہوئے سادات نے ملکا کو اپنا مستقر بنا لیا یہ مقام ستھانہ سے قریب ۳۵ میل ہے مجاہدین بھی ملکا کو محفوظ مقام سمجھ کر وہیں پہنچ گئے مولانا عبد اللہ امیر المجاہدین تھے۔ سید عمر شاہ کے بعد ان کے بھتیجے سید مبارک شاہ سادات ستھانہ کے قائد قرار پائے۔ انگریزی حکومت مجاہدین کے اس آخری مرکز ملکا کو برباد کرنے پر تلی ہوئی تھی آخر اس کو موقعہ مل گیا سادات ستھانہ اور ان کے پرانے حریف اتمان زئیوں میں بھی ناچاقی ہو گئی اتمان زئیوں نے انگریزی حکومت کو حالات سے باخبر کر دیا انگریزی حکومت

(بقیہ اگلے صفحہ)

اس جنگ کے سپہ سالار تھے۔ امبیلے کی گھاٹی میں جاکر فوج سرکار کو بہت تکلیف ہوئی بیگانے ملک میں سرکار کی مداخلت بیجا کے سبب سے ملا عبدالغفور صاحب اخوند سوات بھی اپنے بہت سے مریدوں کو ساتھ لے کر موجود ہوئے۔ ملکی خوانین اور افغان چاروں طرف سے اپنے بچاؤ کے واسطے مقابلہ سرکار پر ٹوٹ پڑے قافلہ مجاہدین جن کی سرکوبی اور نیست و نابود کرنے کو بھاری سرکار چڑھی تھی الگ رہ گیا مگر

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) تو موقعہ کی تلاش ہی میں تھی چنانچہ اس نے مجاہدین و سادات کے مرکز ملکا کو برباد کرنے کا مکمل منصوبہ تیار کر کے جنگ امبیلا کا آغاز کر دیا اور ۱۸ ار اکتوبر ۱۸۶۳ء کو ایک بڑی فوج جنرل چمبرلین کی سرکردگی میں سادات و مجاہدین ستھانہ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئی مجاہدین و سادات نے بڑا زبردست انتظام کیا پورے علاقے میں جہاد کا اعلان عام ہو گیا۔

۲۰ ار اکتوبر ۱۸۶۳ء کو پہلا حملہ ہوا مجاہدین نے خاص طور سے داد شجاعت دی پنجاب کے فوجی مراکز فوج سے خالی ہو گئے دس بار سخت قسم کے معرکے ہوئے انگریزی حکومت سے بازی لے جانا مشکل تھا اس نے خوانین و پیرو بنیر کو خرید لیا نتیجہ ظاہر ہے کہ فیصلہ انگریزی حکومت کے حق میں ہوا دسمبر کے تیسرے ہفتے کے آخر میں معاملہ ختم ہو گیا مگر مجاہدین نے دین کی عظمت اور سربلندی کے لئے جس عزم و استقلال اور بہادری و جانبازی کا مظاہرہ کیا اس سے انگریزی حکومت کے حوصلے پست ہو گئے اور اس کو مجاہدین کا لوہا ماننا پڑا تقریباً چار سو مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا جنگ امبیلا کے تفصیلی حالات مولوی غلام رسول مہر نے بڑی تحقیق اور محنت سے مختلف ہم عصر اور غیر مطبوعہ مواد کی روشنی مرتب کر کے سرگذشت مجاہدین میں شامل کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

بہ دعویٰ حفاظت خود اختیاری ہر کس و ناکس سرکار کے مقابل کھڑا ہو گیا۔ مجاہدوں نے بھی بہ تمنائے حصول شہادت داد شجاعت دے کر اپنے جوہر دکھلائے۔ غرض دو تین مہینے تک خوب جنگ ہوتی رہی۔ خود جنرل چمبرلین صاحب مجروح شدید ہوئے قریب ساٹھ ہزار کے کشت و خون کی نوبت پہنچی تمام پنجاب کی چھاؤنیوں کی فوج کھینچ کر سرحد پر بھیجی گئی۔ ؎۳

ادھر یہ گرما گرمی تھی ادھر لارڈ ایلجن صاحب وائسرائے ہند چمبہ کے پہاڑی پر اپنی اس حرکت اور زبردستی چھیڑ چھاڑ پر نادم ہو کر یک بیک مر گئے۔ . . ہندوستان بے گورنر ہو گیا۔ ؎۵

(بقیہ سلسلہ ؎۳) (۱) سرگزشت مجاہدین از غلام رسول مہر ص ۲۶۸-۲۷۰-۲۹۰

(۲) ڈاکٹر محمود حسین کا مقالہ "امبیلا کمپین" جرنل آف دی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (اپریل ۱۹۵۳ء کراچی)

(۳) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک از مولوی مسعود عالم ندوی ص ۹۲-۱۰۵

(۴) آور انڈین مسلمانس از ڈبلیو۔ ہنٹر ص ۲۰-۵۰ (کلکتہ ۱۹۲۵ء)

(۵) ار۔آر سیٹھی کا مقالہ۔ اوینٹس لیڈنگ ٹو دی امبیلا اکسپیڈیشن ۱۸۶۳ء جرنل آف دی پنجاب یونیورسٹی ہسٹاریکل سوسائٹی (دسمبر ۱۹۳۳ء)

(۶) بارو بہار مرتبہ جم دا سینتھر ص ۲۸-۱۰۳ (پیرس ۱۸۸۳ء)

؎۴ ملاحظہ ہو آور انڈین مسلمانس ص ۲۳

؎۵ لارڈ ایلجن ۱۲ مارچ ۱۸۶۲ء کو وائسرائے مقرر ہوا اور ۲۰ نومبر ۱۸۶۳ء کو فوت ہوا۔

سازش کا انکشاف

ایسے نازک وقت میں ۱۱ر دسمبر ۱۸۶۳ء مطابق ۲۸ ماہ جمادی الثانی ۱۲۸۰ھ ہجری[1] کو ایک سوار پولیس متعینہ چوکی پانی پت ضلع کرنال مسمی غزن خاں نام ایک ولایتی افغان نے کسی ذریعہ سے میرے حال سے واقف ہو کر اور ایسے وقت میں اپنی دنیوی بھلائی کا موقع جان کر ایک بڑی لمبی چوڑی اور جھوٹی کیفیت خیر خواہانہ کے ساتھ بحضور صاحب ڈپٹی کمشنر کرنال کے حاضر ہو کر یہ مخبری کی کہ یہ جنگ جو ہندوستانی مجاہدوں کے ساتھ سرحد پر ہو رہی ہے۔ ان لوگوں کو محمد جعفر نمبردار تھانیسر روپیہ اور آدمیوں سے مدد دیتا ہے۔ خیر ڈپٹی کمشنر کرنال نے یہ داستان سن کر بذریعہ تار برقی ضلع انبالہ کو جس کی حدود اراضی کے اندر ہمارا شہر تھانیسر واقع ہے خبر بھیجدی۔

ادھر مخبر مخبری کر کے باہر نکلا تھا کہ ادھر ہمارے ایک دوست ڈپٹی کمشنر صاحب کرنال کی ملاقات کو ان کے بنگلے پر پہنچے جن سے عند التذکرہ صاحب موصوف نے ذکر اس مخبری کا بھی کیا جب بعد انفراغ ملاقات کے یہ صاحب ہمارے دوست اپنے ڈیرے کو تشریف لائے تو انہوں نے مسمی کاوا نام ایک اپنے نوکر سے جو میرا ہمسایہ

---

[1] مولوی غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ مولوی محمد جعفر تھانیسری نے اپنی کتاب "کالا پانی" کے آغاز میں جو کچھ بیان کیا ہے اس سے ترشح ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غالباً جنگ امبیلا کے بعد پیش آیا حالانکہ جنگ امبیلا اس وقت شروع بھی نہ ہوئی تھی اور غزن خان کی انتقامی جدوجہد کا آغاز جنگ چھڑنے سے کم و بیش پانچ مہینے پہلے ہو چکا تھا۔ سرگزشت مجاہدین ص ۲۸۷

تھا لبطور افسوس حال اس مخبری کا بیان کیا وہ شخص مذکور یہ حال سن کر اسی وقت اس کی خبر کرنے کو تھانیسر دوڑ پڑا۔ لیکن خوبی تقدیر سے کچھ زیادہ رات گئے یہ شخص تھانیسر میں پہنچا اور سب سے پہلے میرے مکان پر آیا مگر میں اس وقت گھر کے اندر جا کر سو رہا تھا وہ اس وقت رات کو ہمارا دروازہ بند اور ہم کو سوتے دیکھ کر ایسے آرام کے وقت میں ہم کو تکلیف دینا مناسب نہ جان کر اپنے دل میں سوچا کہ فجر کو خبر کردوں گا۔ ادھر تقدیر اس کو دروازے پر سے ہٹا لے گئی۔

اب ادھر انبالہ کی کیفیت سنئے۔ جب انبالہ میں یہ تار کی خبر پہنچی تو ایک وارنٹ میری خانہ تلاشی کا جاری ہوا اور کپتان پارسن صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس ایک جماعت کثیر پولیس کی ساتھ لے کر راتوں رات میرے مکان پر پہنچے۔ یہاں قدرت الٰہی کا تماشہ دیکھیے۔ ایک ہی وقت میں دو آدمی کرنال سے مجھ کو خبر دینے کو اور دوسرا انبالہ سے میری خانہ تلاشی کو روانہ ہوئے۔ کرنال والا جو میرا خیر خواہ تھا پہلے پہنچا اور کچھ نہ کر سکا۔ ؎

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
سوزن تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے

مولوی محمد جعفر تھانیسری کی خانہ تلاشی

مگر یہ دوسرے صاحب بوقت تین بجے رات کے میرے گھر پر پہنچ گئے پہلے چاروں طرف سے میرے مکان کو گھیر لیا اور پھر مجھ کو باہر بلایا میں نے باہر جا کر دیکھا کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس معہ وارنٹ خانہ تلاشی کے میرے دروازہ پر موجود ہیں انہوں نے اول مجھ کو وارنٹ دکھلایا بعدہٗ کہا کہ آپ اپنے مکان کی تلاشی دو۔ اس وقت

میں سمجھا کہ کچھ دال میں کالا ہے۔ تب میں نے چاہا کہ اول تلاشی میرے گھر کے اندر کی ہو تو بہتر ہے تاکہ بیٹھک میں جو بلا کا بھرا ہوا خط رکھا ہے کسی طرح پولیس کے ہاتھ نہ آوے لیکن ہونی کون روک سکتا ہے باوجودیکہ صدر دروازے کے اندر داخل ہو کر میری دہلیز میں سراسر اندھیرا تھا اور مکان بیٹھک جو اس دہلیز کے جانب شمال تھا تو بھی سپرنٹنڈنٹ صاحب اسی بات پر مصر ہوئے کہ پہلے بیٹھک ہی کی تلاشی کی جاوے۔

اس وقت بیٹھک میں جانے کے واسطے دو دروازوں کا کھلوانا ضرور ہوا جو اندر سے بند تھے میں نے چالاکی سے منشی عبدالغفور کا نام (جو اس کے اندر مع اور چند آدمیوں کے تھے) پکار کر باآواز بلند کہا کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب تلاشی کے واسطے کھڑے ہیں تم جلد دروازہ کھول دو اور اس کہنے سے میری یہ غرض تھی کہ کسی طرح وہ لوگ تلاشی کی بات سمجھ کر دروازہ کھولنے سے پہلے اس زہریلے خط کو چاک کر دیویں اس میری پکار کو صاحب سپرنٹنڈنٹ سمجھ کر مجھ کو مانع بھی ہوئے۔ مگر میں کہاں سنتا تھا۔ لیکن تقدیر پھاڑنے دیوے تو پھاڑا جاوے۔ ان اندر والوں نے مارے گھبراہٹ کے میرے اشاروں کو کچھ بھی نہیں سمجھا اور دروازہ کھول دیا۔ اب بیٹھک میں تلاشی ہونے لگی اور وہی خط جس کا ڈر تھا سب سے پہلے پولیس کے ہاتھ میں آیا اور اسی شام کو اس کی گرفتاری سے فقط چھ گھنٹہ پہلے تقدیر نے وہ خط میرے ہاتھ سے لکھوا رکھا تھا۔ وہ خط امیر قافلہ کے نام تھا اور اس میں اصطلاحی لفظوں[1] میں چند ہزار اشرفیوں کی

---

[1] سفید دالوں سے روپئے اور سرخ دالوں سے اشرفیاں مراد ہوتی تھیں (سرگزشت مجاہدین ۴۰۲-۴۰۸)

روانگی کا ذکر تھا۔ اس کے سوا اور بھی چند خطوط پارینہ آمدہ پٹنہ و مرسلہ محمد شفیع انبالوی
پولیس کے ہاتھ لگ گئے گو ان خطوں میں کوئی ایسا مضمون مضرنہ تھا مگر ان سے پولیس
کو یہ پتہ مل گیا کہ محمد شفیع انبالوی کی اور اہل پٹنہ[1] کی تلاشی اور تفتیش بھی ضرور کرنی چاہیئے
منشی عبد الغفور باشندہ ضلع گیا ملک بہار جو میرے یہاں تحریری کا کام کرتے
تھے اور عباس نام کا ایک لڑکے کو بھی جو میری بیٹھک میں سوتے ہوئے ملے تھے پولیس
پکڑ کرلے گئی گو میری نسبت بھی پولیس کو شک قوی ہو گیا تھا لیکن بوجہ نہ ہونے وارنٹ
گرفتاری کے اور بلا حصول منظوری گورنمنٹ کے جو ایسے مقدمات میں ہونا ضروری
ہے اہل پولیس مجھ سے اس دم کچھ مزاحم نہ ہوئے۔

محمد جعفر کا فرار جب پولیس میرے گھر سے چلی گئی تو یہ بات غور طلب ٹھہری
کہ اس وقت مجھ کو کیا کرنا چاہیئے۔ میں نے بخیال اس شہادت
و ثبوت کے جو ان کو میرے گھر سے مل گئے تھے اور اس غصہ کے وقت کو جو تازہ
جنگ سرحد سے سرکار پر چڑھا ہوا تھا ٹال دینے کی غرض سے اس وقت اپنا فرار ہو جانا
اور اس نامردی سے جان کو بچانا مناسب جانا گو میں پولیس کی حراست میں نہ تھا مگر
وہ چاروں طرف میرا سراغ لگائے ہوئے تھے اور میری حرکات کو تاک رہے تھے۔
میں نے اپنی والدہ ماجدہ سے جو اس وقت زندہ موجود تھیں اور اپنی
بیوی سے صلاح لے کر اور ان کو اپنے فرار پر راضی پا کر یہ داؤ کھیلا کہ میں ۱۲ دسمبر ۱۸۶۳ء

---

[1] اہل پٹنہ سے مراد مولوی یحییٰ علی، مولوی عبد الرحیم اور مولوی احمد اللہ وغیرہ تھے جو سید احمد
شہید کی تحریک کو چلا رہے تھے اور اس تحریک کے ارباب حل وعقد میں تھے۔

کو اپنے شہر سے روانہ ہو کر اول موضع پیپلی میں جہاں تحصیل اور تھانہ وغیرہ ہے آیا اور وہاں ملازمان تحصیل اور پولیس سے بھی رائے لی کہ اب مجھ کو کیا کرنا چاہیئے۔ سب نے بالاتفاق یہ رائے دی کہ تم انبالہ کو جاؤ اور وہاں سے دریافت کرو کہ یہ کیا مقدمہ ہے اور کس نے یہ مخبری کی ہے۔

غرض یہ سب صلاح اور مشورہ ظاہری ان سب سے کر کے میں بوقت شام براہ سڑک کلان پیپلی سے انبالہ کو روانہ ہوا اس وقت بہت سے آدمی چشم محبت اور افسوس سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ جب میں ایک گھوڑے پر سوار ہو کر چلا تو ہر کسی کو یقین ہو گیا کہ میں انبالہ کو جاتا ہوں۔ جب تک دن کی روشنی تھی میں برابر سڑک سڑک انبالہ کو چلا گیا کوئی ایک میل بھر راستہ چلنے کے بعد خوب تاریکی ہو گئی اور مسافر بھی دور دور تک نظر نہ آتے تھے اس وقت میں سڑک انبالہ کو چھوڑ کر جنگل کی راہ سے ایک جگہ مقرر پر اپنی زمینداری کی زمین میں تھانیسر کے متصل قریب ایک بجے رات کے پہنچ گیا۔

جب میں وہاں پہنچا میں نے دیکھا کہ میری والدہ اور بیوی بچے اور میرا بھائی محمد سعید وغیرہ میری آخری ملاقات کے واسطے وہاں حاضر ہیں۔ غرض میں اپنی والدہ سے آخری ملاقات کر کے اور اپنی بیوی اور بچوں کو ساتھ لے کر بسواری ایک عمدہ بہلی کے صبح ہوتے ہی ۲۲ کوس پانی پت پہنچا۔ میں پانی پت شہر کے اندر نہیں گیا۔ سڑک پر سے اپنے بیوی بچوں کو رخصت کر دیا۔

اس وقت میں جس کسی سے رخصت ہوتا تھا مجھ کو اس زندگی میں اس سے دوبارہ ملنے کی امید نہ تھی اس بہلی گاڑی والے سے میں نے کہدیا تھا کہ میری جورو

بچوں کو پانی پت میں چھوڑ کر تم معہ بہلی جمنا پار چلے جانا۔ یہ بہلی معہ جوڑی بیلوں کے جو تین سو روپیہ سے کم قیمت کے نہیں ہیں ہم نے تم کو اس شرط پر بخش دی کہ تم کسی شخص کو ہمارے بال بچوں کا پتہ نشان نہ دینا اور جب تک یہ معرکہ گرم رہے تھانیسر کو جانا۔ جس وقت ڈاک خانہ پانی پت کے سامنے میں ساری عمر کے واسطے اپنی جورو اور بچوں سے جدا ہوا اور میرا یکہ اُن کے سامنے دہلی کو چلا وہ حادثہ قابل تحریر نہیں ہے۔

دہلی

خیر وہاں بسواری یکہ دوسرے دن چالیس کوس دہلی میں پہنچ گیا اور میاں بصیرالدین سوداگر کی کوٹھی میں ٹھیرا جہاں میاں حسینی ساکن تھانیسر اور حسینی ساکن پٹنہ اور عبداللہ نام ایک بنگالی سے میری ملاقات ہوئی یہ دونوں آدمی آخر الذکر پٹنہ سے کچھ اشرفیاں لے کر اسی دن آئے تھے میں نے وہ اشرفیاں ان سے لے کر حسینی ساکن تھانیسر کے حوالہ کر کے اس کو ہدایت کر دی کہ جیسا ممکن ہو اس بیت المال کو قافلہ تک پہنچا دو۔

بعد روانہ کرنے حسینی تھانیسر کے میں نے ان ہر دو آرندۂ زر کو اپنے ساتھ پورب کو واپس لے جانا چاہا۔ کیونکہ بوجہ درپیش معرکہ امبیلا اور میری خانہ تلاشی کے ملک پنجاب میں امن نہ رہا تھا اور ان ایام میں میری عمر قریب پچیس برس کے تھی اور جوش مذہبی بھرا ہوا تھا۔ نشیب و فراز زمانہ کا کچھ خیال نہ تھا یہ دل میں بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ خدا کا کام ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا اس سبب سے اس وقت تک میرے دل میں یہ خیال تھا کہ اس داؤ کے سبب سے اس طرف میری تلاش کو کوئی نہ آئیگا میری تلاش

انبالہ اور اس کے مغرب میں ہوگی۔

علی گڑھ

اس خیالی حکمت پر دہلی پہنچ کر میں نے اپنے مخفی رکھنے کے واسطے کوئی احتیاط نہ کی میں خود اپنے معمولی لباس میں ایک شکرم کرایہ کرنے کو چاندنی چوک تک گیا اور پھر پندرھویں دسمبر کو کھلم کھلا ہم تینوں آدمی بسواری شکرم علی گڑھ کو روانہ ہوگئے۔ راہ میں گاڑی ہانکنے والوں کو بہت سا انعام واکرام دے کر چاہا کہ کسی طرح جلدی سے علی گڑھ پہنچ کر ریل پر سوار ہو جاؤں کیونکہ اس وقت تک یہ خیال تھا کہ میں ایسی چال سے آیا ہوں کہ شاید مدت تک میری تلاش کو کوئی اس طرف کو نہ آوے گا۔ میں اپنی خام خیالی سے اپنی تدبیر پر ایسا نادان تھا کہ تقدیر کا خیال بھی نہ رہا تھا اب مجھ کو یہیں چھوڑ کر پولیس انبالہ کی کارروائی سنیئے۔

بارھویں دسمبر کو جب سپرنٹنڈنٹ پولیس میرے خطوط اور آدمیوں کو جو میرے گھر سے ملے تھے انبالہ کو لے گئے تو ان کو دیکھ کر بعد حصول منظوری گورنمنٹ میری گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا وہی پارسن صاحب دوسرے دن میری گرفتاری کا وارنٹ لے کر تھانیسر آیا اور مجھ کو وہاں نہ پا کر شہر میں آفت مچا دی۔ سینکڑوں گھروں کی تلاشی ہوئی بچاس مرد و عورت پکڑے گئے میری بوڑھی والدہ اور میرے بھائی محمد سعید کو جو اس وقت صرف بارہ تیرہ برس کا تھا اور اس کی بیوی کو قید کر کے ان پر سخت عذاب اور مار پیٹ شروع کی اور ایسا ظلم اور بے عزتی عورات پردہ نشین کی ہوئی کہ جس کو سن کر دل کانپ جاتا ہے۔ میری بیوی کے پکڑنے کو بھی ایک دوڑ پانی پت کو گئی مگر مولوی رضی الاسلام صاحب کی بوا بمر د والدہ کی دلیری سے میری عورت بچ گئی حیران مار کھانے والوں

میں ایک میرا بھائی محمد سعید نہایت کم سن اور لذت ایمانی اور فضائل ثابت قدمی سے سراسر بے بہرہ تھا اس سخت مار پیٹ کو نہ اٹھا سکا اور ڈر گیا اور اپنی جان بچانے کے واسطے بول اٹھا کہ میرا بھائی دہلی کو گیا ہے یہ خود میری غلطی تھی کہ ایسے اہم راز پر ایک نابالغ بچہ کو آگاہ کر دیا تھا جس کا نتیجہ میری گرفتاری ہوئی۔ اسی وقت پارسن صاحب میرے بھائی کو ساتھ لے کر بسواری ڈاک دہلی پہنچا۔

ادھر پنجاب میں میری جابجا تلاشی شروع ہوئی دس ہزار روپیہ کا اشتہار میری گرفتاری کے واسطے جاری ہوا۔ کیمپ انبالہ میں محمد شفیع کے مکان کی بھی تلاشی ہوئی اتفاقاً سے اس وقت محمد شفیع لاہور میں موجود تھے یہاں ان کے بھائی محمد رفیع اور مولوی محمد تقی و منشی عبد الکریم اُن کے کارندے گرفتار کئے گئے اور ان کو ڈرایا گیا کہ اگر تم سب حال نہ بتلاؤ گے تو تم کو پھانسی دی جائے گی۔ جان کے ڈر سے محمد رفیع حقیقی بھائی محمد شفیع کے اور مولوی محمد تقی صاحب بڑے پرانے کارندے اور واعظ جامع مسجد محمد شفیع پر گواہ ہو گئے اور جو پولیس نے ان کو سکھلایا سو گواہی دے کر اپنی جان بچائی اور منشی عبد الکریم جنہوں نے حسب تعلیم پولیس گواہی نہ دی تھی بلا قصور محمد شفیع کے ساتھ دائم الحبس ہو گئے۔

ادھر پارسن صاحب نے دہلی میں پہونچ کر آفت مچا دی، سراؤں اور شہر کے دروازے بند کر دیئے ہزاروں آدمیوں کی تلاشی ہوئی۔ پچاسوں آدمی پکڑے گئے اسی پکڑ دھکڑ میں پارسن صاحب کو یہ پتہ مل گیا کہ میں فلاں شکرم میں سوار ہو کر فلاں وقت معہ دو دوسرے آدمیوں کے علی گڑھ کو گیا ہوں۔ تب اسی دم بذریعہ تار برقی میری گرفتاری کے واسطے علی گڑھ کو خبر دی گئی۔

محمد جعفر کی علی گڑھ میں گرفتاری

خوبیٔ تقدیر سے علی گڑھ میں جو میرے گھر سے قریب دو سو میل کے ہے میلینا میرے وہاں پہنچنے کے وقت یہ خبر تار پہنچی تو اسی وقت بر لب سڑک پولیس نے آکے ہم کو گھیر لیا اور ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ علی گڑھ کے بنگلے پر لے گئے اس نے ہم کو مجسٹریٹ صاحب کے پاس بھیج دیا جہاں سے میں اور میرے دونوں ہمراہی تا آنے جواب ثانی تار کے حوالات میں رکھے گئے۔ اسی دن شام کو جب میں تیمم کر کے نماز پڑھ رہا تھا پارسن صاحب وہاں پہنچ گئے اور مجھ کو قید میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور حکم دیا کہ اس کو پھانسی گھر میں بڑی حفاظت کے ساتھ بند کر دو۔ اسی دم میں ایک بڑی کوٹھری تنگ و تاریک میں بند کیا گیا اور دو تین پہرے اس کے چوگرد مقرر کر دیئے گئے۔

اب پھانسی گھر میں بند ہو کر مجھ کو عقل آئی کہ یہ فرار اور فخرِ تدبیر خداوند تعالےٰ کی مرضی کے خلاف تھا اور پھر میں آخر تک دیکھتا رہا کہ اس فرار سے یہ مقدمہ بہت بھاری ہو گیا تھا اور جو تکالیف مجھ کو یا میرے عزیزوں اور دوستوں کو پہنچیں وہ سب اسی فرار نابکار کا ثمرہ تھا۔ عاشقی کر کے جانچ کے وقت میدان سے بھاگ جانا صادقوں کا کام نہیں ہے۔ بقول حافظ ؎

بیگانہ راچہ کار بود در بلائے غم
آزار رسد کہ خاص بود آشنائے ما

جب بوقت شب بمقام علی گڑھ مجھ کو پہرہ والوں نے پوچھا کہ پھانسی والے

مجرم پر بھی صرف ایک پہرہ ہوتا ہے تم ایسا کیا قصور کر کے آئے ہو کہ جس... سے تم پر تین پہرے لگائے گئے۔ میں نے کہا کہ میں جس شخص کا غلام تھا ہے اسی کے حکم بھاگ آیا ہوں اس واسطے وہ غصے ہے اور مجھ کو راہ سے پکڑ والیا۔

جیل میں ناقص خوراک

سب سے پہلے جیل کا کھانا مجھ کو اس جیل میں ملا۔ دو روٹی اور تھوڑا سا ساگ میرے حوالہ کیا گیا۔ ساگ میں تو سوائے موٹے موٹے ڈنٹھلوں کے پتی کا نام نہ تھا جن کا چبانا بھی دشوار تھا۔ روٹیوں میں قریب چوتھائی کے بالو اور مٹی ملی تھی مگر خدا کا شکر کر کے تھوڑا بہت اس میں سے کھایا۔ پھر اس کے بعد اکثر جیلخانوں میں میں نے وقتاً فوقتاً کر دیکھا تو سب جگہ قیدیوں کا کھانا ویسا ہی پایا کیونکہ قیدیوں کو در اصل خوراک کم ملتی ہے جس سے ان کا پیٹ نہیں بھرتا اور جب ان کو گیہوں پیسنے کے واسطے دی جاتی ہے تو وہ مارے بھوک کے سیروں گیہوں چبا جاتے ہیں یا کچا آٹا پانی میں گھول کر پی لیتے ہیں اور آٹے کا وزن پورا کرنے کے واسطے آٹے میں مٹی بالو ملا دیتے ہیں۔

اسی طرح جو عمدہ ترکاری جیل کے باغوں میں پیدا ہوتی ہے اس کو تو فروخت کر دیتے ہیں یا جیل کے عہدہ دار کھا جاتے ہیں ناکارے ڈنٹھل جن کو جانور بھی نہ کھا دیں۔ گنڈاسوں سے کاٹ کوٹ کر قیدیوں کے واسطے پکا دیتے ہیں وہ بھوکے اسی کو غنیمت جان کر ہاتھوں ہاتھ اڑا جاتے ہیں گو نو آمد قیدیوں کو دو ایک دن اس کے کھانے میں ایذا ہوتی ہے۔ مگر جب عذاب الجوع ان پر مسلط ہوتا ہے تو

پلاؤ قورمے سے بھی زیادہ اس میں مزہ پاتے ہیں اور کھاتے ہیں کیونکہ دنیا میں اصل مزہ بھوک کا ہے۔

امتحانِ عشق

دوسرے دن پارسن صاحب ہم تینوں آدمیوں کو ساتھ لے کر خوشی خوشی سواری شکرم دہلی کو روانہ ہوا۔ شکرم میں سوار کرنے کے پہلے مجھ کو بڑی ہتھکڑی، طوق پہنا کر اور طوق میں بطور باگ ڈور ایک اور زنجیر ڈال کر اور اس کا سرا ایک مسلح سپاہی پولیس کے ہاتھوں میں دے کر اس کو میرے پیچھے بٹھایا اور پارسن صاحب اور دوسرا انسپکٹر پولیس میرے داہنے بائیں بھرے ہوئے تمنچوں کی جوڑیاں لے کر اور میرے بدن سے بدن ملا کر بیٹھ گئے اس کے سوا پارسن صاحب بار بار مجھ کو راہ میں کہتا ہوا آتا تھا کہ اگر تم ذرا بھی حرکت کرو گے تو میں اس تمنچے سے تم کو مار دوں گا۔

علی گڑھ سے چل کر دہلی تک کھانا پینا تو درکنار کسی سخت ضروری حاجت کے واسطے بھی ہم نہ اتارے گئے۔ جب نماز کا وقت آتا تھا تو میں بلا طلب اجازت تیمم کر کے بیٹھے بیٹھے اشاروں سے نماز پڑھ لیتا تھا اور گاڑی بدستور چلی جاتی تھی اور وہ چپ چاپ میری نماز کا تماشا دیکھا کرتے تھے۔ آخر بصد مصیبت اس حال سے لوہے میں جکڑے ہوئے ہم دہلی میں داخل ہوئے جہاں لے جا کر زیر بنگلہ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس دہلی کے ہم کو ایک تہ خانہ کے اندر بند کر دیا۔

ملزمین کا انبالے پہنچنا

دوسرے دن دہلی سے کرنال اور پھر کرنال سے انبالہ کو لے گئے۔ جب ہم انبالہ میں پہونچے بہت رات جا چکی تھی اسی طرح بے آب ودانہ ہم تینوں آدمیوں[1] کو علیحدہ علیحدہ کر کے تین پھانسی گھروں میں بند کر دیا جہاں ہم شروع اپریل تک برابر بند رہے۔

دوسرے دن فجر کے وقت پارسن صاحب سپرنٹنڈنٹ اور میجر ڈنکفیل[2] صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس اور کپتان ٹائی صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ مثل یا جج ماجوج کے میری کوٹھڑی میں آئے اور مجھ سے کہا کہ تم اس مقدمہ کا سب حال بتلا دو تمہارے واسطے بہتر ہوگا۔ میں نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ اس وقت پارسن صاحب نے مجھ کو پہلے بہت دھمکایا اور پھر مارنا شروع کیا جب میری مار حد کو پہنچی اور میں گر پڑا تو ٹائی صاحب اور ونکفیل صاحب کوٹھڑی سے باہر کھڑے ہو گئے اور جب اس قدر مار پر بھی میں نے کچھ نہ بتلایا تو وہ سب کے سب اس دن مایوس ہو کر چلے گئے میں نے جب یہ کیفیت ظلم و تعدی کی دیکھی تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب مجھ کو یہ لوگ زندہ نہ چھوڑیں گے میرے ذمے کچھ رمضان کے روزے باقی تھے دوسرے دن سے میں نے ان کی قضا رکھنی شروع کر دی۔

---

[1] تین آدمیوں سے مراد خود مولوی محمد جعفر، حسینی ساکن پٹنہ اور عبداللہ بنگالی مراد ہیں

[2] صحیح نام BAMFIELD ہے

انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس کا زدوکوب کرنا

دوسرے دن جب میں روزے سے تھا علی الصباح پارسن صاحب پھر آیا اور وہی کارروائی شروع کی مگر تھوڑی زدوکوب کے بعد مجھ کو اپنی بگھی میں بٹھلا کر تانی صاحب ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر لے گیا۔ جہاں پر وہ دونوں صاحب یعنی تانی صاحب اور میجر ٹنکفیل صاحب بھی موجود تھے اس دن انہوں نے میری بڑی چاپلوسی کی اور کہا کہ ہم تحریری عہد کرتے ہیں کہ اگر تم دوسرے شرکاء اور معاونین جہاد کو بتلا دو تو تم کو سرکاری گواہ کر کے رہا کر دینے کے سوا بڑا عہدہ بھی دیویں گے اور بصورت نہ بتلانے کے تم کو پھانسی ہوگی۔ میں نے اس چاپلوسی پر بھی انکار کیا۔

پھر پارسن صاحب ان دونوں سے انگریزی میں کچھ باتیں کر کے مجھ کو ایک الگ کمرے میں لے گیا۔ جہاں لے جا کر پھر مارنا شروع کیا۔ میں کہاں تک لکھوں آٹھ بجے فجر سے آٹھ بجے رات تک مجھ پر اس قدر مار پیٹ ہوئی کہ شاید کسی پر ہوئی ہو۔ لیکن بفضل الٰہی میں سب سہار گیا مگر اپنے رب سے ہر دم یہ دعا کرتا جاتا تھا کہ اے رب یہی وقت امتحان کا ہے تو مجھ کو اس وقت ثابت قدم رکھیو۔ جب وہ ہر طرح مایوس ہو گئے تو لاچار بعد آٹھ بجے رات کے مجھ کو جیل خانہ کو واپس بھیج دیا۔

میں تمام دن روزے سے تھا بنگلہ سے باہر نکل کر درخت کے پتوں سے روزہ افطار کر لیا اور جیل میں پہنچ کر جو میرے حصہ کا کھانا رکھا تھا اس کو

کھا کر اور شکر الہی کر کے سو رہا۔

جس دن میں ٹائی صاحب کے بنگلہ پر اس مار پیٹ کی لذت بنگلہ کے اندر اٹھا رہا تھا اس وقت منشی حمید علی صاحب تھان پوری تحصیلدار زائن گڑ صرف اس قصور پر کہ اس نے میری گرفتاری سے چند برس پہلے اپنے کسی دنیوی معاملہ میں مجھ کو ایک خط لکھا تھا اور بعض عملہ کچہری نے جو اس کے دشمن تھے اس خط کے معنے غلط بیان کر دیئے تھے۔ جس پر وہ غریب معزز عہدہ دار معطل ہو کر باہر برآمدہ میں غمگین بیٹھا تھا۔ میں اس کا غمگین چہرہ دیکھ کر اپنی تکلیف بھول گیا اور یہ خیال، دل میں آیا کہ مجھ منحوس نالائق کو فقط ایک خط لکھنے پر یہ بے چارہ بے گناہ بھی پکڑا گیا اگر اس کے بدلے بھی مجھ کو ہی سزا ہو جائے اور یہ رہا ہو جائے تو بہت بہتر ہے میں اپنی اس حالت زار میں اس کے واسطے بہت دعا کرتا رہا۔ فضل الہی سے وہ ناکردہ گناہ آخر بری ہو کر پھر اپنے عہدہ پر بحال ہو گیا اور اب تک اول درجہ کا عہدہ دار ملک پنجاب میں ہے۔ اس تاریخ کے بعد پھر مجھ کو کبھی شاہد ہونے کی ترغیب نہیں دی گئی۔

گواہ گردی

جب میری طرف سے قطعی مایوسی ہو گئی تو محمد رفیع اور مولوی محمد تقی کو جو میری طرح سے قید میں تھے مخبر بنا کر رہا کر دیا۔ انہیں کے بیان سے بے چارہ محمد شفیع جس کو اس مقدمہ سے بہت ہی تھوڑا تعلق تھا لاہور سے پکڑا آیا۔ پھر انہیں کی رہبری سے پارسن صاحب پٹنہ کو گیا۔ جہاں ایشری پرشاد نام ایک ملازم پولیس اور مسٹر ٹیلر

سابق کمشنر پٹنہ جو ۱۸۵۷ء میں مولوی احمد اللہ صاحب وغیرہ موحدوں کو بے قصور نظر بند کرنے کے قصور میں برخاست ہو گیا تھا۔ اس کے مددگار ہو گئے۔ جن کی غیبت سے اس نے مولوی یحییٰ علی صاحب اور مولوی عبدالرحیم صاحب و الٰہی بخش و میاں عبدالغفار کو گرفتار کر کے انبالہ کو بھیج دیا۔

پھر پارسن صاحب بنگال کو گیا۔ جہاں جگہ جگہ بہت لوگوں کو گرفتار کیا۔ اکثر لوگ تو لاکھوں ہزاروں روپیہ خرچ کر کے رہا ہو گئے اور بہتوں کو پھانسی و ۔ بینے کی دھمکیاں دے کر گواہ بنا لیا۔ صرف ایک قاضی میاں جان ساکن کمار کھلی ثابت قدم رہے۔ جو گرفتار ہو کر انبالہ کو آئے۔ بصیر الدین و علاؤ الدین سوداگران دہلی اور دوسرے بہت سے لوگ دہلی سے بھی گرفتار ہو کر آئے۔ پشاور سے لے کر مشرق و شمالی کنارہ بنگال تک شاید کوئی مالدار مسلمان یا مولوی و نمازی باقی رہا جس کو ایک دفعہ پولیس نے پکڑ کر بقدر وسعت اس سے اپنا ہاتھ گرم نہ کر لیا ہو۔ غرض اس حجوکے میں دسمبر سے اپریل تک بڑی پکڑ دھکڑ رہی صدہا آدمیوں کو ڈرایا اور سکھلا کر گواہ بنا لیا۔

اس پارسن گردی کے دورہ میں وہ بے چارہ حسینی تھانیسری بھی جب دہلی سے اشرفیاں لے کر لوٹا چلا آتا تھا پکڑا گیا اور کل اشرفیاں ضبط کرا کے بے قصور ہمارے ساتھ ہی دائم الحبس ہو گیا۔

ایشری پرشاد اور غزن خان کو غداری کا صلہ

اس مقدمہ میں ہم نے دیکھا کہ بڑے بڑے صاحب لوگوں نے قانون

آئین سب طاق پر رکھ دیا تھا اور ایشری پرشاد وغیرہ ہندو مسلمان نے اپنے فائدے کے واسطے اس مقدمہ کو رسی سے سانپ اور رائی سے پہاڑ بنا دیا اور ہم لوگوں کو نکو بنا کر نپولین یا مہدی سوڈانی سا فرضی دشمن دولتِ انگلشیہ کا ٹھہرا کر اپنا مطلب نکالنا چاہا چنانچہ ایشری پرشاد وغیرہ جو نہایت ادنیٰ عہدے پر تھے۔ ڈپٹی کلکٹر وغیرہ ہو گئے[1] اور بڑی بڑی زمینداری اور جاگیر دھوکہ دے کر سرکار سے لے لی اور عزن خان مخبر نے تو ایک شخص جھوٹا قصداً اپنے بیٹے کے نافلہ کو بھیجنے کا گھڑ کر ایک دو گاؤں جاگیر سرکار سے لے لئے۔

---

[1] ایشری پرشاد پٹنہ میں پولیس انسپکٹر تھا۔ اس نے تحریک مجاہدین کے مقدمات (انبالہ ۱۸۶۴ء) (پٹنہ ۱۸۶۵ء)، (مالدہ ۱۸۷۰ء)، (راج محل ۱۸۷۰ء)، (پٹنہ ۱۸۷۱ء) میں انگریزی حکومت کی وفاداری میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ کلکتہ اور راج شاہی سے پشاور تک کا علاقہ چھان مارا۔ مجاہدین (وہابیوں) کا کہیں ذرا پتہ لگا اور اس نے رائی کا پہاڑ بنا ڈالا۔ یہاں تک کہ جب ۱۸۷۲ء میں لارڈ میو جزیرۂ انڈمان میں ایک قیدی شیر علی کے ہاتھ سے مارا گیا تو یہ انگریزوں کا ازلی وفادار تحریک مجاہدین کے اسیران بلا کو دوبارہ پھنسانے کے لئے انڈمان پہنچا۔ اونشا جج نے اس کی ان خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے سفارش کی جو قبول ہوئی اور اس کو ڈپٹی کلکٹر بنا دیا گیا نیز لفٹنٹ گورنر بنگال و بہار نے مزید ڈھائی ہزار نقد انعام کی سفارش کی۔ ملاحظہ ہو ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۶۸ (حاشیہ)

اخیر ۱۸۶۳ء سے دس برس تک برابر ہندوستان کے مسلمانوں پر قیامت برپا رکھی۔ صدہا مسلمان مارے خوف کے گھر بار چھوڑ کر عرب وغیرہ ملکوں میں جا بسے خود غرضوں اور خوشامدیوں اور ہمارے مدعی اور دشمنوں نے خوب دل کے چاؤ نکالے۔ دس برس تک اخباروں میں سوائے اس قصہ کے اور بحث کے کوئی دوسری بات کم ہوتی تھی۔ ایک محکمہ گواہ شاہدوں کے اس دار و گیر کے واسطے برسوں تیار رہا۔ جس کو چاہا پکڑ لیا اور جو چاہا رشوت لے لی۔ اور جس نے نہ دی اس پر ان معمولی گواہوں سے گواہی دلا کر دائم الحبس کر دیا۔

شیخ الکل میاں نذیر حسین کی وفاداری

چمبرلین صاحب اس دار و گیر وہابیوں کے کمشنر ہوئے راولپنڈی اس کا صدر مقام ہوا۔ چنانچہ مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی جو ایک نامی خیر خواہ دولت انگلشیہ کے ہیں واسطے خدمت گو بندہ گری وہابیوں کے دہلی راولپنڈی طلب ہوئے لیکن ابھی کچھ کارروائی شروع نہ ہوئی تھی کہ احکم الحاکمین اور سریع الانتقام کو یہ کارروائی ظلم اپنے برگزیدہ بندوں پر پسند نہ ہوئی بہ اجرار وارنٹ موت ناگہانی خود چمبرلین صاحب کی اس دربار عالی میں طلبی ہو گئی۔ ان کے مرنے کے بعد پھر کسی دوسرے صاحب کو اس خدمت خطرناک کے قبول کا حوصلہ نہ ہوا۔ تو پھر وہ محکمہ ہی ٹوٹ گیا اور غریب مسلمان بوجہ اس تائید غیبی کے اس آفت ناگہانی سے محفوظ رہے اور مولوی نذیر حسین صاحب جن پر واسطے اظہار نام کل ممبران اہل حدیث باشندگان ہند کے جبر کیا جاتا تھا رہا ہو کر اپنے گھر

لو واپس آ گئے۔

ہنٹر کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان"[1]

ان خود غرضوں نے ان سو دو سو فقیران ساکنانِ ملک غیر کا ڈر اور رعب ہماری ایسی بہادر اور دانا سرکار کے دل پر اتنا جمایا اور اس میں ایسا مبالغہ کیا کہ گویا سلطنت انگریزی کا قلع قمع کرنے والے یہی لوگ ہیں اور جس قدر اس کا اثر ہماری فاتح قوم پر ہوا ہے۔ وہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب کے دیکھنے سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ اس میں کیسے رسی کا سانپ اور رائی کا پہاڑ بنایا گیا ہے۔ اور کن کن لایعنی دلائل سے فاتح اور مفتوح میں عداوت ثابت کی ہے اور طرہ یہ کہ علی العموم بلا تخصیص تمام ہند کے مسلمانوں پر حملہ کیا ہے۔ حالانکہ اس تحریر کے بعد بڑے بڑے موقعوں پر ہند کی خیر خواہی و خیر سگالی ثابت ہو کر وہ کتاب جو بوجہ فاتح اور مفتوح کے دلوں کو بگاڑنے والی ہے قابل اعتبار نہیں ہے۔

مولوی سید احمد صاحب بہادر سی۔ ایس۔ آئی نے شروع ہی میں بڑے دلائل سے اس خیالی پلاؤ ڈاکٹر کو رد کر کے اس کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔[1] اور ہر

---

[1] ڈبلو ڈبلو ہنٹر کی مشہور کتاب "آور انڈین مسلمانز" (OUR INDIAN MUSALMANS) پر سر سید احمد خان بہادر نے ایک مفصل تبصرہ کیا یہ تبصرہ "ریویو آن ڈاکٹر ہنٹرس انڈین مسلمانز" (REVIEW ON DR. HUNTER'S INDIAN MUSALMANS) کے نام سے مشہور اخبار پانیر (الہ آباد) کی متعدد اشاعتوں (بقیہ اگلے صفحہ)

دعویٰ کو اصول ہی سے غلط ثابت کر دیا ہے مگر تو بھی اس کتاب ڈاکٹر ہنٹر کا جادوانہ اثر ابھی تک اکثر انگریزوں کے دلوں پر ہے جو وہابیوں کو اپنا جانی دشمن جانتے ہیں۔

اگرچہ ابتدائے عملداری پنجاب سے افغانوں نے صدہا بڑے بڑے معزز انگریزوں اور میم اور بچوں کو بلکہ گورنر جنرل تک کو مار ڈالا اور ابھی تک جہاں موقع پاتے ہیں۔ اپنی وحشیانہ حرکت سے باز نہیں آتے اور ان کے مولویوں نے عام فتوے دے رکھا ہے کہ انگریزوں کا مارنا بڑا ثواب ہے۔ مگر تو بھی انگریز افغانوں کو اپنا اس قدر دشمن نہیں جانتے جس قدر وہابیوں کو ڈاکٹر ہنٹر کی بدولت اپنا دشمن فرض کر رکھا ہے۔ حالانکہ ابتدائے عملداری سرکار سے وہابیوں

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) میں شائع ہوا اس کے بعد سوسائٹی کے اخبار میں ۲۴ر نومبر ۱۸۷۱ء سے ۲۲ر فروری ۱۸۷۲ء تک ۱۷ر اشاعتوں میں اردو ترجمے کے ساتھ چھپتا رہا کتابی صورت میں میڈیکل ہال پریس بنارس سے ۱۸۷۲ء میں شائع ہوا۔ حافظ احمد حسن بدایونی (المتوفی ۱۸۸۸ء) نے اس ریویو کو بصورت پمفلٹ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں ہنری ایس کنگ اینڈ کمپنی کے پریس کارن ہل واقع لندن سے چھپوا کر شائع کیا اقبال اکیڈمی (لاہور) نے ۱۹۷۹ء میں اس رسالہ کا اردو ترجمہ بھی علیحدہ کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے۔

سے قتلِ انگریزی تو ورکنار کبھی خلافِ تہذیب بھی سرزد نہیں ہوئی!

عین بغاوت ۱۸۵۷ء کے عام فتنہ کے وقت بجائے بغاوت اور فساد کے، وہابیوں نے انگریزوں کی میم اور بچوں کو باغیوں کے ہاتھ سے بچا کر اپنے گھروں میں چھپا رکھا[1] مگر ڈاکٹر ہنٹر کے جادو نے دونوں قوموں کے درمیان براہ تعصب سخت دشمنی اور نفرت کر رکھی ہے۔

اہل حدیث کی خیر خواہی

لیکن خدا کا شکر ہے کہ ان پچیس برس گزشتہ کے تجربوں اور وہابیوں کی خیر خواہی نے ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے اس خیالی پلاؤ کو از سرتا پا دروغ ثابت کر دیا اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حسب سفارش گورنمنٹ پنجاب جس کے علاقہ کے وہابی جملہ

---

[1] شیخ الکل میاں نذیر حسین اور ان کے صاحبزادے شریف حسین وغیرہ نے مسز لیسنس (MRS. LEESONS) کو ۱۸۵۷ء میں ساڑھے تین ماہ اپنے گھر میں چھپائے رکھا اور پھر بحفاظت تمام برٹش کیمپ میں پہنچایا، اور نقد انعام حاصل کیا انگریز حکام جنرل نیول چیمبرلین، جنرل برنرڈ، کرنل سیٹن اور میجر بنگ وغیرہ سے اس واقعے کے متعلق تصدیقی سرٹیفکیٹ حاصل کئے (ملاحظہ ہو جی، ڈبلو، واٹرفیلڈ کمشنر دہلی کا سرٹیفکیٹ مشمولہ "اَلْحَیَاۃُ بَعْدَ الْمَمَاتِ" (سوانح عمری میاں نذیر حسین مرتبہ فضل حسین صفحہ ۷۸ تا ۸۰ مطبوعہ مطبع اکبری آگرہ ۱۹۰۸ء)

رعایا ہند پر خیر خواہی سرکار میں سبقت لے گئے۔ یہ لفظ وہابی جو ان کا عطیہ خطاب تھا، بحکم گورنمنٹ ہند سرکاری تحریرات میں یک قلم لکھنا بند ہو گیا [1] اور آئندہ سے یہ لوگ اپنے پرانے نام محمدی یا اہل حدیث سے پکارے جایا کریں گے اور میں دیکھتا ہوں کہ بوجہ اس قدر دانی گورنمنٹ کے یہ لوگ

---

[1] جماعت اہل حدیث کے سرگروہ مولوی محمد حسین بٹالوی (۱۲۵۶ھ – ۱۳۳۸ھ) نے سرکار انگریزی سے موافقت اور وفاداری کا ثبوت اس طرح دیا کہ جہاد کی منسوخی پر ایک مستقل رسالہ "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" تصنیف کیا اس کتاب کے ترجمے اردو انگریزی اور عربی میں ہوئے انگریزی اور اردو ترجمے سر چارلس اٹیکسن اور سر جیمس لائل، گورنران پنجاب کے نام معنون کئے گئے ہیں۔ الاقتصاد فی مسائل الجہاد ۱۲۹۲ھ میں تالیف ہوا۔ علمائے عصر سے رائے لینے کے بعد ۱۲۹۶ھ میں رسالہ اشاعت السنہ کی جلد دوم شمارہ گیارہ میں بطور ضمیمہ شائع کیا گیا پھر مزید مشورہ و تحقیق کے بعد ۱۳۰۶ھ میں باضابطہ کتابی صورت میں شائع ہوا مولوی مسعود عالم ندوی مرحوم لکھتے ہیں "اس کتاب پر (مولوی محمد حسین بٹالوی) انعام سے بھی سرفراز ہوئے جماعت اہل حدیث کو فرقہ کی شکل دینے میں ان کا خاص حصہ ہے اور یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس سادہ لوح فرقے میں وفاداری کی خو بو پیدا کی نہ صرف یہ ہوا بلکہ دوسرے معاصر علماء (مثلاً مولانا فضل حق خیر آبادی (المتوفی ۱۲۷۸ھ) و حاجی امداد اللہ مہاجر کی (المتوفی ۱۳۱۷ھ) کو سرکار کی مخالفت کے طعنے بھی دیئے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اس قدر گورنمنٹ کے ہوئے ہیں کہ اگر موقع آپڑے تو سرکار ابد پائدار پر اپنی اپنی جان نچھاور کر دیں۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ نوٹ) (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۷۶) مولوی مسعود عالم ندوی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں "معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار انگریزی سے انہیں "جاگیر" بھی ملی تھی۔ اس رسالہ کا پہلا حصہ ہمارے پیش نظر ہے پوری کتاب تحریر وتدلیس کا عجیب وغریب نمونہ ہے" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۹) —— ان ہی مولوی محمد حسین بٹالوی نے ارکان جماعت اہل حدیث کی ایک دستخطی درخواست لفٹنٹ گورنر پنجاب کے ذریعہ سے وائسرائے ہند کی خدمت میں روانہ کی گورنر پنجاب نے وہ درخواست اپنی تائیدی تحریر کے ساتھ گورنمنٹ آف انڈیا کے پاس بھیجدی وہاں سے حسب ضابطہ اس کی منظوری آگئی کہ آئندہ وہابی کا لفظ اہل حدیث کے لئے استعمال نہ کیا جائے لفٹنٹ گورنر پنجاب نے اس کی ایک کاپی مولوی محمد حسین کے پاس بھیجدی اسی طرح گورنمنٹ مدراس کی طرف سے ۱۵ اگست ۱۸۸۶ء کو بذریعہ نمبری ۱۲۷ اور گورنمنٹ بنگال کی طرف سے ۴ مارچ ۱۸۹۰ء کو بذریعہ خط نمبری ۱۵۶ اس کی اطلاع مولوی محمد حسین کو پہنچی اور گورنمنٹ یوپی کی طرف سے بذریعہ خط نمبری ۳۸۶ مورخہ ۲۰ جولائی ۱۸۸۶ء اور ممالک متوسط کی طرف سے بذریعہ خط نمبری ۴۰۷ مورخہ ۱۴ جولائی ۱۸۸۸ء اور گورنمنٹ بمبئی کی طرف سے بذریعہ خط نمبری ۷۳۲ مورخہ ۱۴ اگست ۱۸۸۶ء اس امر کی اطلاع مولوی محمد حسین بٹالوی کو ملی۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مقدمہ انبالہ

آمدم بر سر مطلب دسمبر سے اپریل تک یہ سب دار و گیر ہو کر یماہ اپریل ۱۸۶۴ء

(بقیہ صفحہ ۸۵ کا)

(بقیہ صفحہ ۸۵ کا) اصل مراسلہ مع ترجمہ درج ذیل ہے۔

Copy of The letter No. 1758, dated 3rd December 1886 from the Officiating Secretary to the Government of Home Department, India to the Secretary to the Government of the Punjab.

In reply to your letter No. 1044, dated the 8th June last, I am directed to say that the Governor-General in Council is pleased to express his concurrence with the view of Sir C. Aitchison that the use of the term "Wahabi" should be discontinued in official correspondence.

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مقدمہ انبالہ میں یہ مقدمہ پیش ہوا اور ہم سب لوگوں کو پھانسی گھروں سے نکال کر کچہری میں لے گئے اس وقت معلوم ہوا کہ میرا حقیقی بھائی محمد سعید میرے اوپر اور محمد رفیع حقیقی بھائی محمد شفیع کا اس کے اوپر پھانسی کی دھمکی سے گواہ ہو گئے اور اسی کارروائی سے پچاس ساٹھ آدمی جن میں اکثر مولوی ملا تھے ہمارے اوپر گواہ بنائے گئے لیکن اکثر گواہی دیتے وقت بھی ہماری طرف دیکھ کر زار

(بقیہ صفحہ ۸۵ کا نوٹ) "ترجمہ - مراسلہ نمبر ۱۷۵۸ مورخہ ۳ر دسمبر مرسلہ آفیشیٹنگ سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا محکمہ داخلہ بنام سکریٹری گورنمنٹ صوبہ پنجاب -

آپ کے خط کے جواب میں جس کا نمبر ۱۰۴۷ ہے اور جو آٹھ جون کو ارسال کیا گیا تھا مجھ کو ہدایت ہوئی ہے کہ میں آپ کو اطلاع دوں کہ گورنر جنرل با جلاس کونسل نے اس بات کو باعث مسرت خیال کیا ہے کہ وہ سر(ی) اچیسن کی اس رائے سے اتفاق فرماتے ہیں کہ لفظ "وہابی" کا استعمال آئندہ سرکاری خط و کتابت میں ممنوع قرار دیا جائے"۔

ملاحظہ ہو مآثر صدیقی (سوانح عمری نواب صدیق حسن) از نواب علی حسن خان ص ۱۶۲ - ۱۶۳ (نول کشور پریس ۱۹۲۴ء)

لہ انبالہ کے مقدمہ میں مندرجہ ذیل گیارہ اشخاص ملزم تھے -

(۱) مولوی یحییٰ علی (پٹنہ) (۲) مولوی عبدالرحیم (پٹنہ) (۳) مولوی محمد جعفر (تھانیسر) (۴) میاں عبدالغفار (۵) قاضی میاں جان (بقیہ اگلے صفحہ پر)

نڈار ہونے بھی جاتے تھے۔ مگر یہ بس اگر گواہی نہ دیتے تو قطع نظر مار پیٹ سے کے پھانسی کا سامنا تھا اور یہ سب گواہ تا ادائے شہادت محکمہ سیشن کے مثل قیدیوں کے زیر حراست پولیس رکھے گئے تھے اور پولیس ہی سے ان کو عمدہ خوراک اور لباس ملتا تھا۔ چنانچہ لاکھوں روپیہ سرکار کا ان بیجا کارروائیوں میں صرف ہو گیا۔

پولیس کی زدوکوب سے عباس کی موت

مار پیٹ کی تو یہ حالت تھی کہ عباس نام ایک لڑکا جو مدت تک میرے گھر میں رہ کر پرورش پایا تھا۔ جب مجسٹریٹی میں گواہی دیتے وقت مجھ کو دیکھ کر مارے محبت کے جھوٹا اور آموختہ بیان میرے اوپر کرنے سے ہچکچایا تو اسی روز رات اس کو ایسی سزا سخت دی گئی کہ وہ بچہ اسی صدمہ سے قبل از درپیش مقدمہ سیشن کے مر گیا مگر رفع بدنامی کے واسطے پارسن صاحب نے اس کا مرنا کسی مرض سے مشہور کر دیا تھا۔

مولوی محمد جعفر کے بھائی محمد سعید کا جھوٹی گواہی سے انکار

جس دن ہم اول روز مجسٹریٹی میں حاضر کئے گئے تو میرا بھائی بھی بزمرہ

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) (۶) شیخ محمد شفیع (انبالہ) (۷) عبدالکریم (انبالہ) (۸) عبدالغفور (۹) حسینی بن محمد بخش (تھانیسر) (۱۰) حسینی بن منگھو (پٹنہ) (۱۱) الٰہی بخش بن کریم بخش۔

گواہان زیر حراست پولیس تھا اس نے مجھ کو بذریعہ ایک سپاہی پولیس کے یہ خبر بھیجدی کہ مجھ کو پولیس نے مار پیٹ کر تمہارے اوپر گواہ بنایا ہے سواب جس وقت برسرِ اجلاس میرے اظہار تحریر ہوں گے تو میں اپنے اس بیان سے جو مارپیٹ کر لکھایا ہے پھر جاؤں گا۔ اس کے جواب میں میں نے اس کو کہلا بھیجا کہ میری قید اور رہائی کچھ تمہارے بیان پر موقوف نہیں ہے وہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تمہارا اظہار بحلف ہوا ہے تو اب اس سے پھر جانے پر بجرم دروغ حلفی تم کو سزا سخت ہو جاوے گی۔ میں تو پہلے سے پھنسا ہوا ہوں تمہارے پھنس جانے سے والدہ ضعیفہ صدمہ کھا کر ہلاک ہو جاوے گی اس واسطے بہتر ہے کہ جو تم نے پہلے لکھایا ہے وہی اب بھی بیان کر دو لیکن باایں ہمہ جب اس کا اظہار میرے سامنے ہونے لگا تو وہ پہلے اظہار سے منکر ہو گیا۔ صاحب لوگ برسرِ اجلاس اس کا انکار سن کر اول تو بڑے غصے ہوئے مگر بوجہ اس کی صغر سنی کے اس کو کچھ سزا نہ دے سکے۔ اس کا نام گواہوں سے کاٹ کر اس کو نکال دیا۔

کثرتِ گواہوں کے سبب سے ایک ہفتہ تک فقط یہی مقدمہ کچہری مجسٹریٹی میں پیش ہوتا رہا۔ صاحب لوگوں کا تعصب ہم لوگوں سے یہاں تک تھا کہ جب بروقت درپیش مقدمہ کے ہم نے یہ درخواست کی کہ ہماری نماز کا وقت آگیا ہے ہم کو نماز پڑھنے کی اجازت بخشی جاوے تو یہ اجازت بھی ہم کو نہ دی گئی مگر وہ ہمارا کیا کر سکتے تھے۔ ہم نے عین دوران مقدمہ میں تیمم کر کے بیٹھے ہوئے اشارہ سے نماز پڑھ لی۔

مقدمہ سشن سپرد

ایک ہفتہ کی کارروائی کے بعد ہمارا مقدمہ سپرد سشن ہوا اس وقت تک ہم پھانسی گھروں میں علیحدہ علیحدہ قید تھے بعد سپردگی سشن کے ہم سب کو ایک جگہ حوالات میں بند کر دیا۔ اب بعد ایک مدت کے تنہائی اور چلہ کشی کے جو ہم سب دوست ایک جگہ جمع ہوئے تو بڑی خوشی ہم لوگوں کو ہوئی۔ میں تو سعدی رح کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتا تھا۔

پائے در زنجیر پیش دوستاں
بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

مگر ایک مدت دراز چار ماہ تک کے تخلیہ اور تنہائی سے بھی ہم لوگوں کو بہت روحانی فائدہ ہوا تھا انوار الہی آئینہ صافیہ قلب میں خوب محسوس ہوتے تھے۔ نماز روزے میں کمال لذت حاصل ہوتی تھی کہ شاید وہ کیفیت برسوں چلہ کشی اور گوشہ نشینی میں بھی حاصل نہ ہوتی۔

مولوی یحییٰ علی کی صحبت

اس وقت مولوی یحییٰ علی صاحب کی صحبت ایک مغتنمات سے تھی مگر محمد شفیع اور عبد الکریم یہ دونوں آدمی کسی قدر کشیدہ خاطر رہا کرتے تھے باقی ہم لوگ آدمی اس حوالات میں بھی نہایت شاداں اور فرحاں تھے اور یہ خاکسار تو جب اپنی ذلیل النسبی اور کم علمی پر خیال کر کے انعامات الہی اور اس سرفرازی

کو جو میرے حال بدمآل پر مبذول تھی مقابلہ کر کے دیکھتا تو سمجھتا تھا کہ میری مثل ٹھیک ایسی ہے کہ جیسے کسی چمار کے سر پر بلا واسطہ وسفارش و بلا استحقاق ولیاقت ذاتی کے تاج شاہی رکھ دیا جاوے۔ میں اور میرا حسب نسب اور لیاقت کہاں اور یہ سرفرازی خدا کے راہ میں امتحان ہو کر ثابت رہنے کی کیسی، کیونکہ اللہ تعالے قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ایسے امتحانوں میں پیغمبر اور صحابہ لوگ بھی گھبرا جاتے تھے اس صبر اور استقلال کے انعام کو خیال کر کے اول سے آخر تک میری زبان پر تو شکر ہی شکر جاری رہا۔

مولوی یحییٰ علی صاحب کی کیفیت اس سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر تھی وہ اکثر ان اشعار کے مضمون کو ادا کرتے تھے ۔

فلست ابالی حین اقتل مسلما علی ای شق کان فی اللہ مصرعی
وذالک فی ذات الالہ وان یشأ یبارک علی اوصال شلو ممزع

(ترجمہ:۔ نہیں پرواہ کرتا ہوں میں جبکہ مارا جاؤں میں مسلمان کسی کروٹ پہ ہو پھر کر جانا میرا طرف خدا کی اور یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اگر چاہے برکت دیوے اوپر ملا دینے ٹکڑوں پراگندہ کے)

یہ وہ اشعار ہیں جب حضرت خبیبؓ ایک صحابی کو کفار مکہ پھانسی دینے لگے تو اس نے نہایت جوانمردی سے یہ اشعار پڑھ کر راہِ خدا میں جان دی اور شہید ہوا اور اس کی موت کی خبر اور اس کا سلام خود جبرئیل علیہ السلام نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں پہنچایا تھا۔ مولوی یحییٰ علی صاحب بڑے درد اور عشق سے یہ شعر بھی اکثر سید صاحب[له] (سید احمد شہیدؒ) کے فراق میں

له سید احمد بریلویؒ (شہید بالاکوٹ ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء)

پڑھا کرتے تھے۔

اتنا پیغام درد کا کہنا جب صبا کوئے یار سے گذرے
کونسی رات آپ آئیں گے دن بہت انتظار میں گذرے

مقدمہ کی پیروی

کچھ عرصہ کے بعد آخر اپریل میں یہ مقدمہ باجلاس میجر ایڈورڈس صاحب محکمہ سشن میں پیش ہوا۔ وہاں بھی ایک ہفتہ تک روبکاری ہوتی رہی۔ محمد شفیع اور عبدالکریم کی طرف سے مسٹر گڈال ایک بیرسٹر محکمہ مجسٹریٹی میں وکیل اور پیروکار رہے اور جب یہ مقدمہ کچہری سشن میں پیش ہوا تو مولوی محمد حسن صاحب اور مولوی مبارک علی صاحب نے جو پٹنہ والوں کی طرف سے پیروکار تھے مسٹر پلوڈن نام ایک دوسرے وکیل کو بلایا یہ وکیل بڑا جہاں دیدہ اور فہمیدہ ایک مسن آدمی تھا جب پلوڈن صاحب اپنا مختار نامہ لے کر حوالات میں ہمارے دستخط کرانے کو آیا تو مولوی عبدالرحیم صاحب مولوی یحییٰ علی صاحب والٰہی بخش سوداگر و حسینی و قاضی میاں جان صاحب و عبدالغفار صاحب و منشی عبدالغفور آٹھ مدعا علیہم نے اس پر دستخط کر دیئے۔ مگر میں نے اپنے دستخط نہیں کئے اور کہا کہ میں وکیل ہوں اپنی جواب دہی آپ کروں گا۔

مولوی یحییٰ علی صاحب اس تقرری وکیل اور بربادی روپیہ سے راضی نہ تھے بلکہ اگر دوسرے لوگ ان کو نہ روکتے تو وہ اپنے نیک اعمال

کا اقبال کرنے کو تیار تھے۔ مگر اُن کی طبیعت کچھ ایسی سیدھی اور بے عذر تھی کہ جب اُن سے مختار نامہ پر دستخط کرنے کو کہا گیا تو بے عذر اس پر بھی دستخط کر دیئے۔

اب سرکار کی طرف سے میجر ونکفیل صاحب اور پارسن صاحب پیروکار اور وکیل تھے اور دس مدعا علیہم کی طرف سے دو وکیل اور میں ایک بذات خود اپنی جواب دہی کرتا تھا جب کوئی گواہ پیش ہوتا تو پہلے اس کا بیان صاحب سشن جج آپ لکھتے اور سوال جرح کے خود کرتے بعد اُس کے سرکاری وکلا اور اُس کے بعد ہر دو وکلا مدعا علیہم۔ ایک دوسرے کے بعد اور سب کے آخر میں یہ خاکسار سوالات جرح کے کرتا۔ چونکہ میں سب سے زیادہ اس مقدمہ سے واقف اور اُن گواہوں کے حالات اور علم لیاقت سے بھی بخوبی آگاہ اور اس فن وکالت میں بھی پورا تجربہ حاصل اور اس وقت بہ نسبت دوسروں کے مجھ کو خدا تعالیٰ سوالات جرح بھی خوب سوجھاتا تھا۔ اکثر گواہ میرے سوالات کے جواب سے تنگ آ کر دوہائی دوہائی کرنے لگتے تھے۔

بوجہ اجلاس عام ہونے کے بہت سے یورپین اور دیسی تماشہ بین حاضر ہو کر یہ تماشہ دیکھا کرتے تھے۔ چار امیر دو ہندو دو مسلمان رؤسا ضلع انبالہ سے بلائے گئے تھے جب شہادت طرفین تمام ہو گئی تو مدعا علیہم کے جواب لے گئے۔ دس مجرموں کا جواب تو ان کے وکیلوں نے تحریری مثل میں داخل کیا۔

محمد جعفر کے سشن جج سے سوال و جواب

اخیر میں صاحب سشن جج نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ بولو تمہارا کیا جواب ہے تب میں نے ہر ایک ثبوت مدخلہ سرکار کی تردید بیان کر کے اپنا جواب نہایت مشرح اور مدلل لکھانا شروع کیا صاحب جج نے اس میں سے کسی قدر لکھ کر بڑے غصہ سے مجھ سے کہا کہ اس جواب سے کچھ فائدہ نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ تم اپنے قصور کا اقبال کر کے عدالت کی مہربانی اور رحم سے اپنی معافی مانگو میں یہ مخالفانہ تعلیم کا سبق سن کر چپ ہو رہا اور کہا کہ میں فقط انصاف چاہتا ہوں سو آپ سے اس کی امید نظر نہیں آتی۔ اس کے بعد میں نے دس بارہ آدمی گواہ اپنی بریت کے ثبوت بلانے چاہے سو وہ بھی بلائے نہ گئے۔ بلکہ جب واقعہ ۲/ مئی ۱۸۶۴ء روز سنانے حکم کے اپنے گواہوں کو میں نے آپ حاضر کرا دیا تو بھی ان کے اظہار نہ لکھے گئے۔

محمد شفیع اور دوسرے اکثر مدعا علیہم کی طرف سے بہت گواہ گزرے لیکن بے سود کون سنتا ہے بلکہ محمد شفیع کی طرف سے ایک سو سے زیادہ سارٹیفکیٹ خیر خواہی و خیر سگالی سرکار و عمدہ کارگزاری کے پیش ہوئے جن کی نسبت اس متعصب جج نے یہ لکھا ہے کہ ہر ہر فقرہ ان سارٹیفکٹوں کا محمد شفیع کے مجرم اور مستحق سزائے سخت ہونے پر ایک دلیل ساطع اور برہان قاطع ہے۔

مسٹر پلوڈن وکیل کے قانونی نکات

ہمارے لائق اور دیرینہ وکیل مسٹر پلوڈن نے بہت سی قانونی کتابوں اور نظایر سے ثابت کر کے یہ جواب لکھا تھا کہ ملکہ ستھانہ وغیرہ مقامات جہاں پر جنگ جس کی اعانت کرنے کا ان لوگوں پر الزام ہے واقع ہوا عملداری سرکار سے باہر ہیں اور لفظ جنگ کرنا یا ملکہ معظمہ یا بغاوت مصرحہ دفعہ ۱۲۱ تعزیرات ہند کسی جنگ وقوعہ بیرون حدود عملداری سرکار پر صادق نہیں آتا۔ چنانچہ تمثیل ب زیر دفعہ ۱۲۱ صاف لکھا ہے کہ زید نے جو ممالک ہند میں ہے باغیوں کو ہتھیار بھیجنے سے ایک بغاوت میں اعانت دی جو گورنمنٹ ملکہ معظمہ واقعہ سیلون کے مقابلہ میں (اندر حدود ممالک مقبوضہ ملکہ کے) ہوئی تو زید ملکہ معظمہ سے جنگ کرنے میں اعانت کا مجرم ہوگا۔ اس واسطے ان لوگوں کو اس دفعہ کے رو سے سزا نہیں ہو سکتی۔

جب صاحب سشن جج اور دوسرے انگریزوں نے یہ دلیل وکیل کی سنی تو ایک دم سرد ہو گئے اور سوائے ہاں اور بجا کے کوئی جواب نہ بن آیا۔ مگر اس مقدمہ میں تو انگریزوں کو پرلے سرے کا تعصب تھا۔ شروع کارروائی سے اس مقدمہ میں قانون طاق پر رکھ دیا تھا اس واسطے بعد لینے اس جواب کے واسطے مشورہ باہمی کے مقدمہ کو چند روز کے واسطے ملتوی کر دیا گیا اور جان[1] لارنس صاحب

---

[1] لارڈ لارنس نومبر ۱۸۶۳ء سے جنوری ۱۸۶۹ء تک گورنر جنرل رہا۔

بہادر گورنر اور دوسرے بڑے بڑے افسروں سے جو خواہ مخواہ ہمارا قلع قمع ہی چاہتے تھے مشورہ کیا گیا اُن کو تو خود غرضوں نے یہ سوجھا رکھا تھا کہ اگر ان چند غریبوں کو پھانسی دے کر وہابیوں کا ہند سے قلع قمع نہ کر دو گے تو عملداری سرکار ہند میں رہنا محال ہے پھر قانون کو کون سنتا ہے۔

فیصلہ

بعد التوائے دراز کے ۲؍مئی ۱۸۶۴ء کو پھر ایک آخری اجلاس سشن ہوا اور جج صاحب موصوف اپنی تجویز اور فتویٰ سزا اپنے گھر پر بیٹھ کر حسب ایمار گورنر صاحب کے لکھ لائے تھے۔ اس دن اجلاس میں بیٹھنے کے ساتھ ہی پہلے چاروں اسیروں سے سشن جج صاحب نے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگوں نے اس مقدمہ کو اول سے آخر تک سُنا اب جو آپ کی رائے ہو لکھ کر پیش کرو۔ ہم نے دیکھا کہ یہ چاروں اسیر کس وقت بھی ہماری شکلوں کو دیکھ دیکھ آنسو بھر بھر لاتے تھے اور دل سے ہماری رہائی کے خواہاں تھے۔ مگر جب صاحب جج و کمشنر کی رائے کو ہماری سزا پر مائل پایا تو مارے ڈر کے انہوں نے بھی لکھ دیا کہ ہمارے نزدیک بھی جرم منسوبہ فرد قرارداد ان پر ثابت ہے۔

پھر تو صاحب جج و کمشنر نے بعد حصول اس حیلہ قانونی کے اپنی تجویز جو پہلے سے میز پر لکھی دھری رکھی تھی پڑھنی شروع کی جس میں آئیں بائیں شائیں کر کے پلیڈر صاحب کی عمدہ دلیل کا جواب تھا۔

سزا کا فیصلہ

پھر سب سے پہلے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم بہت عقلمند اور ذی علم اور قانون دان اور اپنے شہر کے نمبردار اور رئیس ہو۔ تم نے اپنی ساری عقلمندی اور قانون دانی کو سرکار کی مخالفت میں خرچ کیا۔ تمہارے ذریعہ سے آدمی اور روپیہ سرکار کے دشمنوں کو جاتا تھا۔ تم نے سوائے انکار بحث کے کچھ حیلتاً بھی خیرخواہی سرکار کا دم نہیں بھرا اور باوجود فہمائش کے اس کے ثابت کرانے میں کچھ کوشش نہ کی اس واسطے تم کو پھانسی دی جاوے گی اور تمہاری کل جائداد ضبط سرکار ہوگی اور تمہاری لاش بھی تمہارے وارثوں کو نہ دی جاوے گی بلکہ نہایت ذلت کے ساتھ گورستان جیل میں گاڑ دی جاوے گی اور اخیر میں یہ کلمہ بھی فرمایا کہ میں تم کو پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوں گا۔

یہ سارا بیان صاحب موصوف کا میں نے نہایت سکوت سے سنا مگر اس آخری فقرہ کے جواب میں میں نے کہا کہ جان دینا اور لینا خدا کا کام ہے آپ کے اختیار میں نہیں ہے وہ رب العزت قادر ہے کہ میرے مرنے سے پہلے تم کو ہلاک کرے لیکن اس جواب باصواب پر وہ بہت خفا ہوا مگر پھانسی کا حکم دینے سے زیادہ اور میرا کیا کر سکتا تھا جس قدر سزائیں اس کے اختیار میں تھیں سب دے چکا تھا۔ لیکن اس وقت میرے منہ سے یہ الہامی فقرہ ایسا نکلا تھا کہ میں تو اس وقت تک زندہ موجود ہوں مگر وہ اس حکم دینے کے تھوڑے عرصہ

کے بعد ناگہانی موت سے راہی ملک عدم ہوا۔ مجھ کو اپنی اُس وقت کی کیفیت خوب یاد ہے کہ میں اس حکم پھانسی کو سنکر ایسا خوش ہوا تھا کہ شاید ہفت اقلیم کی سلطنت ملنے سے بھی اس قدر مسرور نہ ہوتا اس حکم کے سننے سے میری وہ کیفیت ہوئی کہ گویا جنت فردوس اور حوریں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگ گئیں تھیں۔

میرے بعد مولوی یحییٰ علی صاحب اور ان کے بعد محمد شفیع اور ان کے بعد نمبر وار سب آدمیوں کو حکم سزا کا سنا دیا گیا جن میں میں اور مولوی یحییٰ علی صاحب اور حاجی محمد شفیع تین آدمیوں کے واسطے پھانسی وغیرہ حسب مذکورہ بالا اور باقی آٹھ مجرموں کو دائم الحبس بعبور دریائے شور معہ ضبطی کل جائداد کے سزا ملی۔ میں نے مولوی یحییٰ علی صاحب کو بھی نہایت بشاش پایا لیکن محمد شفیع کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا تاہم انہوں نے بھی اپنی طبیعت کو بہت تھاما۔ اس دن پولیس والے اور تماشہ بین مرد عورت بکثرت حاضر تھے قریب تمام کے احاطہ کچہری ضلع انبالہ کا خلقت سے بھرا ہوا تھا حکم سنا کر اس کا چپ ہونا تھا کہ صدہا مسلح اہل پولیس زیر حکم کپتان پارسن صاحب میرے نزدیک آکر کہنے لگا کہ تم کو پھانسی کا حکم ملا ہے تم کو رونا چاہیئے تم کس واسطے اتنا بشاش ہے میں نے چلتے چلتے اس کو بولا کر شہادت کی امید پر جو سب سے بڑی نعمت ہے اور تم اس کو کیا جانو۔

اس مقام پر یہ بات بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ پارسن صاحب بھی ایڈورڈ صاحب سے بڑھ کر متعصب تھا اور اس مقدمہ میں شروع سے اس نے ہم لوگوں پر بہت ظلم کیا تھا کہ جس کی تفصیل یہ قلم بھی نہیں کر سکتی مگر خداوند تعالےٰ

منتقم حقیقی تو موجود تھا گو اس کے کام دیر اور سہولیت سے ہوتے ہیں۔ ہم کو سزا ہو کر تھوڑے دن گزرے تھے کہ یہ بے خوف بھی دنیا ہی میں پاگل ہو کر راہی ملک عدم ہوا۔

اس دن تماشائین لوگ ہماری پھانسی کا حکم سن کر اکثر زار زار روتے تھے کوئی خدا کی مرضی اور رضا بقضا سے اپنے رنج کو روکتا تھا کوئی دم بخود ساکت ہو کر ہم کو دیکھ رہا تھا۔ جیل خانہ تک بیسیوں مرد عورت اردگرد سڑک کے ہمارا منہ دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ اسی حالت کے اندر پولیس ہم کو جیل خانہ میں لے گئی اور ہم سب کو گیروا لباس پہنا دیا ہم تین پھانسی والوں کو علیحدہ علیحدہ تین پھانسی گھروں میں بند کر دیا، باقی آٹھ آدمیوں کو جیل خانہ میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ ملا دیا۔

۲۰ر مئی کی رات کو جب ہم ان تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں جو نواب سراج الدولہ[1] کے بلیک ہول قلعہ کلکتہ سے بھی بڑھی ہوئی تھیں بند ہوئے تو پہلی

---

[1] نواب علی وردی خان ناظم بنگالہ کے انتقال کے بعد ار اپریل ۱۷۵۶ء کو اس کا نواسا نواب سراج الدولہ پسر نواب زین الدین خان بنگال و بہار کی حکومت پر مسند نشین ہوا انگریزوں کی سرگرمیوں کو اس نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور ان کی روک تھام کی آخر انگریزوں سے مقابلہ ہوا جنگ پلاسی میں انگریز کامیاب ہوئے سراج الدولہ نے راہ فرار اختیار کی۔ اس جنگ کی کامیابی سے برصغیر ہند پاکستان میں انگریزوں کے سیاسی غلبہ اور اقتدار کی بنیاد جما دی انگریزوں اور میر جعفر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہی رات کو ایک جہنم کا نمونہ ہو گیا۔ اس کی صبح کو ہم نے اہالیان جیل خانہ سے اپنی یہ تکلیف بیان کر کے چاہا کہ کسی طرح ہم کو بوقت شب اُن کوٹھڑیوں سے باہر رکھا جاوے۔ مگر سب اہالی جیل خانہ مارے ڈر کے انکار کر کے باہر چلے گئے۔ لیکن ان کا انکار کر کے جیل خانہ سے باہر نکلنا تھا کہ سامنے سے ایک سوار تار گھر سے ایک لفافہ ضروری لے کر پہنچا لفافہ کھول کر جو دیکھا تو اس میں یہی لکھا تھا کہ اُن تینوں پھانسی والوں کو بوقت شب میدان میں باہر سلایا کرو یہ طرفہ تماشا تائیدِ الٰہی کا دیکھ کر اسی دم جیل خانہ والوں نے ہم کو یہ حکم سنا دیا ہمارے واسطے بڑے اہتمام سے تین نئی پھانسیاں اور اس کے ریشمی رستے تیار ہوئے اور ادھر مسل مقدمہ کو واسطے منظوری پھانسی کے محکمہ چیف کورٹ پنجاب میں بھیج دیا۔

چیف کورٹ میں اپیل

ہمارے دونوں وکیل بھی کچھ زائد محنتانہ لے کر معہ مولوی محمد حسین صاحب

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) سے پہلے ہی سے ساز باز تھی لہٰذا میر جعفر کو مسند نشین کیا گیا سراج الدولہ راج محل سے گرفتار ہو کر مرشد آباد آیا اور میر محمد صادق خلف میر جعفر کے حکم سے قتل کیا گیا۔ بلیک ہول کا واقعہ انگریزوں کا فرضی افسانہ ہے اسکی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ سراج الدولہ کے لئے دیکھئے۔

(۱) تواریخ ڈھاکہ ص ۷۹، ۱۱۱

(۲) تاریخ جدید صوبہ اڑیسہ و بہار ص ۳۸۵، ۳۸۱

(۳) علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد اول ص ۱۰۲، ۱

مولوی مبارک علی صاحب و محمد سعید میرا بھائی و عبد الرحمٰن پسر محمد شفیع کے چیف کورٹ میں پہنچے اور میجر ونکفیل صاحب وغیرہ سرکاری وکلار اور پیروکار بھی سب سے پہلے حاضر ہوئے ادھر جیل میں نقل حکم منگوا کر میں نے بھی ایک اپیل خوب مدلل لکھ کر معرفت سپرنٹنڈنٹ جیل کے چیف کورٹ کو روانہ کردیا۔

محکمہ چیف کورٹ میں بھی چند اجلاسوں میں بڑی دھوم دھام کے ساتھ یہ مقدمہ پیش ہوا اور وہاں بھی مسٹر پلوڈن ہمارے وکیل نے بڑے دلائل سے باطور تمام کہا کہ زیر دفعہ ۱۲۱ یہ لوگ ہرگز قید نہیں ہو سکتے۔ اس دفعہ کے رو سے ان کو قید کرنا سراسر خلاف قانون ہے کوئی دوسری دفعہ ان پر قائم کرو مسٹر رابرٹ کسٹ صاحب نے جو اس زمانہ میں جوڈیشنل کمشنر تھے۔ اس قانونی دلیل وکیل کو برسرِ اجلاس تسلیم کرلیا لیکن وہاں بھی مشورہ کرنے کے واسطے چند روز کا التوا کیا گیا۔ اس کے بیچ میں اخبار والوں نے اپنی اپنی رائے لگادی کہ یہ لوگ رہا ہو چکے فقط حکم سنانا باقی رہ گیا ہے۔ ہمارے گھر والوں کو تو ہماری رہائی پر اس قدر یقین ہوگیا تھا کہ ہمارے گھر سے ایک نیا جوڑا کپڑوں کا بھی تیار ہو کر آگیا تھا کہ بروز رہائی میں اس کو پہن کر گھر آؤں گا۔ چیف کورٹ کا التوا بہت لمبا ہوا۔ غالباً ولایت تک کی رلئے ہم کو خلاف قانون قید کرنے پر لی گئی۔

۲ مئی تاریخ سنانے حکم پھانسی سے ۱۶ ستمبر تک ہم پھانسی گھروں میں بند رہے اہالیانِ جیل ہمارے پھانسی دینے کا سامان تیار کر رہے تھے اور ادھر ہم انگریزوں کا تماشا بن رہے تھے۔ صدہا صاحب لوگ اور میم روزانہ ہمارے دیکھنے کو پھانسی گھروں میں آتے تھے۔ مگر بخلاف دوسرے عام پھانسی والوں کے ہم کو نہایت شاد و

فرحاں پاکر یہ یورپین زدارین بہت تعجب کرتے اکثر ہم کو پوچھتے تھے کہ تم کو بہت جلد پھانسی ہوگی تم خوشی کس واسطے کرتے ہو ہم اس کے جواب میں صرف اسی قدر کہہ دیتے کہ ہمارے مذہب میں خدا کی راہ میں ایسے ظلم سے مارے جانے پر درجہ شہادت کا ملتا ہے اس واسطے ہم کو خوشی ہے۔

شان الٰہی سے ہم پھانسی گھروں میں ہی تھے کہ بقر عید آگئی ہم کو خیال ہوا کہ آج مسلمان خوب قربانی کا گوشت اڑاتے ہوں گے اس خیال کے تھوڑی دیر بعد بوقت شب پلاؤ اور قورما اور قلیہ اور کباب وغیرہ بقر عید کے کھانے سب ہمارے واسطے اسی پھانسی گھر میں غیب سے موجود ہو گئے۔ ہم نے خوب سیر ہو کر کھایا اور شکر الٰہی ادا کیا۔

ایک دن رات کو اسی پھانسی گھر میں ہم تینوں[1] آدمی ایک جگہ بیٹھے ہوئے باتیں کرتے تھے کہ اس وقت ہمارے سب محافظ آپس میں صلاح کر کے ہم سے کہنے لگے کہ تم تینوں آدمی اس وقت اندھیری رات میں بھاگ جاؤ ہم کو بجرم غفلت کچھ قید وغیرہ کی سزا ہو جائے گی سو ہم اس کو بھگت لے ویں گے لیکن تمہاری تو جان بچ جاوے گی ہم لوگوں نے یہ بات سن کر ان کی ہمت اور نیت خیر کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ خداوند کریم دونوں جہان میں اس نیک نیتی کا اجر تم کو دیوے مگر ہم نہیں بھاگیں گے جب خدا چھوڑا دے گا آپ سے آپ چھوٹ جاویں گے اور میں نے یہ بھی کہا کہ جب اس کی مرضی نہ تھی تو بھاگا ہوا۔ میں علی گڑھ سے پکڑا ہوا آگیا۔ اب ہم

---

[1] تینوں آدمیوں سے مراد مولوی یحییٰ علی، مولوی محمد جعفر اور محمد شفیع انبالوی مراد ہیں۔

سے ایسی حرکت دوبارہ نہ ہوگی۔بقول شاعر ۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
مے بُرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

قاضی میاں جان کا انتقال

جب ہم پھانسی گھروں میں قید تھے تو قاضی میاں جان صاحب بیمار ہو کر ہسپتال میں گئے۔ مگر ہسپتال سے بھی اکثر ہماری ملاقات کے واسطے پھانسی گھروں میں آیا کرتے تھے۔ اپنے مرنے کے وقت ایک دو دن پہلے انہوں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک تخت جوہر نگار آسمان سے اترا اور اُن کو اس پر بیٹھا کر آسمان پر لے گیا۔ اس کے دوسرے دن ان کی وفات ہوگئی اور تعبیر خواب وہی تھی کہ وہ تخت فردوس سے ان کے لینے کے واسطے آیا تھا اور لے گیا۔ یہ بزرگ ہم لوگوں میں سب سے زیادہ سن تھے۔ مگر بایں ہمہ بڑے صابر اور مستقل مزاج تھے خداوند کریم انکو جنت نصیب کرے۔ ہمارے ہمراہیوں نے ان کو غسل اور کفن دیکر اور ان کی نماز جنازہ پڑھ کر گورستان جیل میں اُن کو دفن کرادیا۔

محمد جعفر کی والدہ کا انتقال

جب ہم پھانسی گھروں میں بند تھے انہیں ایام میں ایک رات کو بمقام تھانیسر میری والدہ کو ایک سانپ نے کاٹا اس کے زہر سے ان کا انتقال ہوگیا۔ سنا ہے کہ وہ بھی بہت استقلال سے جاں بحق تسلیم ہوئیں۔ بہت لوگوں نے کچھ مشرک چھاڑ

پھوٹ نکلنے والوں کو بلاکر ان کی صحت کے واسطے کچھ رسومات شرک کرنا چاہا تھا۔ مگر انہوں نے فرمایا کہ میرے گھر سے شرک بدعت مدت سے اٹھ گیا ہے۔ اب میں اپنے بیٹے کی غیر حاضری میں اپنے گھر میں شرک نہ ہونے دوں گی۔ ایسی بے ایمانی کی حیات سے موت افضل ہے۔

جب ان کے مرنے کی خبر ہم کو پھانسی گھر میں پہنچی تو مولوی یحییٰ علی صاحب نے مراقبہ میں اسی رات کو دیکھا کہ وہ بڑی شان وشوکت سے جنت میں ایک تخت پر بیٹھی ہیں۔ مولوی صاحب نے ان سے پوچھا کہ یہ مرتبہ عالی آپ کو کس سبب سے ملا۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے بیٹے کی مصائب پر صبر کرنے کے سبب سے مجھ کو میرے رب نے بخش دیا اور یہ درجہ عنایت کیا اس وقت ان کی وفات بھی ایک امتحان پر امتحان تھا کہ جان ومال آبرو ہر شے کی پوری پوری جانچ کی جاوے۔

کالے پانی کی سزا

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی (محمد علی جوہر)

ایک یہ بات بھی اس مقام پر قابل تذکرہ ہے کہ جس زمانہ میں ہم لوگ پھانسی گھروں میں قید تھے۔ انہیں ایام میں ایک مقبول بارگاہ الٰہی پر اللہ رب العزت نے یہ منکشف کرا دیا تھا کہ ہم لوگوں کو پھانسی نہ ہوگی۔ مگر کالے پانی کو جانا ہوگا اور میں وہاں سے پھر زندہ باعزت واپس آؤں گا۔ ہماری پھانسی کی موقوفی کا حکم اس پیشینگوئی کے کوئی دو ماہ بعد ہوا۔ مگر ہم لوگوں میں اس پیشینگوئی سے پورا

پورا یقین موقوفی پھانسی اور کالے پانی جانے کا ہوگیا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے بھائی اور بعض دوستوں کو اسی وقت اس خوشخبری کی اطلاع بھی لکھدی تھی مگر اس وقت کہ جب ساری سلطنت انگریزی باتفاق ہمارے پھانسی دینے پر مستعد تھی اور ظاہراً کوئی صورت موقوفی پھانسی کی نظر نہ آتی تھی۔ شاید کسی کو اس پیشینگوئی کا یقین نہ ہوا ہو کیونکہ وہ ایک ایسا وقت تھا کہ اگر کوئی شخص ہمارے واسطے ذرا بھی کلمہ خیر کہتا تو قید ہو جاتا تھا بیسیوں آدمی ہمارے شہر کے فقط اسی قسم کے قصوروں میں قید ہو گئے تھے کہ ان کے پاس سے کوئی ایک میرا اسباب نکل آیا بعد ضبطی ونیلام میرے مکانات کے میرے بال بچوں کو کسی نے اپنے گھر میں رہنے کو جگہ دے دی اس وقت اگر شاہ روم بھی میری سفارش انگریزوں سے کرتا تو بھی منظور نہ کرتے۔ ایسے حالات میں موقوفی پھانسی محض غیر ممکن اور بعید از قیاس تھی۔

اب اس مقلب القلوب کی ظاہری کارروائی کو سنیئے۔ جب بہت سے صاحب اور میم ہم کو پھانسی گھروں میں نہایت شاداں اور فرحاں دیکھ گئے تو یہ چرچا سب صاحب لوگوں میں پھیلا تب ان صاحب لوگوں نے جو ہمارے جانی دشمن تھے یہ خیال کیا کہ ایسے دشمنوں کو منہ مانگی موت شہادت جس کے واسطے وہ ایسا خوش ہو رہے ہیں۔ دینی نہیں چاہیئے بلکہ ان کو کالے پانی بھیج کر وہاں کی مصائب اور سختیوں سے ہلاک کرانا چاہیئے۔

ہم نے دیکھا کہ مطابق اسی ہماری پیشینگوئی کے صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ ۱۶ ستمبر کو پھانسی گھروں میں تشریف لائے اور چیف کورٹ کا حکم ہم کو پڑھ کر

سنا دیا کہ تم لوگ پھانسی پڑنے کو بہت دوست رکھتے ہو اور شہادت سمجھتے ہو اس واسطے سرکار تمہاری دل چاہتی سزا تم کو نہیں دیوے گی۔ تمہاری پھانسی سوائے دائم الحبس بعبور دریائے شور سے بدل گئی۔

بمجرد سنانے اس حکم کے ہم کو پھانسی گھروں سے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بارکوں میں ملا دیا اور جیل خانہ کے دستور کے موافق مقراض سے ہماری ڈاڑھی مونچھ اور سر کے بال وغیرہ سب تراش کر منڈی بھیڑ سا بنا دیا اس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی یحییٰ علی صاحب اپنی ڈاڑھی کے کترے ہوئے بالوں کو اٹھا اٹھا کر کہتے تھے کہ افسوس نہ کر تو خدا کی راہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی۔

لطیفہ

ایک تماشہ قدرت الٰہی کا اور بھی قابل ذکر کرنے کے ہے اور وہ یہ ہے کہ بوجہ میرے بھاری مجرم ہونے کے میرے واسطے ایک ریشمی رسہ اور پھانسی کی لکڑی خاص طور پر نہایت مضبوط تیار ہوئی تھی۔ مگر زبردستی تقدیر سے میری پھانسی تو موقوف ہو گئی اسی اثنا میں بجرم قتل ایک خاص ولایت کے انگلش مین گورہ کو پھانسی کا حکم ملا۔ اور وہ سب سامان پھانسی جو میرے واسطے تیار ہوا تھا۔ اس بے چارے یورپین ہم قوم کے نصیب ہوا چاہ کن را چاہ درپیش جو رسہ بڑے اہتمام سے میرے گلے میں ڈالنے کے واسطے تیار ہوا تھا اس قادر مطلق مقلب القلوب نے ایک ذات بھائی کے گلے میں ڈلوا دیا اور مجھ کو صاف بچا لیا۔ اس وقوعہ عجیبہ کے بعد لوگ اس اسرار الٰہی کو ایک بڑی آیات الٰہی سے سمجھتے تھے۔ اسی سبب

سے بعد پھانسی اس گورہ کے دو رسہ بھی ٹکڑے ہو کر تبرکاً لوگوں میں تقسیم ہو گیا۔

جیل کی مشقت

بعد سنانے حکم پھانسی کے جب دوسری فجر کو ہم تینوں آدمی بھی دوسرے قیدیوں کے ساتھ مشقت میں بھیجے گئے تو نبی بخش داروغہ جیل اور رحیم بخش نائب داروغہ اور دوسرے سب دیسی افسر گو ہمارے عنایت فرما تھے مگر بوجہ خوف صاحب سپرنٹنڈنٹ جیل کے ہم تینوں آدمیوں کو کاغذ کوٹنے کی ڈھینکلی کے کام میں جو اس جیل میں سب سے زیادہ سخت کام ہے دیدیا[۱]۔ تھوڑی دیر تک جب ہم نے اس کو پاؤں سے ہلایا تو پاؤں شل ہو گئے۔ مگر اسی وقت ڈاکٹر بٹسن صاحب عرف ریلو سپرنٹنڈنٹ جیل کے کاغذ گھر میں تشریف لائے تو ہم کو ڈھینکلی کے سخت کام میں دیکھ کر داروغہ پر بہت خفا ہوئے اور ہم کو اس سخت کام سے نکال کر محمد شفیع اور مولوی یحییٰ علی صاحب کو تو سوت کھولنے کے کام میں لگا دیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو ایک ناند کے پاس جس میں کاغذ پھاڑ کر بھگوتے تھے لے گئے اور مجھ سے فرمایا کہ یہ دفتر کی ردی ہے غالباً تمہارے ہاتھ کے لکھے ہوئے کاغذ بھی اس میں ضرور ہوں گے تم اپنا دل بہلانے کو ان کاغذات کو

---

[۱] تذکرہ صادقہ میں ہے کہ مولانا یحییٰ علی رہٹ چلانے کے کام پر لگائے گئے تھے اور تمازت آفتاب میں یہ کام کرتے کرتے آپ کے پیشاب میں خون آنے لگا تھا۔ (تذکرہ صادقہ ص ۷۴)

پڑھتے بھی رہو اور ردی کو پھاڑ کر اس ناؤ میں ڈالتے جاؤ۔ فضل الٰہی سے میری مشقت بھی دل لگی اور تفریح طبع سے خالی نہ تھی اور ہمارے دوسرے ساتھی بھی تائید الٰہی سے کسی سخت کام میں نہ تھے ہم دن بھر کام کر کے رات کو سب کے سب ایک جگہ بارک میں جا کر سو رہتے۔

جب ہم جیل میں گئے تو قیدیوں کو صرف روٹی اور دال اور ہفتے میں دو یا تین دن ترکاری تیل سے بھگاری ہوئی ملا کرتی تھی گھی اور گوشت یا دودھ دہی کبھی کسی قیدی نے ابتدائے عملداری سرکار سے خواب میں بھی نہ دیکھی ہو گی۔ اب تائید الٰہی کا کارنامہ سنئیے ہمارا جیل میں داخل ہونا تھا کہ بحکم انسپکٹر جنرل مجلس پنجاب کل قیدیان پنجاب کو عمدہ گوشت اور گھی اور دہی ملنے لگی ان نعمائے غیر مترقبہ کو دیکھ کر سب قیدی ہم کو دعائیں دیا کرتے تھے کہ تمہارے سبب سے ہم نے بھی یہ نعمتیں کھائیں مگر طرفہ یہ کہ جب تک ہم لوگ جیل ہائے پنجاب میں رہے تب تک یہ چیزیں سب جیل خانوں میں برابر ملتی رہیں مگر ہمارا کالے پانی کو روانہ ہونا تھا کہ پھر وہ چیزیں ایک قلم بند ہو گئیں۔ بلکہ بجائے گیہوں کی روٹی کے ہمارے جانے کے بعد جوار باجرے کی روٹیاں بیچارے قیدیوں کو ملنے لگیں۔

ہم جیل انبالہ ہی میں تھے کہ وبائی بخار مع سرسام بڑے زور شور سے قیدیوں میں پھیلا کوئی چہارم قیدی اسی مرض سے فوت ہو گئے اور یہ کیفیت تھی کہ ادھر بخار آیا ادھر سرسام ہوا اور چٹ سے مر گیا۔ مہینے دو دو مہینے کی میعاد والے قیدی بھی بہت مر گئے۔ جیل کے باہر خیمے کھڑے کر کے قیدیوں کو وہاں لے گئے۔ مگر حضرت بخار وہاں بھی ساتھ رہے۔

بیماری

یہ خاکسار بھی اس وبار عام سے نہ بچا اور سخت بیمار ہو کر شفا خانہ جیل میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر بٹسن صاحب بہت توجہ دلی سے میرا علاج کرتے تھے لیکن بخار کو ذرہ بھی افاقہ نہ ہوا گو سرسام کی نوبت نہ پہنچی تھی مگر میں بے آب و دانہ چند روز تک بے ہوش پڑا رہا۔ انگریزی دوائیں ذرہ بھی مجھ پر اثر نہ کرتی تھیں۔ لاچار ہو کر ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں اس مرض کے واسطے کیا دوا کھاتے تھے میں نے کہا ہندوستانی دوائیں کھاتا تھا اور ایسے مرض میں میں نے انگریزی دوا کبھی نہیں کھائی غالباً اس سبب سے ان کا کچھ اثر مجھ پر نہیں ہوتا تب انہوں نے فرمایا کہ ان دوائیوں کا نام بھی تم کو معلوم ہے میں نے کہا مجھ کو معلوم ہے تب انہوں نے کہا اچھا وہ دوائیں ایک کاغذ پر ہم کو لکھ دو ہم بازار سے تمہارے واسطے منگوا دیویں گے۔ تب میں نے مربہ سیب و مربہ ہی و شربت انار و شربت بنفشہ و نیلوفر و ورق نقرہ وغیرہ عمدہ عمدہ مزیدار و مفرح دوائیاں ایک کاغذ پر لکھ دیں انہوں نے اسی وقت وہ سب بازار سے منگوا کر میرے حوالہ کردیں۔

مارے بیماری کے زبان کا مزہ تو بگڑا ہوا تھا میں نے ان کو یکے بعد دیگرے کھانا شروع کیا۔ بخار تو قسم محرقہ سے تھا ان شربتوں کے استعمال سے دوسرے دن دفع ہو گیا اور مربوں اور اوراق نقرہ سے بدن اور معدہ میں بھی طاقت اور قوت آگئی ڈاکٹر صاحب نے جب دوسرے دن مجھ کو تندرست پایا تو

بہت خوش ہوئے اور قوت کے واسطے شوربا گوشت اور دودھ میرے واسطے مقرر کر دیا۔

مجھ کو اس مقام پر اس دولتِ دنیا اور حشم وجاہ کی ناپائداری اور حالت سیمابی اور ہرجائی کا تھوڑا سا ذکر کرنے کا بھی موقع ملا ہے اور اس کی کیفیت مختصر اس طرح پر ہے کہ ۱۲ تاریخ دسمبر کو اپنی خانہ تلاشی سے تھوڑی دیر پہلے تک میں ہزاروں روپیہ کی جائداد منقولہ پر قابض تھا بیسیوں آدمی میری رعیت رہتے تھے ایسے بڑے شہر کا نمبر دار گھوڑے اور گاڑیوں میں سوار ہوا پھرتا تھا ہر کام کے میرے گھر میں نوکر چاکر تھے یا اس کے چند گھنٹہ پیچھے جب بعد تلاشی میں فرار ہو گیا تو وہ سب جاہ وحشم خاک میں مل گیا بوجہ میرے فرار یا زیادہ غصہ کے انگریزوں نے قبل از صدور حکم آخیر مقدمہ کے میری کل جائیداد پہلے ہی دن قرق کر لی تھی۔ دوسرے دن خود میرے عزیزوں کو کوئی اپنے برآمدہ میں بھی کھڑا نہ ہونے دیتا تھا ایک ہی رات میں وہ سب مال دوسروں کا ہو گیا۔

میرے وارثوں کو اس قدر موقع بھی نہ ملا کہ کوئی جائداد قبل از قرقی علیحدہ کر لیویں اور بعد صدور حکم ضبطی کے جب میرے بھائی نے جو اس کا وارث تھا اپنے حصہ کا دعویٰ کیا تو اس کو بھی فقط ایک کوٹھری دے کر کل جائداد منقولہ غیر منقولہ ضبط کر کے نیلام کر دی۔ میں نے بنظرِ دوراندیشی اپنے حصہ کی کل جائداد کو اپنی بیوی کے مہر میں مکفول کر کے ایک بیعنامہ شرعی اس حادثہ سے سات برس پہلے بروز نکاح اپنی بیوی کے نام لکھ دیا تھا وہ بیعنامہ بھی پیش ہوا مگر مارے غصے اور تعصب کے کسی نے بھی نہ سنا اور میری بیوی

کو معہ دو نابالغ شیر خوار بچوں کے ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دیا۔

بعد تبدیلی حکم پھانسی ہم ستمبر ۱۸۶۴ء سے فروری ۱۸۶۵ء تک جیل انبالہ میں رہے۔ اکثر اوقات محمد شفیع کے گھر سے بہت سا کھانا عمدہ عمدہ قسم کا ہمارے واسطے آیا کرتا تھا اور ہم لوگ اس کو جیل میں نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر بڑے مزے سے کھایا کرتے اور شکر الہٰی بجا لاتے یہاں تک اپنی تعریف لکھ کر میرا نفس بہت پھول گیا ہے اور اکثر مقامات پر اپنی تعریف میں مبالغہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا اس کے دو عیب بھی یہاں تحریر کر دوں تاکہ اس موذی خود پسند کو ذرا ذلت اور پھر مجھ کو مبالغہ کرنے کی ترغیب نہ دے۔

مولوی محمد جعفر کی صاف گوئی

وہ یہ ہے کہ ایک دن رات کو جب ہم ایک مقفل بارک میں سوتے تھے ایک سپاہی محمد شفیع کے گھر سے پلاؤ لے کر آیا۔ ایک جنگلے کے راہ سے وہ پلاؤ لینے کو میں گیا۔ پلاؤ لیتے وقت میرے اس نفس سے نہ رہا گیا ایک بڑی بوٹی پلاؤ کی اٹھا کر منہ میں ڈال لی اور تھوڑا سا چبا کر جھٹ پٹ اس کو نگل لینا چاہا وہ مال مسروقہ حلق میں کیسے اترے حلق میں جا کر اڑ گئی نہ نیچے جاتی تھی نہ اوپر آتی تھی میرا دم بند ہو گیا۔ میں لڑکھڑا کر گر پڑا وہ نفس کا عیب ہمارے سب ساتھیوں پر ظاہر ہو گیا۔ جب میرا گلا ملا گیا تو وہ بوٹی بجنسہٖ باہر نکل آئی میں نے اپنی جان بری اور مال مشتبہ کے حلق سے نیچے نہ جانے پر شکر الٰہی کیا گو محمد شفیع سے ہمارا معاملہ واحد تھا اور اس کی معناً اجازت بھی ہر طرح سے ہم

کو حاصل تھی مگر تو بھی یہ حرکت طفلانہ اور نہایت نازیبا تھی۔ مگر حمد ہے اللہ کا کہ اس نے نفس موذی کو بھی ذلت دلائی کہ اب تک اس کو یاد ہے اور مجھ کو اس مال مشتبہ یا مسروقہ کے کھانے سے محفوظ رکھا۔

ایک اس سے بڑھ کر اپنے نفس کی شرارت کا حال اور سناتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایک دس روپیہ کا نوٹ جیل انبالہ میں بذریعہ ڈاک منشی عبدالغفور خان ہمارے ایک ساتھی کے گھر سے بذریعہ میرے بھائی کے میرے پاس آیا تھا اس وقت میرے بھائی کو جیل کے باہر کچھ روپیہ کی ضرورت تھی میں نے منشی عبدالغفور سے اس کے آنے کی اطلاع نہیں کی اور باہر سے اپنے بھائی کو وہ نوٹ دلا دیا اور اس نے اپنے کام میں اس کو خرچ کر لیا۔ جب منشی عبدالغفور خان کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے میری کچھ شکایت تو نہ کی کیونکہ وہ میرے گھر میں برسوں تک رہے تھے اور مجھ کو اپنا بزرگ جانتے تھے اور اسی بھروسے پر میرے نفس نے یہ جرأت بھی کی تھی تاہم دوسرے لوگوں نے مجھ پر بہت طعن لعن کی اس وقت یہ حالت نہ تھی کہ دس روپیہ ان کو پھر دیدوں لیکن بعد پہنچنے پورٹ بلیر کے جب میرے ہاتھ میں روپیہ آیا تو میں نے وہ دس روپیہ بذریعہ نوٹ ان کو جیل لاہور میں بھیج دیئے۔

اب بعد اظہار ان ہر دو عیب اپنے نفس کے میں اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ مجھ کو معاف فرما دے اور میدان محشر میں نیکوں کے سامنے مجھ ذلیل نہ کرے۔

مولوی احمد اللہ کی گرفتاری

جس زمانہ میں ہمارا اپیل چیف کورٹ پنجاب میں دائر تھا اس وقت ہمارے وکیل پلوڈن صاحب نے ہم کو یہ خبر دی تھی کہ انگریزوں کا یہ ارادہ ہے کہ اگر عندالاپیل ہم لوگ چیف کورٹ پنجاب سے رہا ہو جاویں تو خیر ہے ورنہ بعد نامنظوری ہمارے اپیل کے یہ لوگ مولوی احمد اللہ صاحب کو بھی قید کریں گے۔ چنانچہ بعد نامنظوری اپیل کے مولوی احمد اللہ صاحب کے اوپر منجملہ ہم گیارہ نفس سزا یافتہ کے جھوٹے گواہ سکھلا پڑھا کر بنانے شروع ہوئے۔

میر مجیب الدین تحصیلدار ساکن نارنول جو کسی قصور رشوت ستانی میں جیل انبالہ میں قید تھا اور بظاہر ہم لوگوں سے بڑے اخلاق سے پیش آتا تھا اس کو انگریزوں نے وعدہ دیا کہ اگر تم بہکا سکھلا کر ان میں سے کسی آدمی کو مولوی احمد اللہ صاحب کے اوپر گواہ بنا دو تو تم کو رہا کر کے پھر تحصیلدار کر دیں گے۔ چنانچہ اپنی دنیوی بھلائی کی امید پر اس شخص نے اپنی کارروائی شروع کی مگر جب ہمارے کان میں اس کے بہکانے اور گواہ بنانے کی خبر پہنچ جاتی تھی تو ہم اپنے ساتھیوں کو یہ کہہ کر کہ بھائیو! ہماری دنیا تو خراب ہو گئی ہے اب فقط دین باقی رہ گیا ہے جھوٹے گواہ بن کر اس کو نہ بگاڑو۔ کہیں تمہاری وہ مثل نہ ہو جاوے "دونوں طرف سے گئے پانڈے ادھر حلوا نہ ادھر مانڈے"۔ جس قدر دن بھر وہ گواہ بنانے کی ترغیب دیتا تھا اس کا اثر ہماری تھوڑی سی دیر کی نصیحت سے پھر رفع ہو جاتا تھا۔

اس مخبر نے صاحب لوگوں سے کہا کہ جب تک محمد جعفر اور مولوی یحییٰ علی صاحب اس جیل میں ہیں تب تک کوئی گواہ نہیں بن سکتا۔ اس واسطے ۲۴ فروری ۱۸۶۵ء کو مجھ کو اور مولوی صاحب اور میاں عبدالغفار کو سینٹرل جیل لاہور کو روانہ کر دیا اور محمد شفیع و عبدالکریم و الٰہی بخش و منشی عبدالغفور وغیرہ کو جیل انبالہ میں رکھ لیا۔ پس ہمارا اس جیل سے روانہ ہونا تھا کہ محمد شفیع و عبدالکریم وغیرہ گواہ سرکاری ہو گئے[1] اور ان کی شہادت پر اولیا، وقت شمس الاسلام مولوی احمد اللہ صاحب بماہ مئی ۱۸۶۵ء دائم الحبس بعبور دریائے شور معہ ضبطی جائداد کے سزایاب ہو کر ہم سے پہلے جون کے مہینے میں داخل انڈمان ہو گئے[2]

بملاحظہ مثل مقدمہ اور دلائل ثبوت جرم نسبت محمد شفیع واضح ہو گا کہ اول محمد شفیع کو کس غیظ اور غضب سے پھانسی کا حکم دے کر اس کی پچاس لاکھ کی جائداد ضبط کی تھی اور پھر صرف ایک برس بعد گواہی کا حیلہ کر کے اس کو رہا کر دیا تاکہ جائداد منضبطہ

---

[1] مقدمہ انبالہ کے گیارہ ملزمین میں سے پانچ افراد (۱) مولوی یحییٰ علی (۲) مولوی عبدالرحیم (۳) مولوی محمد جعفر (۴) میاں عبدالغفار اور (۵) قاضی میاں جان ثابت قدم رہے اور بقیہ چھ افراد (۶) محمد شفیع (۷) عبدالکریم (۸) عبدالغفور (۹) حسینی تھانیسری (۱۰) حسینی عظیم آبادی (۱۱) الٰہی بخش سرکاری گواہ بن گئے۔ گواہوں اور گواہی کی کیفیت کے متعلق ملاحظہ ہو سرگزشت مجاہدین ص ۳۹۱-۳۹۲، ۴۰۱

[2] مولوی احمد اللہ، مقدمہ سازش، پٹنہ ۱۸۶۵ء میں ماخوذ ہوئے۔

واپس نہ دینی پڑے اگر وہ بے چارہ جیسے اس کی ایک برس بعد کی رہائی سے ظاہر ہوا ہے بے قصور تھا تو پہلے اس شد و مد سے اس کی پچاس لاکھ کی جائداد ضبط کر کے اس کو پھانسی کا حکم کیوں دیا تھا اور اگر دراصل وہ بھاری قصوروار تھا اور صاحب سشن جج کی سب دلائل مندرجہ فیصلہ صحیح ہیں تو اس کو ایک برس بعد کس واسطے رہائی کر دی۔

اس کے بعد ۱۸۷۱ء تک جو جو مقدمات گرفتاری وہابیان مثل مقدمہ امیر خان صاحب سوداگر چرم و مولوی تبارک علی صاحب و مولوی امیرالدین صاحب ساکن پٹنہ ملک بنگال و ابراہیم منڈل ساکن اسلام پور ہوتے رہے تو بھی معمولی گواہ یا گوئندہ جھوٹی گواہی دینے کو بلائے جاتے تھے اور میں نے خود ان میں سے ایک گواہ کی زبانی سنا ہے کہ جب کبھی خلاف گواہی دینے سے ہم نے انکار بھی کیا تو ہم کو یہ کہا گیا کہ تم لوگ شرطیہ طور پر فقط اسی گواہی دینے کے واسطے بطور گوئندہ رہا کیے گئے ہو اگر تم گواہی نہ دوگے تو پھر تم کو دائم الحبس کر کے پہلے ہی وارنٹ پر کالے پانی کو بھیج دیا جاوے گا۔

مولوی محمد جعفر کی اہل و عیال سے ملاقات

جب میں انبالہ جیل سے لاہور جانے کو تیار ہوا تو میری بیوی بچے بھی میری ملاقات کو جیل پر آئے تھے۔ جس دن میری ملاقات ان لوگوں سے ہوئی ماہ رمضان تھا اور میں روزے سے تھا جیل کے باہر ایک کوٹھری میں بہت دیر تک میری ان کی بات چیت رہی۔ میرا گیروا لباس اور کمبل کا کرتہ اور پاؤں میں بیڑی دیکھ کر میرے

اقربا بہت متعجب اور غمگین ہوئے مگر میں نے ان کی بہت تسلی کی اور ایمان اور صبر کا مضمون ان کو سمجھایا اسی دن کوئی سوا برس کے بعد میں نے اپنے بیٹے محمد صادق کو بھی دیکھا تھا وہ ایسا بڑھ گیا تھا کہ میں نے مشکل سے اس کو پہچانا تھا۔ یہ گویا اس سے میری آخری ملاقات تھی پھر دوبارہ میں نے اس کو اس دنیا میں نہیں دیکھا۔

لاہور جیل کو روانگی

۲۴ر فروری ۱۸۶۶ء کو ہم جیل لاہور کو روانہ ہوئے۔ جوگیانہ گیروا لباس کالا کمبل اوڑھے ہوئے۔ بیڑی ہتھکڑی کے زیور سے آراستہ پیراستہ ہم منزل در منزل اور کوچ در کوچ لاہور کو چلے جاتے تھے دو ایک گاڑیاں بھی ہمارے ساتھ تھیں بقدر تیس چالیس قیدیوں کے ہم جیل انبالہ سے روانہ ہوئے تھے سب پاپیادہ چلتے تھے جب کوئی تھک جاتا تو اس کو گاڑی پر بھی سوار کر لیتے تھے ورنہ سب کے سب پاپیادہ خلخال کو چھن چھناتے چلے جاتے تھے۔ خیر سوا برس کے بعد جو ہم نے باہر کی ہوا کھائی تو طبیعت نہایت خوش ہوئی اور راستے میں جو چاہتے سو خرید کر کھاتے اور مولوی یحییٰ علی صاحب کی ہر دم مصاحبت میں رہے اس سبب سے ہم کو تو اس سفر میں بھی دن عید اور رات شب برات ہو گئی تھی۔

اتفاق حسنہ سے جس دن ہم نیا گیروا لباس پہن کر اول منزل سے روانہ ہوئے تو مہاراجہ مہندر سنگھ صاحب والی پٹیالہ کی برات بڑی دھوم دھام سے اسی راہ سے عین ہمارے آگے کو جنوب سے شمال کو جاتی تھی اس وقت سورج نکلتا تھا فجر کا سہانا وقت اور آخیر فروری کے گلابی جاڑے تھے ایک طرف سورج کی کرنوں

ہیں برات کے سونا چاندی اور تاش بادلہ اور ہیرہ مرصع کی چمک دوسری طرف ہماری بیڑی ہتھکڑی کے لوہے کی دمک ادھر دوشالوں اور کمخواب و بانات کا رنگ اِدھر ہمارے جوگیا نہ لباس اور کمبلوں کی سُرخی اور سیاہی کا ڈھنگ اُدھر ہاتھی گھوڑوں کی ہنکار ادھر ہماری بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کی جھنکار ایک دوسرے کے مقابل اس دنیا رفانی کی عزت و ذلت اور کمی بیشی مدارج کا فرق عجب خوبی سے دکھلا رہی تھی۔ مگر افسوس کہ یہ راجہ غالباً جس نے ہم کو اس وقت بڑی چشم حقارت سے دیکھا ہوگا۔ میری واپسی ہند سے بہت برس پہلے راہی ملکِ بقا ہوا جہاں امیر فقیر دونوں خالی ہاتھ جیسے آئے تھے ویسے ہی حاضر ہوتے ہیں اور اس نے اس عروس دنیا سے جس کے واسطے اس قدر دھوم دھام تھی بہت ہی تھوڑا فائدہ اٹھایا۔

ہم جو ایک مدت دراز کے بعد جیل کی تنگ تاریک کوٹھریوں سے باہر میدان میں پہنچے تو ہم کو بھی مہاراجہ پٹیالہ کے براتیوں کی خوشی سے کم خوشی نہ تھی ہم ہرنوں کی طرح اڑے جاتے تھے جن جن قیدیوں کے پاس کچھ نقد تھا اُن کا جو کچھ جی چاہتا تھا راہ میں خرید کر کھاتے اور خوشی مناتے چلے جاتے تھے۔ لدھیانہ پھلور، جالندھر امرتسر ہوتے ہوتے لاہور پہنچے۔ آخیر منزل پر لاہور میں شالامار باغ کے سامنے ہر کسی نے اپنا اپنا من بھر کر جو چاہا سو کھایا کیونکہ جیل میں جاکر تو سوائے معمولی کھانے کے اور چیزیں ملنی محال بلکہ حرام ہیں۔

قریب تین بجے شام کے ہم لوگ سنیٹرل جیل لاہور کے دروازہ پر پہنچے اور ہمارے چالان کے کل قیدی ایک قطار کر کے دروازہ جیل پر بٹھلا دیئے

گئے۔ اول ایک کشمیری ہندو داروغہ آیا اس نے پہلے ہمارے مقدمہ والوں کو بغور تمام دیکھا اور کسی قدر افسوس بھی کیا اس کے بعد ڈاکٹر گرے صاحب سپرنٹنڈنٹ جیل رونق افروز ہوئے۔ انہوں نے سب سے اول ہم لوگوں کا ملاحظہ کیا اور بڑے غصہ سے حکم دیا کہ ایک ایک آڑا ڈنڈا بھی ان لوگوں کے پاؤں میں ڈال دو۔ چنانچہ بمجرد صدور اس حکم کے لوہار ڈنڈے آہنی لے کر حاضر ہو گئے اور ہمارے دونوں پاؤں کے دونوں کڑوں کے درمیان سے ایک ایک آڑا ڈنڈا جو ایک فٹ (ط گرہ) سے زیادہ لمبا نہ تھا ڈال دیا گیا یہ حکم ازراہ تعصب فقط ہم ہی لوگوں کے واسطے تھا اور تمام جیل بھر میں ہم نے کسی اور قیدی کے پاؤں میں یہ ڈنڈا نہیں دیکھا چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا نہایت مشکل ہو گیا اور رات کو پاؤں پسار کر سونا بھی محال تھا۔

سنٹرل جیل لاہور

اس جیل کے بیچ میں ایک برج اور اس کے چوگرد آٹھ علیحدہ علیحدہ بارکیں معہ صحن اور کارخانہ مشقت کے بنے ہوئے تھے۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ نے حکم دیا کہ اس مقدمے کے جتنے قیدی ہیں ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بارکوں یا نمبروں میں رکھو تاکہ ایک دوسرے سے ملنے نہ پائے اس دن ہم کو اپنے دوستوں سے جدا ہونا اس آہنی ڈنڈے سے بھی بڑھ کر شاق ہوا مجھ کو نمبر اول میں جو سب سے زیادہ سخت تھا لے گئے لیکن قریب ۶ بجے شام کے تابہد نیبی سے یہ حکم پہنچا کہ یہ قیدی آمدہ جیل انبالہ میں ہماری والے جیل سے آئے

ہیں ان کو دوسرے سب قیدیوں سے علیحدہ رکھنا چاہیئے تاکہ ان کی بیماری اس جیل میں بھی نہ پھیل جاوے۔

سو وہی پہلا نمبر جہاں میں بند تھا ان کے علیحدہ رکھنے کے واسطے تجویز ہو کر ہمارے کل ساتھی بلکہ سارا چالان اسی بارک میں جمع ہو گیا تب ہم آپس میں مل کر بہت خوش ہوئے اور اس حکمت الٰہی اور اسرار مکنونہ پر سجدہ شکر بجالائے۔ بوجہ ہونے ایک مسلمان جمعدار اس نمبر کے ہم کو کچھ مشقت بھی نہ کرنی پڑی بلکہ بفضل الٰہی ایک ہفتے کے بعد اس سپرنٹنڈنٹ نے خود مجھ کو اسی نمبر کا منشی کر دیا مگر وہ ڈنڈا جو غالباً کسی بڑے حاکم کے حکم سے تھا بدستور زیب پا رہا جس کے سبب سے جب ہر فجر کو صاحب سپرنٹنڈنٹ وہاں تشریف لاتے تو مجھ کو ہر قیدی کی مشقت کا حساب دکھلانے کے واسطے مثل ہرن کے اچھل اچھل کر ان کے ساتھ رہنا پڑتا تھا۔

صندل قیدی کا اعلیٰ کردار

ایک اتوار کے دن اسی جیل لاہور میں اپنے بستر پر میں پریڈ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ناگہاں صاحب سپرنٹنڈنٹ ہمارے نمبر میں پہنچے اور کل قیدیان نمبر کی تلاشی کرنے کا حکم جاری کیا یکے بعد دیگرے میرے بستر کی بھی تلاش ہوئی جس میں کچھ تھوڑا پسا ہوا نمک میرے بستر سے بھی برآمد ہو گیا ایسے قصور پر وہاں بیت کی سزا ہوتی ہے۔

جب یہ نمک برآمد سپرنٹنڈنٹ کے سامنے پیش ہوا تو میں حیران تھا کہ

کیا جواب دوں اس میں صندل نام ایک مسلمان قیدی جو جیل انبالہ سے میرے ساتھ آیا تھا اور میری خدمت کرتا تھا بول اٹھا کہ یہ بستر اور نمک تو میرا ہے مولوی صاحب کا نہیں ہے۔ تب صاحب سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا یہ کیسے تو اس نے کہا کہ حضور کے تشریف لانے سے پہلے میں اور یہ مولوی صاحب دونوں پیشاب کرنے کو پاخانہ میں گئے تھے اس بیچ میں حضور آ گئے ہم جلدی سے جو دوڑ کر آئے اس گھبراہٹ میں یہ میرے بستر پر اور میں ان کے بستر پر بیٹھ گئے۔

صاحب سپرنٹنڈنٹ اس بیان کو سُن کر بہت ہنسا اور بولا کہ تم مولوی کو بچانا چاہتے ہو اس کے بعد ہم دونوں کو نمبر سے باہر جہاں بیت لگا کرتے تھے لے گیا۔ دوسرے قیدیوں کو جن کے بستروں سے کچھ کچھ نکلا تھا بیت لگنے شروع ہوئے جب دوسرے قیدیوں کو بیت لگ چکے تو آخر میں پھر اس نے ہماری طرف متوجہ ہو کر صندل مذکور سے پوچھا کہ یہ بات سچ ہے کہ یہ بستر اور نمک تمہارا ہے اور مولوی کا نہیں ہے اس نے کہا ہاں نمک اور بستر تو میرا ہے آگے آپ کو اختیار ہے یہ جواب سُن کر اس نے ہم دونوں کو بری کر دیا اور کچھ سزا نہ دی اور صندل سے کہا کہ اچھا تم مولوی کو بچانا چاہتا ہے ہم نے تم کو بھی معاف کر دیا جاؤ آگے ہوشیار رہو۔

کراچی کو روانگی

آخر اکتوبر ۱۸۶۵ء میں ایک بڑا بھاری چالان قیدیوں کا تیار ہو کر ملتان کو روانہ کرنے کا بندوبست ہوا۔ ایک ایک ہتھکڑی دو دو آدمیوں

کے ہاتھوں میں لگائی گئی میرے ساتھی نے مجھ سے یہ رعایت کی کہ میرا بایاں اور اپنا داہنا ہاتھ ہتھکڑی میں ڈلوایا۔

ہمارے مقدمہ کے فقط تین آدمی پھنسے ہیں اور مولوی یحییٰ علی صاحب اور میاں عبدالغفار صاحب ملتان کو روانہ ہوئے۔ جس دن ہم لاہور سے روانہ ہوئے ریل کے اسٹیشن تک پاؤں میں بیڑی سر پر بستر جس کو ایک ہاتھ سے تھامے ہوئے اور دوسرے ہاتھ میں ہتھکڑی کی گلجوٹ اس پر سپاہیوں کی مار مار کہ جلدی چلو جلدی ریل چلی جاوے گی۔ خیر بہر صورت ہم ریل تک پہنچے وہاں جا کر ریل کی کوٹھڑیوں میں ہم کو بند کر کے قفل لگا دیا اور لاہور سے ملتان تک راہ میں کہیں نہ کھولا مثل جانوروں یا مال کے گاڑیوں میں بھر دیا تھا۔

کوئی آٹھ بجے رات کے بعد ہم ملتان پہنچے وہاں بھی اندھیری رات میں سر پر بستر رکھے ہوئے کشاں کشاں اسٹیشن سے جیل تک پہنچے جہاں بے آب و دانہ مثل جانوروں کے رات کو بند کر دیئے گئے۔ دو دن ہم جیل ملتان میں رہے شہر کدھر بستا ہے بازار کہاں ہے وہ ہم نے آنکھ سے نہیں دیکھا۔

ملتان

دو روز بعد وہاں سے لے جا کر ایک پتن یا گھاٹ دریائے سندھ پر جو ملتان سے قریب پانچ کوس ہے ہم کو آگنبوٹ پر سوار کرایا سوار کرانے کے بعد ہم سب کو قطار قطار کر کے اس پر بٹھلا دیا اور سوائے بیڑی اور ہتھکڑی اور ڈنڈے کے جو پہلے سے زیب تن تھے یہاں ایک بڑی موٹی زنجیر آہنی بھی ہماری بیڑیوں کے

بیچ میں پھنسائی گئی کہ جس سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے پاخانہ پیشاب کرتے رہے اس وقت قریب آدھا آدھا من کے لوہا ہمارے جسم پر تھا باوجود اس قدر کثرت پانی کے دریائے سندھ ہمارے زیر پا تھا۔ ہم پڑے پڑے تیمم سے نمازیں پڑھتے تھے گو ہم جکڑے ہوئے پڑے تھے مگر جیل سے نکل کر اور دوستوں کی مصاحبت اور آب دریا کی روانی اور آس پاس کے جنگلوں کی سبزی کو دیکھ کر بہت بشاش تھے۔

اس کیفیت سے ہم پانچ چھ روز بعد کوٹری میں پہنچ گئے۔ سکھر بکھر اور ٹھٹھے کا نامی قلعہ بھی ہم کو راہ کوٹری میں سندھ کے کنارے پر ملا تھا۔ کوٹری کے سامنے دوسرے کنارہ دریائے سندھ پر حیدرآباد سندھ کی نامی بستی بھی دیکھنے میں آئی۔ کوٹری سے اسی دن ریل پر سوار ہو کر ہم کراچی میں پہنچ گئے۔ اس ملک میں بڑی بڑی اونچی ٹوپیاں منشی اور کلارک اور بڑی بڑی اونچی پگڑیاں ہندو مہاجن پہنتے تھے۔

جب ہم جیل انبالہ سے روانہ ہوئے تو ہمارا خیال تھا کہ انگریزی عملداری میں سب جگہ اردو یا فارسی کا دفتر ہوگا اور ہم بوجہ کمال اپنی منشی گری کے ہر جگہ محرری کے کام میں رہ کر قید میں آرام سے رہیں گے۔ اس خیال باطل کے ساتھ فضل الٰہی کا ہم کو وہم بھی دل میں نہ گزرا تھا مگر بخلاف ہمارے خیال کے اردو اور فارسی کا دفتر ملتان میں ختم ہو گیا تھا۔

ملک سندھ میں سب سندھی زبان کا دفتر دیکھا گیا سندھی علم کے حروف

تو فارسی کے ہیں مگر زبان سندھی ہونے کے سبب ہم کو ایک لفظ بھی سمجھنا دشوار ہے۔ ملک سندھ میں ہم ناخواندوں میں شمار ہونے لگے اور وہ غرور منشی گری اور بھروسہ غیر اللہ خود بخود دل سے دور ہو گیا۔

کراچی جیل

الحمد للہ کہ کراچی کے جیل میں پہنچنے کے ساتھ ہی ہماری ہتھکڑی اور آڑے ڈنڈے سے تو نجات ہوئی فقط بیڑی آہنی زیب تن رہی۔ بمقابلہ سب دوسرے جیل خانوں کے جہاں جہاں یہ خاکسار رہا کراچی کے جیل کو جیل کیا ایک عمدہ مہمان سرا کہنا چاہیے[1] وہاں رات کو قیدیوں کو بارک یا کوٹھڑیوں میں مثل جانوروں کے بند نہیں کرتے بنگلوں کی طرح کے کھلے ہوئے مکان اور چٹائیوں کا فرش بچھا ہوا قیدیوں کے واسطے موجود ہے رات کو جہاں چاہو پھرو جہاں چاہو سوؤ کوئی مانع نہیں پہرے والے فقط جیل کی فصیل پر پھرتے ہیں۔ رات کو جیل کے اندر محافظ یا پہرہ دار کا نام نہیں۔ دو برس کے بعد یہاں رات کو آسمان اور ستاروں کی زیارت بھی ہم کو نصیب ہوئی۔ جناب باری میں سجدات شکر بجا لائے۔ یہاں قیدیوں کا کھانا بھی بہ نسبت اور جیل خانوں کے نہایت عمدہ تھا۔ گیہوں کی روٹیاں

---

[1] کراچی جیل ۱۸۵۵ء میں ۱۱۱۲،۳۱۲ روپئے کے صرفے سے ۱۰½ ایکڑ زمین پر تعمیر ہوئی ہے بعد کو یہ ناکافی ثابت ہوئی تو ۱۹۰۰ء میں مزید وسعت دی گئی۔ اور اس پر ۳۰۵،۰۰۰ روپیہ صرف ہوا (کراچی گزیٹیر ص ۲۷)

ی سے چپڑی ہوئی اور عمدہ ترکاری اور گوشت غرض دو وقتہ پیٹ بھر کھانا یہاں
یدیوں کو ملتا ہے۔ مگر پاخانہ پھرنے کی بڑی دقت تھی کیونکہ چوبی پیپوں کو
یدان میں رکھوا دیا ہے۔ جس کے اوپر بدشواری چڑھ کر تن برہنہ سب کے
سامنے قیدی پاخانہ پھرتے ہیں۔

بمبئی

ایک ہفتہ کراچی میں ٹھہر کر ایک بادبانی جہاز جس کو بگلہ کہتے ہیں ہم سوار
ہو گئے۔ سب سے پہلے سمندر اور جہازوں کی زیارت ہم نے کراچی میں کی یہ
جہاز بہت چھوٹا تھا۔ مگر قیدیوں کو مثل بوری مال کے نیچے کی تہ میں اوپر
نیچے کرکے بھر دیا تھا۔ قیدی کچھ کچھ ایک دوسرے کے اوپر نیچے پڑے تھے
اور یہ بیت پڑھتے تھے ؎

جائے تنگ است مردماں بسیار
وقنا ربنا عذاب النار

جب لنگر اٹھا کر تھوڑی دور سمندر میں جہاز پہنچا تو دریا کے تلاطم
اور امواج سے جہاز ہلنے لگا اور قیدیوں کو قے متلی شروع ہوئی۔ تنگی جگہ کے
سبب سے ایک دوسرے پر قے کرتا جاتا تھا۔ اس جہاز پر کچھ مسلمان خلاصی تھے
جنہوں نے ہم کو مولوی سمجھ کر حتی المقدور خود کھانے پینے سے بہت تواضع
کی خیر دو تین روز کے بعد بمشکل تمام ہم داخل بندر بمبئی کے ہو گئے۔ وہاں
دیکھا تو کیسوں تک ہزاروں جہاز کھڑے تھے اس کو ایک جہازوں کا
جنگل کہنا چاہیئے۔

زیر قلعہ بمبئی کے ڈونگیوں میں بٹھلا کر ہم کو جہاز سے اتارا اور وہاں سے بذریعہ سواری ریل جیل خانہ تھانہ کو جو بمبئی سے بارہ میل ہے ہم کو لے گئے۔ بمبئی میں پارسی مرد عورتوں کو ہم نے پھرتے ہوئے دیکھا اس قوم کے لوگ بہت خوبصورت گورہ رنگ کے ہوتے ہیں اور مالدار بھی ہیں یہ لوگ آتش پرست زردشت کی امت سے ہیں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی چڑھائی کے وقت ایران سے بھاگ کر اس حصہ ہندوستان میں آباد ہو گئے

بمبئی کی عمارات جہاں تک ہم کو دیکھنے کا موقع ملا نہایت اونچی اور دیواروں میں بے شمار کھڑکیاں بنی ہوئی تھیں۔ بمبئی شہر بھی ایک ٹاپو ہے ایک بند باندھ کر اس کو بر اعظم ہند سے ملا دیا ہے۔ بمبئی اور تھانہ کے بیچ میں بھی سمندر رہتا ہے اور اس کے پانی کو کھیت اور کیاریوں میں روک دیتے ہیں۔ دھوپ کی تپش سے وہ کھارا پانی خشک ہو کر عمدہ نمک خود بخود تیار ہو جاتا ہے۔ ہزاروں من نمک کے انبار ریلوے سڑک کے کنارے کنارے لگے ہوئے تھے۔ ناریل کے درخت اور اس کا تازہ پھل بھی ہم نے پہلے پہل بمبئی میں دیکھا۔

یہاں کی عورتیں اپنی ساڑھی کو مثل مردوں کے دھوتی کے طور پر پیچھے کی طرف ٹانگ لیتی ہیں۔ گھٹنے کے اوپر تک اور آدھی پنڈلیاں کھلی رہتی ہیں۔ یہاں کے ہندوؤں کی پگڑیاں بھی بڑی بڑی بلی سر پر بوکرا سا رکھا رہتا ہے۔ اس ملک کی زبان گجراتی یا مرہٹی ہے۔ جب ہم ریل سے اتر کر تھانہ کے بازار میں جیل کی طرف پا پیادہ چلے جاتے تھے تو ہمارے ساتھی قیدیوں

نے چند مٹھائی والوں کی دکانوں کو لوٹ لیا اور بے محابہ اس مال مفت کو کھانے لگے، بے چارے دوکاندار ان کو قیدی سمجھ کر چپ ہو رہے بلکہ ہم نے دیکھا کہ بعض دوکاندار اپنی مٹھائی لٹوا کر بہت خوش ہوئے اور قیدیوں کے منہ میں پڑنے کو بڑا پن سمجھے۔

تھانہ جیل

چلتے چلتے قریب شام کے ہم تھانہ جیل کے دروازہ پر پہنچے۔ جیل کیا ایک مرہٹوں کے وقت کا بڑا مستحکم اور مضبوط قلعہ ہے جس کے چاروں طرف ایک بڑی گہری پختہ خندق بنی ہے جیل کے اندر داخل ہونے کے ساتھ ہی ہماری تلاشی شروع ہوئی اور ہم سب کی جوتیاں اتروالی گئیں اور پھر چلتے وقت واپس نہ ملیں۔

سنا ہے کہ ایک دفعہ کسی دل چلے قیدی نے وارڈن جیل کو جوتیوں سے مارا تھا اس وقت سے یہ قانون یہاں ہو گیا کہ قیدی جیل میں جوتہ نہ پہنے اور ننگے پاؤں پھرا کرے تاکہ دوبارہ ایسی نامعقول حرکت نہ کرے۔

رات کو دو دو جوار کی روٹیاں اور تھوہر کی دال دے کر علیحدہ علیحدہ کوٹھڑیوں میں ہم کو بند کر دیا۔ مگر بتائید الٰہی دوسرے دن سے پنجابی قیدیوں کو گندم خور ملک کے آدمی سمجھ کر گیہوں کی روٹیاں ملنے لگیں اور ہمارے بعد سے یہ خصوصیت کل چالان آمدہ پنجاب کے واسطے ہمیشہ کے لئے مقرر ہو گئی۔ فجر کو ہمارے سب چالان کو پتھر توڑنے کی مشقت دی گئی۔ جس کو بیگلا ہمتام

ایک دو دن گیا۔ دو روز بعد ہمارے پہنچنے سے وہاں دری بافی کا کام شروع ہو گیا۔ اور ہمارے چالان کے پنجابی قیدی اس کے مہتمم مقرر ہوئے مگر انہوں نے مجھ کو اور مولوی یحییٰ علی صاحب کو دری بافوں کا استاد بیان کرکے اپنے ساتھ لے لیا جہاں ہمارا ایک مہینہ بڑے آرام کے ساتھ طے ہوا۔

اس جیل اور ملک میں مرہٹی زبان کا دفتر ہے۔ فارسی اور اردو خواں یہاں بھی ناخواندوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اب کراچی اور تھانہ کے دفتروں کا یہ حال دیکھ کر ہم کو تو یقین ہو گیا تھا کہ اب ہم باقی عمر ناخواندوں میں شمار ہوں گے اور قلم پکڑنے کی نوبت شاید ہی آئے وہ امید جو ہم کو فن منشی گری سے قطع ہو گئی اب فقط فضلِ الٰہی کی امید باقی رہ گئی۔ اس جیل کا بڑا جیلر یا داروغہ تو ایک برہمن بڑا مدمنغ آدمی تھا۔ مگر ابراہیم نام ایک مسلمان نائب داروغہ حتی المقدور خود ہماری بہت خاطرداری کرتا تھا۔ اب ایک مہینہ رہنے کے بعد یہاں سے بھی ہمارے چلنے کی تیاری ہوئی۔ اس مسلمان نائب داروغہ نے چلتے وقت ہماری بھاری بیڑیاں نکلوا کر برائے نام ہلکی ہلکی بیڑیاں ڈلوا دی تھیں۔

ہند کے جیل خانوں میں دیسیوں کو خصوصاً شریفوں کو بڑی مشکل ہے نہ کھانے کپڑے کا بندوبست ہے نہ پاخانے کا۔ رات کو ہر موسم میں بارکوں میں مثل جانوروں کے بند کر دیتے ہیں۔ بدمعاشوں کو البتہ آرام ہے۔ ہمارے دیسیوں کے مدارج کا کچھ لحاظ نہیں۔ کالے کالے سب ایک سمجھ کر راجہ، نواب، مہتر چمار سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں مگر کوٹ پتلون والوں کی وہاں بھی عزت ہے یوروپین دو غلے دونوں مثل صاحب لوگوں کے وہاں بھی

چین کرتے ہیں۔

کالے پانی کو روانگی

واقعہ ۸ر دسمبر ۱۸۶۵ء بسواری جہاز جمنا ہم بمبئی سے کالے پانی کو روانہ ہوئے یہ جہاز ولایت انگلینڈ کا تھا اس کے کل خلاصی اور افسر گورے تھے ہندوستانی بات کوئی نہ جانتا تھا۔ موتی لال بابو ایک انگریزی دان قیدی اس جہاز پر ہمارے ساتھ تھا۔ اس کی معرفت سے جہاز والوں سے ہم کچھ بات چیت کیا کرتے تھے مجھ کو تو اس وقت ایک انگریزی بات بھی معلوم نہ تھی جہاز پر دال بھارت اور سوکھی مچھلی مسلمانوں کی خوراک تھی اور ہندوؤں کو چبینا ملتا تھا ہمارے ساتھی پنجابیوں کو روٹی کھانے کے عادی تھے۔ مہینہ بھر دو وقتہ چاول کھانے سے بڑی تکلیف ہوتی۔

جب جہاز سمندر میں پہنچا تو طوفان اور تلاطم سے ہلتا تھا۔ اکثر آدمی قے متلی سے بیمار ہو گئے۔ ایک پنجابی قیدی میعادی ہفت سالہ جس کے صرف پانچ برس اس وقت باقی رہ گئے تھے بیمار ہو کر جہاز پر مر گیا ہم لوگوں نے موافق قاعدہ شریعت کے اس کو غسل اور کفن دے کر اور نماز جنازہ پڑھ کر اس کی لاش کے ساتھ بہت سے پتھر باندھ کر سمندر میں چھوڑ دیا۔

ہمارے محافظ مرین پلٹن کے سپاہی جو بمبئی سے ہمارے ساتھ آئے تھے ہم لوگوں پر بہت مہربانی کیا کرتے تھے۔ جب سیلون یا لنکا کے برابر ہمارا جہاز پہنچا تو سمندر میں تلاطم معلوم ہوا۔ وہ ہزاروں من کا جہاز مثل گیند

کے پانی پر اچھلتا تھا کبھی سمندر کا پانی پہاڑ کی طرح ایک طرف سے آتا اور کبھی جہاز نیز ول نیچے پانی میں چلا جاتا ۲۴ روز کے سفر دریائی کے بعد ۱۱ر جنوری ۱۸۶۶ء کو ہمارا جہاز قبل از دوپہر پورٹ بلیر انڈمان میں پہنچا۔ انبالہ سے چل کر گیارہ مہینے کے بعد ہم داخل انڈمان ہوئے۔

انڈمان پہنچنا

دور سے سمندر کے کنارہ کے کالے کالے پتھر ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا بھینسوں کے جھنڈ کے جھنڈ پانی میں پھر رہے ہیں۔ لنگر ڈلنے کے تھوڑی دیر بعد محافظ بندر پورٹ بلیر ایک کشتی میں سوار ہو کر جہاز پر آئے اس کے ایک ہندوستانی ملاح سے میں نے پوچھا کہ یہاں کچھ منشی محرروں کی بھی قدر ہے اور دفتر کس زبان میں ہے وہ شخص قرینہ سے مجھ کو منشی معلوم کر کے میری تسلی کے واسطے مبالغہ کر کے بولا کہ یہاں گے حاکم اور مالک تو منشی ہی ہیں۔ وہ جو چاہیں سو کریں خیر اس نا امیدی پہ جو کراچی اور تھانہ میں ہوئی تھی یہ مژدہ سن کر کسی قدر تسلی ہوئی۔

بڑے بڑے بوٹ اور کشتیاں کنارے سے آئیں اور ہم کو سوار کر کے روس نام ٹاپو صدر مقام انڈمان میں لے گئے۔ جب ہم کنارے کے نزدیک پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ بیسیوں منشی اور مولوی سفید اور فاخرہ لباس پہنے ہوئے ہمارے منتظر کھڑے ہیں۔ ابھی ہم کشتی میں سوار تھے کہ ایک آدمی نے کنارہ پر سے بآواز بلند پوچھا کہ محمد جعفر اور مولوی یحییٰ علی صاحب بھی اس جہاز میں آئے ہیں

میں نے جواب دیا ہاں وہ دونوں آئے ہیں۔ میرا جواب سن کر وہ لوگ پانی میں کود پڑے اور ہم لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ کشتی سے نیچے اتار لیا۔

مولوی احمد اللہ سے ملاقات

نیچے اتر کر ہم کو یہاں معلوم ہوا کہ مولوی احمد اللہ صاحب ہم سے ایک برس بعد پٹنہ میں قید ہو کر ۱۵ ر جون ۱۸۶۵ء کو ہم سے چھ مہینے پہلے پورٹ بلیر میں پہنچ گئے اور ایک دوسرے جہاز کے قیدیوں سے جو ہم سے اول اسی جیل تھانہ سے چل کر فقط دو روز پہلے ہم سے پہنچے تھے۔ ہماری آمد کا حال معلوم کر کے مولوی صاحب ہمارے منتظر تھے اور یہ سب لوگ انہیں کے اشارے ہمارے لینے کو گھاٹ پر آئے تھے۔

خیر ہم لوگ لوٹ سے اتر کر اسی مجمع کے ساتھ مصافحہ اور معانقہ کرتے ہوئے اپنے چالان کے قیدیوں سے جدا ہو کر منشی غلام نبی صاحب محرر مرین ڈیپارٹمنٹ کے مکان پر پہنچے وہاں مولوی احمد اللہ صاحب اور دوسرے اکثر معزز لوگوں سے ہماری ملاقات ہوئی اور اسی مکان میں ہم تینوں آدمی رہنے لگے۔ اسی دم ہماری بیڑی کٹوا دی اور عمدہ لباس جو ہمارے واسطے تیار کر کے رکھا تھا ہم کو پہنایا گیا اور تمام جلسہ کے ساتھ ہم نے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا اور اس تاریخ سے تاریخ رہائی تک ہم نے پھر بارک یا لباس یا کھانا قیدیوں کا کبھی نہیں دیکھا۔ گو اسی تاریخ سے ہم قید سے رہا ہو گئے گو اٹھارہ برس تک مثل ملزمان کالے پانی میں رہے۔

اسی شام سے گھر گھر ہماری دعوتیں ہونے لگیں اور وہ وہ نفیس اور عمدہ کھانے ہم کو کھلائے گئے کہ ہندمیں مجھ کو تو کبھی ایسے کھانے نصیب بھی نہ ہوئے تھے وہ ہمارا خیال کہ اب ہم کو ساری عمر صرف جیل کا کھانا کھانا پڑے گا۔ اس قادر مطلق نے اس نعم البدل کے ہمارے دل سے قلع قمع کرا دیا اور اپنی قدرت کو دکھلا دیا۔

جب ہم اس جزیرے میں پہنچے ہزاروں مرد عورت قیدیوں کو دیکھا کہ ماتھا ان کا کھود کر پیشانی پر ان کا نام اور جرم اور لفظ دائم الحبس لکھا ہوا ہے کہ وہ نوشت مثل نوشتہ تقدیر کے تمام عمر نہیں مٹتی۔ مگر یہ تائید الٰہی سننے کہ ہمارے پہنچنے سے کچھ عرصہ پہلے وہ حکم ماتھا کھودنے کا تمام عملداری سرکار سے ہمیشہ کے واسطے موقوف ہو گیا تھا۔ اس سبب سے اس کا داغ ادائم الحبس سے بھی ہم محفوظ رہے۔

جزائر انڈمان

جزائر انڈمان خلیج بنگال کے مشرق کو ۹۲ درجہ ۴۷ دقیقہ طول شرقی اور ۱۱ درجہ ۴۳ دقیقہ عرض شمالی پر کلکتہ سے قریب چھ سو میل کے واقع ہیں یہ مجموعہ جزائر ۲۴۷ امیل کے گھیرے ہیں جس میں قریب ایک ہزار جزیروں کے شامل ہیں بنام انڈمان مشہور ہے۔ علم طبقات الارض کے محققوں کا یہ قول ہے کہ یہ جزائر کسی زمانہ میں برّ اعظم ایشیا سے ملے ہوئے تھے پھر زمانے کے پھیر پھار اور سمندر کی موجوں سے کٹتے کٹتے اول یہ

ٹکڑا بر اعظم ایشیا سے علیحدہ ہو گیا تھا اور پھر آخر کو ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہوتے ہزاروں چھوٹے چھوٹے جزیرے ہو گئے۔

یہاں پانچ روز میں کلکتہ سے اگنبوٹ پہنچتا ہے اور تین روز میں رنگون سے مولمین یہاں سے تین سو میل مشرق و شمال اور سنگاپور چار سو میل گوشہ مشرق و جنوب میں ہیں اور نپانگ تین سو پچاس میل مشرق میں اور نکوبار یا نکوبری اسی میل جنوب میں اور مدراس آٹھ سو میل مغرب اور لنکا آٹھ سو میل گوشہ مغرب و جنوب میں واقع ہیں یہ جزائر سب پہاڑ ہیں ہموار زمین بہت کم ہے۔

پہاڑ اور جنگلات

یہاں سب سے اونچا پہاڑ مونٹ ہریٹ کا ہے جو سطح سمندر سے ۱۱۱۰ فٹ اونچا ہے۔ میٹھے پانی کا کوئی ندی نالہ یہاں جاری نہیں ہے برسات کے موسم میں بعض اونچے ٹیکروں اور ٹیلوں سے پانی کے جھرنے بہا کرتے ہیں۔ لیکن ایام خشکی میں بند ہو جاتے ہیں۔ کوئیں اور ڈگیاں یہاں بکثرت ہیں یہاں کے جزائر میں پورٹ بلیر کے آخر کو ایک گندھک کا پہاڑ ہے اس سے ہر وقت آگ کے شعلے نکلا کرتے ہیں۔

یہاں کے جنگل میں سوائے سور کے اور کوئی چوپایہ درندہ یا پرندہ نہیں ہے۔ لعاب ابابیل یہاں کا ایک عمدہ تحفہ ہے۔ قوت باہ کے واسطے ماہی سقنقور سے بڑھ کر سمجھا جاتا ہے اور بہت گراں مثل نقرہ اور طلا کے بکتا ہے یہاں کے جنگلوں میں ہزاروں قسم کی عمدہ اور پائدار لکڑیاں موجود ہیں۔ مگر

ہمارے ملک کی لکڑیوں سے سراسر غیر ہیں۔ بید بھی یہاں کے جنگل میں کسی قسم کا ہے اور اس کی لکڑیاں بطور تحفہ کے ملک ملک کو جاتی ہیں عقیق البحر کی چھڑیاں مثل کالی ناگنی کے اور سنگھ اور ہزارہا قسم اور رنگ برنگ کی کوڑیاں اور طرح طرح کی سیپیاں یہاں کے سمندر سے نکلتی ہیں اور ملکوں کو بطور تحفہ کے جاتی ہے۔

پیداوار وآب وہوا

آم، املی، جامن، کٹھل، بڑہل، جائپل، ناریل اور پان وغیرہ کے درخت جو گرم ملک کے جنگلوں میں ہوتے ہیں۔ یہاں سب خودرو موجود ہیں اب جنگل کے صاف ہو جانے سے پچاس سو گاؤں بھی یہاں آباد ہو گئے اور ہر قسم کی ترکاری اور گرم ملکوں کے پھل اور دہان اور مکی، جوار و مونگ و ماش و ادکھ یعنی نیشکر وغیرہ کثرت سے یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر گیہوں، چنا وغیرہ، ربیع اور سرد ملکوں کے اناج یہاں بالکل پیدا نہیں ہوتے۔ لیکن سرکار گیہوں چنا وغیرہ کلکتہ سے لا کر بحساب سات پائی فی پونڈ یعنے سوا آنہ سیر کے فروخت کرتی ہے۔ اس سبب سے اس ملک میں کبھی قحط نہیں پڑتا۔ ہمیشہ ایک ہی نرخ سے غلہ بکتا ہے۔

آب وہوا اس جزیرے کی تو ایسی عمدہ اور صحت بخش ہے اس کا ثانی پردۂ زمین پر کوئی مکان نہیں ہے۔ ہیضہ اور چیچک اور وبائی بخار اور آشوب چشم کے متعدی امراض بالکل نہیں ہیں۔ بیس برس ہم نے کبھی ایک بیمار بھی ان

بیماریوں کا نہیں سُنا۔ نہ یہاں سر اور کپڑوں میں جوئیں پڑتی ہیں اور نہ دوسرے موذی جانور مثل پسو اور مچھر کے ہوتے ہیں۔

خطِ استوا کے قریب ہونے کے سبب سے بارش ہمیشہ بارہ ماس یہاں دن رات برابر ہوا کرتا ہے۔ بہت ہی تھوڑا فرق پڑتا ہے۔ سردی گرمی یہاں دونوں نہیں ہمیشہ ہمارے ملک کے چیت بیساکھ کی کیفیت رہتی ہے۔ دسمبر جنوری میں رات کو ایک چادر اوڑھنے کی نوبت آتی ہے نہ گرمی میں گرمی ہوتی ہے نہ لو یہاں چلتی ہے سرمائی کپڑوں کا یہاں بالکل دستور نہیں نہ کوئی رضائی بناتا ہے۔ نہ دلائی نہ یہاں روئی ہے نہ دُنیا یہاں نہ کبھی موسم خزاں ہے نہ بہار بارہ مہینے درخت ہرے بھرے رہتے ہیں۔ غالباً یہاں کی موسم برعایت حال جنگلیوں کے جو ننگے مادر زاد پھرتے ہیں اس حکیم اور علیم نے بنائی ہے۔ اگر سردی یا گرمی ہو تو وہ ننگی مخلوق خدا فوراً ہلاک ہو جاوے۔

یہاں بارشوں کی بہت کثرت ہے مئی سے نومبر تک آٹھ مہینے برابر رات دن برستا رہتا ہے۔ اسی سبب سے یہاں کے مکانوں کی چھت ڈھلوان ہوتی ہے ہمارے ملک کی کبھی کچی اور چپٹی چھت اس بارش کا ایک دن بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اولے وہاں کبھی نہیں پڑتے نہ کبھی آندھی چلتی ہے جنگل نہایت گنجان اور دشوار گذار ہے۔

درخت اتنے اونچے ہیں کہ گویا آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ جب کبھی درخت کو کاٹ کر گراتے ہیں تو سینکڑوں گز تک اس کی ڈالیاں اور شاخوں

کا اثر پہنچتا ہے۔ یہاں کے سانپ اور بچھو میں زہر نہیں لیکن یہاں کھنکھجورے بہت زہریلے ہوتے ہیں۔

یہاں کے جنگل میں قدیم سے ایک وحشی ننگی مادرزاد قوم رہتی ہے مرد عورت کپڑا کوئی نہیں پہنتے اور نہ کپڑا ان کو میسر آتا ہے۔ ان جنگلیوں کا صحیح حال اب تک معلوم نہیں ہوا کہ کب اور کس ملک سے آکر یہاں آباد ہوئے اور ہمیشہ سے ایسے ہی وحشی ہیں یا کبھی مہذب بھی تھے یا نہیں۔ یہ جنگلی جیسا کہ مشہور تھا آدم خور نہیں ہیں۔ ان کے بدن پر بال ہیں۔

انڈمان کی نو آبادی

قریب سو برس کے ہوئے سب سے اول لفٹنٹ بلیر ایک جہازی سردار نے یہاں آکر لنگر ڈالا تھا۔ اسی سبب سے پورٹ بلیر اس جزیرے کا نام ہوا۔ انہیں ایام میں جس کو سو برس ہوئے سرکار نے پہلے بھی قیدیان حبس بعبور دریائے شور کا رکھنا تجویز کیا تھا۔ مگر ناموافق آب و ہوا کے سبب سے ۱۷۹۶ء میں یہ جزیرہ آباد ہو کر پھر اجڑ گیا تھا[۱] ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد سرکار کو پھر اس کی

---

[۱] مولوی محمد جعفر تھانیسری تاریخ عجیب (تاریخ پورٹ بلیر) میں لکھتے ہیں "ستمبر ۱۷۸۹ء جس کو اب ننانوے برس ہوئے سرکار انگریزی نے یہاں قیدیان سزاوار لعبور دریائے شور کا رکھنا تجویز کیا لفٹنٹ بلیر اور کپتان مورسن دو جہازی سرداروں نے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ضرورت ہوئی اور مارچ ۱۸۵۸ء سے گویا دوبارہ اس کی آبادی شروع ہوئی[1]
اور پہلے پہل بغاوت کے قیدی یہاں لاکر رکھے گئے۔

انڈمن کے اصلی باشندے

شروع آبادی میں مدت تک جنگلی لوگ سخت مخالف رہے۔ چنانچہ
دو مرتبہ انہوں نے ڈاکٹر واکر صاحب سپرنٹنڈنٹ اوّل کے عہد میں بڑی

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) سب سے اول بمقام چاٹم آکر لنگر ڈالا اور اس چھوٹے سے ٹاپو کو کسی قدر صاف کر کے کچھ مکانات بنوالئے اور وہاں رہنے لگے اور چاٹم اس کا نام اٹھا جو ابھی تک مشہور ہے مگر افسوس کہ بیماری اور آب وہوا کی خرابی نے اس زمانے میں اس سٹلمنٹ کے پاؤں نہ جمنے دیئے اور آدھے سے زیادہ آدمی ان میں سے مرگئے ناچار بہ سبب ناموافقی آب وہوا نیز کثرت بیماری کے وہ سٹلمنٹ آبادکاری کی تاریخ سے ساتویں برس یعنی ۱۷۹۶ء میں اجڑ گیا۔ (تاریخ عجیب ص ۱۳۲)

[1] جب ہند پاکستان میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ناکام ہوئی تو انگریزی حکومت کو فکر ہوئی کہ وہ کئی ہزار باغی کہاں رکھے جائیں جن کو ۱۸۵۷ء میں بجرم بغاوت گرفتار کیا ہے کیونکہ اس قسم کے قیدیوں کو جیل کے اندر رکھنا بھی مناسب نہ تھا آخر ۱۸۵۷ء میں ایک کمیٹی مقرر ہوئی کہ کسی جزیرے کا انتخاب کرے یہ لوگ انڈمان پہنچے اور پورٹ بلیر کا انتخاب ہوا آخر ۱۵ر جنوری ۱۸۵۸ء (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کبھارہی جنگلیوں کی فوج جمع کر کے ایک دفعہ ہدو پر دوسری بار ابرڈین پر حملہ کیا۔ آخر ملایمی اور حکمت عملی سرکار سے وہ فرمانبردار ہو گئے۔ اور اب جنگل یا بستی میں جہاں کہیں وے ملتے ہیں تو نہایت خاطرداری سے پیش آتے ہیں۔ گو شروع آبادی میں اُن وحشیوں نے بہت خون خرابے کئے تھے۔

یہ لوگ چار فٹ سے پانچ فٹ چار انچ تک اونچے مثل حبشیوں کے سیاہ فام، گول سر، آنکھیں اُبھری ہوئیں۔ سر پر بھیڑ کے سے بال مگر نہایت مضبوط اور قوی ہوتے ہیں۔ ان کل جزائر انڈمان میں ان کی بارہ ذاتیں ہیں ایک ذات کی زبان دوسری قوم سے بہت کم ملتی ہے۔

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) کو کرنیل مین سپرنٹنڈنٹ مولمین کو حکم ہوا کہ کچھ قیدیوں مولمین سے لے جا کر جزیرہ پر قبضہ کیا جائے چنانچہ اسی طرح عمل میں آیا اور ڈاکٹر واکر پورٹ بلیر کے پہلے سپرنٹنڈنٹ قیدیوں کو لے کر پورٹ بلیر پہنچے۔ (تاریخ انڈمان و پورٹ بلیر ص ۱۴)

(بقیہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ نمبر ۲) جب انڈمان میں آبادکاری ہوئی تو آگرہ جیل کے سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر واکر یہاں کے پہلے سپرنٹنڈنٹ اور کمشنر مقرر ہوئے اور ۱۰ مارچ ۱۸۵۸ء کو یہاں پہنچے اور ۱۳ اکتوبر ۱۸۵۹ء تک اس عہدہ پر مقرر رہے۔ (تاریخ عجیب ص ۳۵-۳۸)

مذہبی خیالات

یہ جنگلی اس بات کے قائل ہیں کہ خدا آسمان میں رہتا ہے وہی خالق ہر شے کا ہے اور سب سے بڑا ہے وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کا محل بہت عمدہ اور نفیس آسمان میں ہے اس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اسی کے گھر سے پانی برستا ہے بجلی کا شعلہ اور کڑک بھی اسی کے پاس سے آتی ہے موت بھی اسی کے حکم سے ہوتی ہے بھلائی اور روزی بھی وہی دیتا ہے بسماۃ چانا پالک ایک اس کی جورو بھی ہے اس کی جورو کو بھی فنا نہیں اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوئی۔ مگر اس کا درجہ خدا سے کم ہے۔ اس کا کام ہے کہ سمندر میں مچھلیاں پیدا کرے وہی مچھلیوں کو آسمان سے گراتی ہے۔

یہ لوگ شیطان کے بھی قائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سب بُرے کام شیطان کراتا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ شیطان دو ہیں ایک زمین کا شیطان جس کا نام ارم چوگلا ہے۔ جب زمین پر کوئی ناگہانی موت سے مرجاتا ہے تو یہ سمجھتے ہیں کہ ارم چوگلا نے مار ڈالا ہے۔ ایک سمندر کا شیطان ہے جس کا نام جورو ونڈا ہے جب کوئی ڈوب کر مرجاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کو جورو ونڈا نے مار ڈالا ہے۔

یہ لوگ فرشتوں کے بھی قائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ مرد عورت دونوں جنس سے ہیں اور جنگل میں رہتے ہیں اور انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں

یہ لوگ بھوت پریت کے بھی قائل ہیں مگر کہتے ہیں کہ ان کو کچھ اختیار نہیں ہے یہ لوگ خدا یا غیر خدا کی کسی چیز کی پوجا نہیں کرتے۔

یہ لوگ طوفان نوح کے بھی قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک بار زمین پر ایسا طوفان آیا تھا کہ ساری دنیا ڈوب گئی تھی اور ان جنگلیوں کے بزرگ ایک کشتی بنا کر اس پر سوار ہو گئے تھے اور ایام طوفان میں بہت دنوں تک اس کشتی میں سوار رہے جب طوفان رفع ہوا تو وہ کشتی کسی پہاڑ منجملہ کوہ ہائے جزائر انڈمان کے ٹھیری تھی۔

سماجی زندگی

یہ لوگ دو سے زیادہ گنتی نہیں جانتے جب کوئی چیز دو سے زیادہ گنتے ہیں تو انگلیوں پر شمار کرتے ہیں۔

یہ لوگ ننگے مادرزاد پھرتے رہتے ہیں فقط عورتیں ایک چھوٹا سا پتہ اندام نہانی پر تاگرے میں لٹکا کر رکھتی ہیں۔ مرد عورت اپنے بدن کو بوتل وغیرہ کے ٹکڑوں سے بھڑوں کا چھتہ یا گمٹی کا کپڑا سا بنا لیتے ہیں مونچھ داڑھی یا سر کے بال مرد عورت کوئی نہیں رکھتا ان کو بوتل کے ٹکڑوں سے تراش ڈالتے ہیں۔

ان کا بیاہ بھی بہت سیدھے سادے طریقے پر ہوتا ہے بروقت شادی کے دولہا دلہن دونوں کے بدن کو گیرو چربی سے لال رنگتے ہیں اور ساری قوم اس وقت جمع ہوتی ہے ایک آدمی اس جلسہ میں بطور قاضی کے

ہوتا ہے وہی شخص دُلہا کو اٹھا کر دلہن کے پاس لے جاتا ہے اور دُلہا کے سامنے بہت سے تیر و کمان رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ان سے شکار کر کے اپنی عورت کی پرورش کرنا اور پھر وہی آدمی بآواز بلند لفظ "آب اِک" یعنی لے جاؤ یہ تمہاری بیوی ہے کہتا ہے اس کہنے کے بعد عقد پکا ہو گیا اور پھر تاحیات دونوں کے نہ طلاق ہے نہ جدائی ہے۔ شادی کے بعد ان میں زنا نہیں ہے۔

لڑکا پیدا ہونے کے وقت پر پردہ کرنے کی ان کے یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے مردوں کے سامنے عورتیں بچے جنتی ہیں اور بعد پیدا ہونے بچے کے ایک عورت پتوں سے مکھیاں ہانکتی ہے اور ایک عورت نال کاٹ کر بچہ کو گود ہیں لے کر بیٹھتی ہے پہلے دن بچہ کو غیر عورت کا دودھ پلاتے ہیں۔ دوسرے دن بچہ کی ماں پلانے لگتی ہے اور بعد وضع حمل کے زچہ اسی دم سے چلنے پھرنے لگ جاتی ہے ہر شئے جنگل کی کھاتی ہے پرہیز یا اچھوائی کا نام نہیں جب بچّہ تھوڑا سیانا ہو جاتا ہے تو تیر کمٹھ اس کا پہلا کھیل ہے۔

ان لوگوں کا گھر بھی چھوٹا سا ہوتا ہے صرف چار کھمبے کھڑے کر کے اس کے اوپر تھوڑی سی پتی ڈال کر ایک چند روزہ آسرا بنا لیتے ہیں۔ ان کے گھر میں اگر جا کر دیکھو تو سوائے میاں بیوی کے اور کچھ جائداد و ملکیت نہیں، تیر کمان ان کی اصل جائداد بلکہ جان ہے۔

چھوٹی چھوٹی ڈونگیاں (کشتی) بھی یہ لوگ بنا لیتے ہیں۔ جن پر سوار ہو کر ایک ٹاپو سے دوسرے ٹاپو کو جاتے ہیں۔ اپنے مُردوں کی کھوپڑیاں تا

لوگ ساتھ ساتھ لئے پھرتے ہیں۔

جب کوئی مہمان کسی دوسرے ٹاپو سے ان کے یہاں آتا ہے تو پہلے تھوڑے فاصلہ پر ان کے گھر سے بیٹھتا ہے گھر والے اس کو وہیں کھانا پہنچاتے ہیں اور کھانا کھانے کے بعد وہ جب گھر میں جانا چاہتا ہے جاتا ہے۔ پھر سب اس سے مل کر روتے ہیں۔

لوگ کھیتی باڑی نہیں کرتے اور نہ اناج کھاتے ہیں ان کا کھانا مچھلی اور سمندر کے کیڑے مکوڑے کچھوے وغیرہ ہیں ان کو پکڑ کر اور آگ پر نیم بریاں کر کے بے نمک مرچ کے کھا جاتے ہیں بعض درختوں کی جڑیں اور پھلیاں اور جنگل کے پھل اور پتی اور سور کا گوشت اور شہد بھی ان کی خوراک ہے۔

غوطہ زنی کے یہ لوگ بچپن سے عادی ہوتے ہیں کہ شاید کوئی دوسری غوطہ زن قوم دنیا کی ان سے سبقت لے جاوے، تیر انداز بھی یہ لوگ بلا کے ہوتے ہیں۔ سب سیدھے تیر مارتے ہیں۔ بہت کم ہے کہ ان کے تیر کا نشانہ غلط لگے۔

ان لوگوں میں کوئی حکیم یا ڈاکٹر نہیں ہے اور نہ وے کچھ جانتے ہیں۔ ان کے یہاں سب بیماریوں کا علاج لہو نکالنا ہے۔ جب کوئی بیمار ہوتا ہے۔ تو وہ خود یا اس کا کوئی عزیز نہایت بے دردی سے اور اناڑی پن سے بوتل کے ٹکڑوں سے زخم کر کے خون نکال دیتا ہے۔

جب کوئی مر جاتا ہے تو ایک ٹوکری میں مردے کو رکھ کر اس کے گھٹنوں کو موڑ کر اس کی چھاتی تک لا کر باندھ دیتے ہیں اور سارے اعضاء کو درخت

کے چھلکوں سے کستے ہیں اور پھر قبر کھود کر اس میں گاڑ دیتے ہیں۔ اور قبر کے نزدیک آگ جلتی رہتی ہے اور ایک یا دو مہینے کے بعد اس کی قبر کھود کر اس کا ماتم کر کے اس کی ہڈیوں کو اس کے سب عزیز آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اور پھر ان کو حنوط کر کے اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور کسی لاش کو بجائے گاڑنے کے ایک مچان پر رکھ دیتے ہیں یا کسی درخت کی شاخ پر لٹکا دیتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی نیست و نابود ہو جاتا ہے دوبارہ زندہ ہونے اور جزا سزا آخرت کے قائل نہیں ہیں۔

وہ لوگ ناچتے اور گاتے بھی ہیں مگر کوئی باجہ ان کے پاس نہیں ہے اور نہ سر تال ان کو معلوم ہے ان لوگوں کا کوئی مذہب یا مت نہیں ہے اور نہ ان کا کوئی مذہبی سردار یا ملا ہے مگر اخلاق اور آدمیت اور دیانت و ذہانت ان میں ہے۔

نمز پیار تبصرہ

پہلے یہ لوگ روپیہ اشرفی اور پیسوں کی کچھ قدر نہیں جانتے تھے جو کوئی دیتا اس کو لے کر اور دیکھ بھال کر زمین پر پھینک دیتے تھے مگر اب تو بڑے لالچی ہو گئے راہ چلتوں سے پیسہ پیسہ کر کے سوال کرتے ہیں۔

ان جنگلیوں کی عمر بہت کم ہوتی ہے اور ان کی لڑکیاں بھی بہت جلد بالغ ہو کر اور تیس سال تک بڈھی پھوس ہو جاتی ہیں۔ دودھ نانہ نام ایک ہندوستانی نے بہت عرصہ ہوا ایک جنگلی عورت سے شادی بھی کی تھی مگر اس کی رہائی ہو جانے کے سبب سے وہ ہندوستان چلا گیا اور اس بے چاری جنگلن کو

یہیں چھوڑ گیا۔

۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۵ء تک ان جزائر کی آب و ہوا سم قاتل تھی جس کو زخم ہو گیا وہ تین روز بعد سڑ گیا اور چوتھے دن مر گیا زخم کیا تھا گویا پیغام اجل تھا شروع آبادی میں یہاں اسکروی بیماری بھی بڑے زور سے تھی[۱] یہ ایک جہازی بیماری ہے منہ پک جاتا ہے اور پنڈلیاں بھی سخت پتھر ہو جاتی ہیں اور آدمی مر جاتا ہے اس بیماری سے ہزاروں آدمی راہی آخرت ہوئے۔

---

[۱] اسکروی کو انگریزی میں سکربوٹس (SCORBUTUS) بھی کہتے ہیں اور عربی میں اسقربوط یا سقربوط کہتے ہیں اس بیماری میں ضعف، پست ہمتی، جسم کی پیلاہٹ، چہرہ اور ٹانگوں کی سوجن اور جریان خون کی صلاحیت عام باتیں ہیں۔ بدن پر نیلے دھبے اور مسوڑھوں کی تکلیف بھی ہو جاتی ہے جدید تحقیق کے مطابق یہ مرض حیاتین ج کی کمی سے پیدا ہوتا ہے۔ (مخزن حکمت جلد دوم از ڈاکٹر غلام جیلانی ص ۱۱۷۸، لاہور ۱۹۲۶ء) مولانا فضل حق خیر آبادی ۱۸۵۸ء میں بجرم بغاوت سزایاب ہو کر جزیرہ انڈمان پہونچے مولانا فضل حق نے الثورۃ الہندیہ میں اپنی روداد الم قلمبند کی ہے جزیرہ کی آب و ہوا اور امراض مہلکہ کے متعلق مولانا خیر آبادی کے رسالہ الثورۃ الہندیہ سے ایک ٹکڑا یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"یہ ناقابل برداشت حالات تھے ہی کہ میں متعدد سخت امراض میں مبتلا ہو گیا جس کی وجہ سے میرا صبر مغلوب، میرا سینہ تنگ، میرا چاند دھندلا اور (بقیہ اگلے صفحہ پر)

الحمد اللہ والمنتہ ہمارے وہاں پہنچنے سے ایک برس پہلے وہاں کے سب امراض دفع ہو کر وہ جزیرہ خوبی آب وہوا میں رشک کشمیر ہو گیا تھا، جہاں بیس برس تک ہمارا سر بھی نہ دکھا۔ اور بڑے آرام وراحت سے ہماری قید بسر ہوئی۔

بوجہ کثرت بیماری اور نئی آبادی کے انگریزوں نے شروع میں یہاں کے قوانین بھی قیدیوں کے واسطے نہایت نرم کر رکھے تھے اور قیدیوں سے ہر طرح کا سلوک کرتے تھے مگر جب وہاں کی آب وہوا عمدہ ہو گئی اور آبادی بڑھ گئی۔ تب وہاں کے ایسے سخت قانون بنائے گئے کہ الاماں۔ ہند کی جیلوں پر بھی سختی بڑھادی مگر ہم لوگ ایسے وسط زمانہ میں پہونچے تھے کہ آب وہوا عمدہ

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) میری عزت ذلت سے بدل گئی ہیں نہیں چاہتا کہ اس دشوار وسخت رنج وغم سے کیوں کر چھٹکارا ہو سکے گا۔ خارش و قو[illegible]ر میں ابتلا، اس پر مستزاد ہے صبح وشام اسی طرح بسر ہوتی ہے کہ تمام بدن زخموں سے چھلنی بن چکا ہے روح کو تحلیل کر دینے والے درد وتکلیف کے ساتھ زخموں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے وہ وقت دور نہیں جب یہ پھنسیاں مجھے ہلاکت کے قریب پہنچا دیں"۔

(باغی ہندوستان ص ۴۲۵-۴۲۶)

مولوی محمد جعفر تھانیسری نے جزیرہ کی آب وہوا اور امراض کا تفصیلی بیان تاریخ عجیب (تاریخ پورٹ بلیر) فصل دوم میں کیا۔

ہو گئی تھی مگر ابھی قانون میں سختی و ترمیم نہ ہوئی تھی - اس واسطے از روئے قانون عام جزائر مذکورہ کے ہم کو ہر طرح کا آرام و آسائش اور عہدے اور تنخواہ وغیرہ جاتے ہی مل گئے۔

ہمارے پہونچنے کے تھوڑے دن بعد وہاں کے قوانین سخت ہونے لگے آخر کو اب یہاں تک نوبت پہونچی کہ نیا قیدی یہاں آکر دس برس تک سخت مشقت کرے اور بھنڈارہ سے پختہ کھانا کھاوے اور وردی کا کپڑا پہنے اور بارک میں رہا کرے اور کسی قسم کی مہربانی اس پر نہ کی جاوے۔ چنانچہ قانون انڈمان مصدرہ ۱۸۷۶ء کا ایک فقرہ بطور مثال ذیل میں لکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ "سزائے حبس بعبور دریائے شور سے سخت مشقت کا کرنا اور فقط اس قدر کھانا پینا کہ جس سے آدمی زندہ رہے ضرور اور لازم ہو جاتا ہے" مگر یہ بھی خیر رہی کہ جس قدر نئے قانون سختی کے آتے رہے وہ فقط آمدہ جدید قیدیوں پر موثر ہوتے تھے ہم پرانے قیدی ہمیشہ اس سے مستثنیٰ ہو جاتے تھے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے قیدی

میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ اس غدر ۱۸۵۷ء کی بدولت بیسیوں راجے نواب اور زمیندار، مولوی، مفتی، قاضی، ڈپٹی کلکٹر، منصف صدر امین وصدر الصدور، رسالہ دار، صوبے دار، جمعدار وغیرہ وہاں قید ہیں۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

نسلی امتیاز

وہ معزز ہندوستانی جنٹلمین بھی جن کے آگے سینکڑوں ہزاروں نوکر تھے۔ بوجہ سیاہ پوست اور جنم ہند کے دوسرے چوہڑے چماروں کی طرح موٹا جھوٹا کھانا پاتے اور عام لوگوں کے ساتھ محنت کرتے تھے مگر حضرات یورپین گورے بلکہ اکثر دوغلے کالے کلوٹے بھی فقط بوجہ شرف کوٹ پتلون یا کلمۂ عیسائی کے پلٹن کے گوروں کے ہمراہ برابر کھانا کپڑا پاتے تھے ایک علیحدہ بنگلیاں ان کے رہنے کو اور ایک نوکر بلا تنخواہ ان کی خدمت

لہ مولوی محمد جعفر تھانیسری اگر انقلاب ۱۸۵۷ء کے ان مجاہدین کا مختصر حال یا اسماء لکھ دیتے تو جنگ آزادی کی معلومات میں بیش قیمت اضافہ ہوتا مولانا فضل حق خیر آبادی (المتوفی ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) مفتی عنایت احمد کاکوروی صدر امین بریلی (المتوفی ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء) مفتی مظہر کریم دریا بادی (المتوفی ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء) مفتی سید احمد مشہدی بریلوی، مولانا لیاقت علی الہ آبادی، مولوی محمد ایوب خاں کیفی مراد آبادی، شاہ بولن سیدہاردی، شیخ سلیم اللہ بدایونی، شیخ آیت اللہ بدایونی اور شیخ فضل احمد وغیرہ کے اسماء ان ہزاروں میں سے چند ہیں جو انقلاب ۱۸۵۷ء میں حصہ لینے کے جرم میں جزیرہ انڈمان بھیجے گئے۔

کو اور جس گورے یا دوغلے کو لائسنس مل گیا تو اس کو پچاس روپیہ ماہوار تک نقد تنخواہ بھی ملتی تھی یہ تو سب کچھ تھا۔

۱۸۷۹ء کو ایک نیا واقعہ عبرت انگیز دیکھ کر لوگوں کو رونا آتا تھا اور وہ یہ ہے کہ ۱۸۷۹ء میں ایک بدبخت راجہ جگن ناتھ پوری کا جس کے واسطے مدت تک اخباروں نے بھی سر پھوڑا تھا۔ قید ہو کر کالے پانی میں پہنچ گیا مگر بوجہ کالا چہرہ ہونے کے بے چارہ عام چھوٹے چماروں کے ساتھ کھانا پاتا اور مشقت کرتا تھا۔ اور جب بوجہ نازک مزاجی اس سے مشقت نہ ہوتی تو بیت اور جیل اور چکی پیسنے کی سزا پاتا آخر انہیں صدموں سے تھوڑے دنوں بعد وہ راجہ وہیں پر جیل میں مرگیا۔

انہیں ایام میں مسٹر لیمیٹر نام ایک کرانی بھی گوبدن سے کالا مگر یوروپین نام اور کوٹ پتلون سے مشرف ملک اودھ سے قید ہو کر وہاں پہونچا تھا اس کو گوروں کے ساتھ عمدہ کھانا ملنے لگا ایک علیحدہ مکان پلنگ وغیرہ کل سامان عیش و آرام کا مل گیا اور بجائے مشقت کے کچہری ڈپٹی کمشنر میں کلرک ہو گیا چونکہ یہ کمبخت راجہ اور یہ خوش نصیب کرانی دونوں ایک ہی وقت میں وہاں پہونچے تھے یہ اختلاف سلوک اور طرفداری کوٹ پتلون اور ناقدردانی شرفاء و امراء دیکھ کر ہر کسی کو رونا آتا تھا

مولوی محمد جعفر کی ملازمت

اتفاق حسنہ اور فضل الٰہی سے ہمارے انڈمان پہنچنے کے ایک ہفتہ

بعد پچاس، قیدی بغاوت ۱۸۵۷ء کے جن میں اکثر منشی اور جمعدار وغیرہ بھی تھے حسب الطلب راجہ بروکس جزیرہ سراوک کہ ایک ملائی ملک سنگاپور کے مشرق میں واقع ہے۔ بھیجے گئے تھے[1] اس سبب سے عمدہ عمدہ عہدے منشیوں کے خالی تھے۔ میری لیاقت کا حال ان لوگوں کو اس وقت بذریعہ اخبارات کے اور مولوی احمد اللہ صاحب سے معلوم ہو چکا تھا۔ اس لیے میں تو جہاز سے اترتے کے ساتھ ہی کچہری صاحب سپرنٹنڈنٹ اور چیف کمشنر میں محرر سیکشنوار یا نائب میر منشی مقرر ہو گیا۔ ایک گھر رہنے کو اور ایک نوکر تنخواہ دار خدمت کو مل گیا۔ جیسے آزادوں کے جہاں چاہتا رہتا اور جہاں چاہتا جاتا۔ روک ٹوک مطلق نہ رہی۔

---

[1] جزائر انڈمان و پورٹ بلیر کا سپرنٹنڈنٹ کرنیل فورڈ تھا اس کے زمانے میں سٹلمنٹ پورٹ بلیر چیف کمشنر برہما کے ماتحت ہوا اس سے پہلے براہ راست سرکار ہند کے ماتحت تھا سراوک کے راجہ بروکس نے اپنی مدد کے واسطے کچھ قیدیوں کو طلب کیا چنانچہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے پچاس قیدی راجہ بروکس کے پاس جزیرہ سراوک بھیج دیئے گئے۔ جن میں نواب محمد علی خان عرف ممو خاں نائب حضرت محل بیگم اودھ بھی شامل تھے نواب ممو خاں کا انتقال سراوک میں ہوا۔

(تاریخ عجیب ص ۴۳ - ۴۴)

شادی

اس وقت میرا عین عالم شباب قریب ستائیں کے سن و سال تھا جس میں مجردی دینی اور دنیوی دو نوں قباحتوں سے خالی نہ تھی۔ اس واسطے اول میں نے چاہا کہ ملک سے اپنی بیوی کو بلا لوں مگر اس کو قانون مانع ہوا۔ اس لئے میں نے اپنے پہونچنے کے چند ماہ بعد ایک نو آمدہ کشمیری عورت سے شادی کر لی۔ یہ عورت نہایت کم سن ایک بلائے ناگہانی میں پھنسکر یہاں پہونچی تھی۔ کچھ عرصہ میرے ساتھ رہنے سے بڑی دیندار اور خدمت گزار ہوئی، اب میں دیکھتا ہوں کہ رفتہ رفتہ ہر ایک چیز کا جو ہند میں مجھ سے چھوٹی تھی۔ نعم البدل مجھ کو ملنا شروع ہوا۔ اور جنہوں نے میری دشمنی پر کمر باندھی تھی۔ ایک کے بعد ایک تباہ ہونے لگے یہاں تک کہ میرے ہند میں آنے کے وقت تک ہر شخص حسب مدارج خود اپنی اپنی جزائے واجب کو دنیا میں پہونچ چکا۔

مولوی عبدالرحیم کا انڈمان پہنچنا

۲۵ دسمبر ۱۸۶۷ء کو جس زمانہ میں یہ خاکسار جزیرہ پرسوپرنس پینیٹ میں تھا۔ مولوی عبدالرحیم صاحب بھی انڈمان میں پہونچ گئے اور وہاں جاکر اول گھاٹ منشی مقرر ہوئے اور پھر اس کے کچھ عرصہ بعد ہسپتال محرر ہو گئے اور قریب ۹ برس کے اس طرح سے کار سرکار کرکے انہوں نے

دوکان بزازہ کھولنے کا ٹکٹ لے لیا۔ اور اسی پیشیہ، دوکان داری سے ان کی رہائی ہوئی۔

سمندر کنارے کے ملکوں اور جہازی ملازموں اور سیاحوں پر اکثر بحری آفات بھی پڑا کرتی ہیں جن سے ہند کے آدمی سراسر ناواقف ہیں۔ کالے پانی میں ہر سال بہت سے آدمی اور کشتیاں سمندر کی نذر ہو جاتی ہیں۔

تین مہلک حادثے

مجھ کو بھی اس مدت بست سالہ میں بارہا ان آفات کا سامنا ہوا مگر عین ڈوبنے کے وقت جب میں چاروں طرف سے ناامید ہو کر اللہ رب العزت کی طرف دل سے رجوع ہوا تو پھر اس رب قدیر نے فوراً بچا دیا۔ منجملہ بہت سے آفات کے جن میں یہ خاکسار مبتلا ہو کر وقتاً فوقتاً بچتا رہا صرف میں تین واقعات کا مختصراً یہاں ذکر کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ میں جزیرہ روس سے پرسوپرنس ہینیٹ نامی ٹاپو کو جاتا تھا۔ پرسوپرنس ہینیٹ کے نزدیک پہونچکر ایسا سخت طوفان ہوا کہ کشتی ڈوبنے میں کچھ باقی نہ رہا تھا۔ اس وقت ایک موج نے اس کشتی کو پل سنگ کے نزدیک کر دیا اس وقت میں اور ایک دو دوسرے مسافر پھرتی کر کے پل پر کود پڑے۔ ادھر ہمارا کودنا تھا کہ ایک دوسری موج نے اس کشتی کو اٹھا کر پل پر دے مارا بس کشتی پرزہ پرزہ ہو گئی اور باقی ماندہ لوگ سخت مجروح ہوئے۔

اسی طرح ایک روز ابرڈین سے روس کو جاتے وقت ایک طوفانی موج

نے کشتی کو پل پر ٹپکنا چاہا تھا کہ ہم کو دکر پل پر جا کھڑے ہوئے۔ تب کشتی پل پر سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو گئی، اور اکثر مسافر مجروح ہو گئے۔ اور بدشواری ڈوبنے سے بچے۔

ایک تیسری بار ہماری کچہری کا سارا عملہ ایک کشتی میں سوار ہو کر ابرڈین کو آتا تھا وسط راہ میں ایک ایسا طوفان سخت آیا کہ سب لوگ ناامید ہو گئے اور اپنے کو مردہ سمجھ چکے تھے۔ بارش اور ہوا بھی بڑے زور سے تھی۔ نہ نزدیک کنارہ تھا نہ کوئی ؛ رس تھا اندھیرا ایسا تھا کہ کناروں سے ہماری اس مصیبت کو کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس وقت کشتی کا امکان بھی ٹوٹ گیا۔ پانی سے کشتی بھر گئی۔ کوئی چارہ کار علاج باقی نہ رہا تب میں نے اس فریاد رس اور دست گیر درماندگاں کو پکارا میرا دعا کرنا تھا کہ غیب سے ہمارے نزدیک بیک ایک بڑی کشتی جس میں سردار بھیل سنگھ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس سوار تھے ظاہر ہو گئے اور ہم کو اس حال تباہ میں دیکھ کر جھٹ پٹ انہوں نے ہم کو اپنی کشتی میں لے لیا اور صحیح و سلامت کنارے تک پہنچا دیا۔

جنوری ۱۸۶۶ء میں یہ خاکسار جزیرہ ہڈ کو بدل آیا۔ اور وہاں اسٹیشن محرر مقرر ہو گیا۔ ۲۰ فروری ۱۸۶۶ء کو بمقام روس مولوی یحییٰ علی صاحب راہی فردوس ہوئے اور گو میں ان سے بہت فاصلہ پر جزیرہ ہڈ میں تھا اور مجھ کو ان کی بیماری تک کی بھی اطلاع نہ ہوئی تھی مگر تقدیر مجھ کو عین اس وقت جزیرہ روس میں لے گئی کہ جب ان کا جنازہ تیار ہو کر نماز پڑھنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں ہمارے مقدمے کے کئی آدمی ان کی تجہیز و تکفین میں شریک ہو گئے تھے۔

میری بیوی مولوی یحییٰ علی صاحب سے مرید تھی۔ اور ان سے بہت محبت کرتی تھی۔ اس کو اس موت کے سبب سے زیادہ صدمہ پہونچا۔ بلکہ ۳۰ر اپریل ۱۸۶۸ء کو مولوی یحییٰ علی صاحب کی وفات سے سوا دو مہینہ بعد وہ نیک بھی راہی فردوس ہوئی۔ مبند سے قید ہو کر جانا گویا اس بی بی کے اسی خاتمہ بخیر کے واسطے تھا کہ تھوڑے دنوں میں اس کو نصیب ہو گیا۔

تجارت

اس بی بی کی وفات کے بعد میں نے سب زیور وغیرہ فروخت کر کے بقدر تین سو روپیہ کے دہلی کو اپنی بیوی کلاں کے پاس بھیجے تھے کہ ان کا مال قسم جوتا وغیرہ سے خرید کر کے میرے پاس بھیجدیوے کیونکہ ان ایام میں پورٹ بلیر میں دہلی کا مال تگنے چوگنے دام پر بکتا تھا مگر یہ مال راہ میں بہت ضائع ہو گیا۔ اور دہلی سے روانہ ہونے کی تاریخ سے دو برس بعد سڑ گل کر تھوڑا سا مال ۱۸۷۰ء میں میرے پاس پہنچا تھا۔ جس سے فقط ایک سو پچاس مجھ کو وصول ہوئے اور یک صد و پچاس روپیہ خسارہ ہوا۔

وہ یک صد و پچاس روپیہ بھی جب دوبارہ ایک دوست کے پاس کلکتہ واسطے منگانے اور مال کے میں نے روانہ کئے تو بنگالی بابوؤں نے مخبری کر کے وہ ہنڈی پکڑوا دی کیوں کہ میں ملازم سرکار اور مجھ کو پیشہ تجارت کرنا منع تھا۔ میں نے وہ مال ایک سوداگر کے نام سے منگایا تھا۔ اور ہنڈی ایک افسر ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کی طرف سے تھی۔ خط بطلب مال میری طرف سے لکھا

ہوا تھا۔ وہ لفافہ معہ خط اور ہنڈی کے گرفتار ہوا، اور صاحب چیف کمشنر یہاں کے سامنے پیش ہوا، بلحاظ صورت مقدمہ ضبطی ہنڈی اور میری سزا کا پورا سامان ہو گیا تھا مگر خداوند تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھ کو اور ہنڈی دونوں کو بچا لیا لیکن وہ سوداگر جس کے پاس ہنڈی بھیجی گئی تھی۔ اس کا روپیہ وصول کر کے کلکتہ سے فرار ہو گیا غرض پیشہ تجارت میرے واسطے منظور نظر الٰہی نہ تھا جس کو اس تاریخ کے بعد پھر کبھی نہیں کیا۔

بیوی کا انتقال

اس بیوی کی وفات کے بعد دو برس مجرد رہا۔ مگر بدو ٹاپو جہاں اس حالت تجرد میں میرا قیام تھا۔ عورتوں سے بھرا ہوا تھا اور میں اس ٹاپو میں افسر تھا۔ بہت سی عورتوں نے مجھ کو اپنا شکار کرنا چاہا۔ مگر حفاظت و حسنات غیبی میرے شامل حال رہی۔ کیونکہ رب العزت نے مجھ کو ہلاک نہ ہونے دیا گو میرے عہدہ کے سبب سے رات دن مجھ کو ان فاحشوں کے ساتھ ملنا پڑتا تھا، اور طرح طرح کے ایسے سرکاری کام لینا پڑتے تھے کہ وہ اکثر میرے گھر میں بھی آتیں۔ اور میرے پھنسانے کی کوشش بھی کرتیں۔ لیکن جس کو خدا بچاوے اس کو کون مارے۔

میں نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنی بیوی کو پانی پت سے پھر بلانا چاہا مگر اس وقت وہ راضی نہ ہوئی جب ایک دفعہ اس کی کچھ رضامندی بھی ہوئی تھی تو میری درخواست حاکم وقت نے نامنظور کر دی۔ اس واسطے مجبوراً کسی نیک بخت عورت سے

وہیں عقد کرنے کی صلاح ٹھیری اور اس بابت میں درگاہ الٰہی میں بھی التجا کی گئی کہ اس مقدمہ میں جیسے تجھے پسند ہو پردۂ غیب سے اسے ظاہر کر دے۔ اور کسی نیک بخت سے میرا سنجوگ کرائیو' اول بعض دوستوں کو صلاح سے یک بعد دیگرے دو پنجابی مسلمان عورتوں سے میرے نکاح کی بات چیت شروع ہوئی مگر باوجود رضامندی طرفین اور نہ ہونے کسی ظاہری مانع کے ان دونوں جگہوں کی صلاح خود بخود موقوف ہوگئی اور غیب سے وہ بات درہم برہم ہوگئی اس وقت اس موقوفی کے اسرار بظاہر معلوم نہ ہوتے تھے۔ کیوں کہ وہ دونوں عورتیں بارک میں بند رہتی تھیں۔ ان کے چال چلن پر کوئی رائے قائم نہ ہوسکتی تھی۔ مگر تھوڑے روز کے بعد جب دوسرے آدمیوں سے شادی کرکے بارک سے باہر ہوئیں' تو پوری فاحشہ اور بدکار نکلیں۔ اس وقت وہ حکمت اس کی موقوفی اور میری شادی کی معلوم ہوئی۔ اور اس حفاظت غیبی پر میں شکر الٰہی بجالایا۔ اس بابت میں کہ میں ایک صالح اور جوان عورت کا متلاشی تھا۔

دوسری شادی

ایک ہندو عورت قوم برہمن ضلع الموڑہ کی رہنے والی نئی قید ہو کر وہاں پہونچی۔ اور بارک عورات ہدوبیں ہمارے حوالہ ہوئی۔ میں نے اس کو دیکھا کہ نہایت خوش چلن اور شرمناک عورت ہے مگر پہلے سرے کی اپنے ہندو دھرم میں متعصب تھی کسی مسلمان عورت کے نزدیک کھڑا ہونا اور

کپڑا چھوئے تک گوارا نہ کرتی تھی۔ پارک کی مسلمان عورتیں اس کے تعصب سے تنگ آگئیں۔

میں نے برسبیل تذکرہ ایک روز اس سے کہا کہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو تیرے واسطے دنیا اور آخرت میں بھلا ہوگا اور آگ دوزخ سے بھی نجات مل جائے گی۔ پہلے تو یہ سوال سن کر اس کو سخت حیرت ہوئی۔ لیکن روز ازل سے اس کا مسلمان ہو کر میرے بہت سے بچوں کی والدہ کرنا مقدر ہو چکا تھا۔ اور اسی سبب سے گو وہ برہمنوں کے گھر ایسے ملک کوہستان میں پیدا ہوئی تھی۔ جہاں اب تک بھی مسلمانوں کا نام ونشان نہیں تھا مگر تو بھی ہمیشہ شرک اور بت پرستی سے بیزار رہی تھی اور کبھی بھی بتوں کی پوجا میں شریک نہیں ہوئی گو اس بیزاری کا سبب خود اس کو بھی معلوم نہ تھا۔ بلکہ اس کی وضع اور عادت کو دیکھ کر ایک جوتشی برہمن نے اس کی والدہ کو یہ خبر بھی دی تھی کہ یہ لڑکی جلد تم سے جدا ہو جاوے گی۔

ادھر اپریل ۱۸۶۸ء میں میری کشمیرن بیوی فوت ہوئی ادھر الموڑہ کے پہاڑ پر میری اس برہمنی بیوی پر ایک ناگہانی مقدمہ کھڑا ہوا اور یہ گرفتار ہو گئی۔ چنانچہ مختصر صورت اس مقدمہ کی یہ ہے کہ ایک لڑکی جو اس میری بیوی کے ساتھ باہر ایک ڈھیے کنوئیں پر کھیل رہی تھی، پاؤں پھسل کر کنوئیں میں گر کر سخت مجروح ہو گئی۔ گو اس ناگہانی آفت میں میری بیوی کا کچھ قصور نہ تھا۔ مگر ان دونوں لڑکیوں کے والدین میں سخت عداوت تھی۔ بوجہ اس عداوت کے ایک مقدمہ اقدام قتل اس بے گناہ پر کھڑا کر دیا گیا وہ زخم بھی چند روز کے بعد اچھا ہو گیا

اس سبب سے قانوناً یہ مقدمہ اس لائق نہ تھا کہ اس میں دائم الحبسی کی سزا ہو جائے۔ مگر اس حکیم اور قدیر کو اس وقت اس بیوی کا پورٹ بلیر پہنچانا اور میری بیوی کرانا منظور تھا۔ جو اس جرم میں یہ گرفتار ہو گئی۔

پہلی ہی شب گرفتاری کو بوقت سحر اس نے ایک بزرگ نورانی چہرہ بوڑھے مسلمان کو خواب میں دیکھا، جس نے اس کو ایک ٹھوکر مار کر اس سے کہا کہ اٹھ نماز پڑھ اور دعا کر تیرے واسطے قید ہونا اچھا ہوا۔ اس نے اس سے پہلے ایسی شکل اور ہیئت کبھی نہ دیکھی تھی اور نہ لفظ نماز اور دعا کبھی سنا تھا۔ گھبرا کر جاگ اٹھی اور محافظین میں جو ایک مسلمان سپاہی تھا۔ اس سے یہ خواب بیان کر کے اس سے اس کی تعبیر پوچھی۔ جس نے کہا کہ تو ضرور قید ہو کر مسلمان ہو جاوے گی۔

یہ تعبیر گو اس وقت اس کے دل پر نہایت شاق اور غیر ممکن معلوم ہوتی تھی۔ مگر بوجہ اس قبولیت ازلی اور تعبیر رویائے حقہ کی اب اس نے آخر میرے کہنے کو قبول کر لیا۔ اور مسلمان ہونے اور مجھ سے شادی کرنے پر رضامند ہو گئی۔

اتفاق حسنہ سے انہیں ایام میں رمضان شریف آگیا۔ اور میں نے ستائیسویں شب رمضان شریف کی ایک بڑا دھوم دھام کا کھانا کر کے اس کو مسلمان بنا لیا۔ اور جب ارکان اسلام اور نماز وغیرہ خوب سیکھ لی تو حاکم وقت سے اطلاع کر کے ۱۵ اپریل ۱۸۷۰ء کو اس سے نکاح کر لیا۔ صدہا آدمی میرے نکاح میں شریک ہوئے تھے اور ہمارے مولانا احمد اللہ

صاحب نے یہ نکاح پڑھایا تھا۔ دوسرے دن بڑے دھوم دھام سے اس کا ولیمہ ہوا۔

اس بیوی سے مجھ کو دس بچے پیدا ہوئے جن میں سے آٹھ بچے اس وقت تک زندہ ہیں اور یہی بیوی پورٹ بلیر سے ہند کو میرے ساتھ آئی اور بائیس برس گزشتہ اس نے نہایت رفاقت، اطاعت اور عصمت سے بسر کر دیئے۔ اور توحید و توکل میں بھی یہ بیوی لاثانی ہے۔

محمد جعفر کے خطوط اور ان پر بحث

میں نے پورٹ بلیر میں پہنچ کر چند خطوط مشعر اپنے آرام سے رہنے اور شادی کرنے اور بطور آزاد نوکری سرکار کرنے کے حاجی محمد شفیع صاحب انبالوی کو وقتاً فوقتاً لکھے تھے اور ان لوگوں کو جو دوسرے بے قصور مسلمانوں کو پھنسا کر بطور نیم رہا شدہ کے ذلت کی جوتیاں کھاتے پھرتے تھے، حسرت دلانے کے واسطے اپنی راحت اور تائید الٰہی کو خوب الفاظی مبالغہ میں بیان کیا تھا لیکن کبھی کسی خط کا جواب میرے پاس نہیں آیا۔

اس مابین میں مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ کسی نے وہ خطوط بنظر اظہار خیر خواہی سرکار میں پیش کر دیئے اور گورنمنٹ ہند تک پہنچ کر ان پر بہت بحث ہوئی اور سپرنٹنڈنٹ پورٹ بلیر سے کیفیت بھی طلب کی گئی اور قریب تھا کہ اگر فضل الٰہی میرے شامل حال نہ ہووے اور حکام پورٹ بلیر میرے واسطے بطور وکیل نہ جھگڑتے اور ان مہربانوں اور رعائتوں کو مجھ سے چھین لینا

خلاف قاعدہ عام پورٹ بلیر کے نہ ہوتا تو میرے واسطے سخت مشقت کرنے کا حکم ہو جاتا۔

یہ بھی ایک شان الٰہی اور تائید غیبی تھی کہ جان لارنس صاحب بہادر گورنر جنرل مجھ جیسے غریب قیدی حبس کے وارنٹ میں تاحیات سخت مشقت کرنے کا حکم ہو سخت مشقت کرانا چاہیئے اور وہ رب العزت ایسے جھگڑوں پر بھی مجھ کو مشقت سے بچالیوے۔

ایک یہ امر بھی تائید الٰہی سے تھا کہ جب پورٹ بلیر پہنچے۔ اس وقت وہاں کے سب حاکم مدراس احاطہ کے تھے۔ بغاوت ۱۸۵۷ء اور معرکہ وہابیوں سے کچھ بھی واقف نہ تھے۔ اس سبب سے ان کے سینے صاف اور خالی از تعصب تھے۔ انہوں نے ہمارے ساتھ کچھ تعصب نہیں کیا۔ بلکہ بوجہ خوش چلنی اور عمدہ کارگزاری کے ۱۸۷۰ء تک سب قیدیوں سے زیادہ مہربانیاں اور رعائیتیں ہمارے ساتھ ہوئیں۔

جب اول بار ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے نمک مرچ لگا کر ہمارے مقدمہ کو رائی سے پہاڑ اور رسی سے سانپ بنا دیا۔ اور لکھ دیا کہ وہابی اور باغی دونوں کے ایک ساہی معنی ہیں اور پھر بنگال کورٹ کے صاحب لوگ اس جزیرہ میں آنے لگے۔ اس وقت تو ہم لوگ ایک نشانہ ہو گئے، راہ گلی چلتے بھی ہماری طرف اشارہ ہوا کرتے تھے اور بہت سے صاحب لوگ ہمیشہ اس گھات میں رہتے کہ کوئی دفعہ اور قانونی حیلہ پاکر ہم کو تکلیف دیں لیکن جب ایسا محافظ حقیقی کسی کی محافظت کرے تو اس کو کون تکلیف دے سکتا ہے۔ میں

نے ہمیشہ دیکھا کہ جب ایک صاحب در پے تکلیف دینے ہمارے کے ہوا تو اس کے مقابل دوسرا احساب اس سے بھی بڑا ہماری مدد اور اعانت کو کھڑا ہو گیا۔

محمد جعفر پر ایک جھوٹا مقدمہ

کرنیل مین صاحب کے عہد میں[1] ایک بڑے یورپین افسر کی تحریک سے میرے اوپر ایک جھوٹا مقدمہ اعانت تصرف بے جا کا کیا گیا اور کرنیل مین صاحب سا بے تعصب حاکم مجھ سے ایسا برافروختہ ہو گیا کہ مجھ کو فوراً بذریعہ سمن عدالت میں طلب کر لیا۔ اس وقت میرے بہت دوستوں نے مجھ کو یہ صلاح دی تھی کہ جان بچانے کے واسطے جھوٹ بولنا جائز ہے تم اس مقدمہ میں اپنی لاعلمی بیان کر کے اپنی جان بچا لو مگر میں نے کہا کہ جو کچھ ہو سو ہو میں تو سچ بولوں گا۔

آخر جب مقدمہ پیش ہوا سب سے اول میں بلایا گیا، اور کرنیل صاحب موصوف میرے اظہار لکھنے لگے۔ میں نے صحیح طور پر حرف بہ حرف بیان کر دیا کہ ہاں میرے سامنے مسٹر ہیوڈ اوور سیر مدعا علیہ نے مسمی حمید خان جمعدار مدعی کی جائداد جہاں جہاں پائی۔ بطور خود ضبط کر کے آپ نیلام اور فروخت کر دی اور اس کا زرثمن آپ کھا گیا۔ میں بوجہ ہونے محرر اسٹیشن کے ضرور اس کے ہمراہ تھا۔ میرا اس قدر بیان ہونے پر مسٹر ہیوڈ سے سب روپیہ حمید خان

---

[1] کرنیل مین صاحب جزائر انڈمان پورٹ بلیر کے سپرنٹنڈنٹ ۱۶ اپریل ۱۸۶۸ء کو ہوئے اور ۱۶ مارچ ۱۸۷۱ء کو اس عہدہ سے سبکدوش ہوئے (تاریخ عجیب ۲۵۴)

مدعی کو دلایا گیا، اور ہوڈ مذکور کو جو سو روپیہ ماہوار کا اور سیر کتھا۔ نوکری سے موقوف ہوکر ان جزائر سے بدر کیا گیا۔ اور میں اپنے سچ کی برکت سے صاف بری ہو کر اپنے گھر کو چلا آیا۔

جنوری ۱۸۶۹ء میں لفٹنٹ پر اکھر و صاحب جو اس وقت کرنیل اور قائم مقام چیف کمشنر پورٹ بلیر کے ہیں کالے پانی میں اسسٹنٹ ہو کر آئے۔

بقر عید کے موقعہ پر جھگڑا

اپریل ۱۸۶۹ء میں ہماری بقر عید آئی، ایک بیل مول لے کر اپنے دستور کے موافق ہم نے قربانی کرنا چاہا۔ مگر قربانی کرتے وقت ہندوں نے بلوہ کر کے وہ بیل ہم سے چھین لینا چاہا۔ ہمارے ساتھ بھی چند آدمی تھے۔ ہم نے ان کا غیر واجبی حملہ سمجھ کر بیل نہیں دیا۔ ہندو حسب عادت خوب جوش و خروش پر تھے۔ ہم نے عین اسی وقت میں کہ جماعت ہنود بیل کی قربانی کے ساتھ ہماری قربانی کرنے کو ہمارے سر پر مسلح کھڑی تھی۔ بیل کو قربان کر دیا۔ ہم مسلمان فقط چار پانچ آدمی تھے اور ہندو دو سو نفر سے زیادہ تھے پس ایسی قلیل جماعت کو بمقابلہ اتنی کثیر اور پرجوش جماعت ہنود کے باز آنا ہی قرین مصلحت تھا مگر مذہبی جوش اور ادائے فرض نے ہم کو بھی اس فعل کے کرنے پر مجبور کر دیا۔ جب ہندوؤں کی آنکھ سامنے قربانی کا خون بہا تو اس پر بڑا بلوہ اور شور شر ہوا قریب تھا کہ وہ

جیسیں خون ہو جاویں - مگر پولیس اور افسر کے جلد پہنچ جانے پر نوبت کشت و خون کی نہ پہنچی -

ہندوؤں کی سازشیں

لیکن مقدمہ کچہری میں چلنے لگا گو ہندو بڑے مالدار صاحب اقتدار اور حکام کے منہ چڑھے تھے - مگر پراتھرو صاحب کی کوشش اور داد سے ہم لوگ بچ گئے - جیسے میرے خیالات اور سمجھ اس وقت ہے اگر اس وقت بھی ایسے ہی ہوتے تو میں بجائے اس بیل کے بکرا قربانی کرتا اور صدہا آدمیوں کے دلوں کو نہ دکھاتا -

مباش در پے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

اس وقوع قربانی کے بعد حسب عادت خود سب پورٹ بلیر کے ہندو متفق ہو گئے - اور یہ صلاح ہوئی کہ چاہے ہزاروں روپیہ خرچ ہو جائے مگر محمد جعفر کو سخت سزا کرائی جاوے - اس لئے موتی لال ایک میرے ماتحت محرر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ جس طرح ہو سکے حساب نقدی اسٹیشن میں تغیر تبدل کرا کے کوئی مقدمہ غبن اور چوری روپیہ سرکاری کا محمد جعفر پر دائر کرایا جاوے - اسی واسطے بے اطلاع میرے یہ سازش ایک ہندو رائٹر کے ایک حساب نیلام میں جو میری معرفت سے ہوا تھا قریب سو روپیہ کے غبن میرے اوپر قائم کر دیا اور فارسی اور انگریزی دونوں حسابوں سے وہ رقومات

تصدیق کرا کے بہت سے گواہ بھی تیار کر لئے گو صاحب ضلع تک در پردہ اس کی رپورٹ ہو گئی تھی مگر مجھ کو ابھی تک اس کارروائی کا کچھ علم نہ تھا۔

آخر ایک روز نیک بیگ اور سپرے نے میرے گھر پر آ کر میری کل کتابیں حساب سرکاری کی قید کر لیں۔ اس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ میرے قتل کا سب سامان طیار ہے۔ دوسرے دن اس کی دریافت و تحقیقات ہونے والی تھی۔ خیر میں نے اس کارروائی سے مطلع ہو کر اپنے رب سے دعا کی اور دار وبیر سے جس کے زیر حراست میری کتابیں تھیں سازش کر کے مخفی طور پر ایک گھنٹے کے واسطے اپنی کتابیں واپس لے لیں۔ اور اسی ایک گھنٹے کے اندر وہ کل کارروائی جعلسازی کی جو مہینوں میں طیار ہوئی تھی رفع دفع کر کے میں نے اپنا حساب ٹھیک ٹھیک طیار کر کے کتابیں پھر اوروبیر کے حوالے کر دیں۔

دوسرے دن باجلاس پرانتھر و صاحب[1] بہادر تحقیقات شروع ہوئی جب حسب نشان دہی مدعیان کتابوں میں میرا حساب دیکھا گیا تو سب ٹھیک تھا سر مو تفاوت نہ نکلا اور چونکہ پرانتھرو صاحب نے مقدمہ قربانی سے چند روز پہلے ہم کو بری کیا تھا اس نے فوراً کہہ دیا کہ یہ مقدمہ محض دروغ اسی مقدمہ قربانی بیل کی عداوت سے ہے۔ نونگالال میرے ماتحت محرر کو چھ ماہ قید سخت کی سزا دے کر اس ہندو ریٹر کو ایک درجن بیت کی سزا دی اور مجھ کو بری کر دیا۔

---

[1] اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جزائر انڈمان و پورٹ بلیر

ہندو تو مجھ پر ایسے غصہ ہو رہے تھے کہ انہوں نے کورٹ میں کھڑے کھڑے ایک دوسرا الزام چوری مجھ پر قائم کر دیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ مونگالال مذکور نے بعد پانے سزا کے ہاتھ باندھ کر پرانھرو صاحب سے عرض کیا کہ کچھ میری عرض ہے۔ صاحب نے کہا کہ کیا ہے کہو۔ تب وہ بولا کہ حضور نے جو تختہ ▌ نے چوب سرخ محمد جعفر کو واسطے بنوانے بازار کے دیئے تھے۔ اس نے ان تختوں سے اپنے گھر کے دروازے اور تخت پوش و صندوق بنوا لئے اور بازار میں نہیں لگائے۔ اگر حضور اسی وقت تکلیف کریں تو میں وہ سب چیزیں محمد جعفر کے گھر سے پکڑوا دوں۔

جب یہ بیان ہو رہا تھا۔ میں سر نیچے کئے ہوئے خداوند تعالےٰ سے دعا کرتا تھا کہ اس آفت سے بچانا بھی تیرا ہی کام ہے۔ کیونکہ جن جن چیزوں کا اس نے نام لیا تھا وہ سب میرے گھر میں موجود تھیں۔ اور اس وقت اگر حاکم مجھ سے سوال کرتا۔ تو میرے خیال میں میرے نزدیک سوائے ہاں کے کوئی جواب نہ تھا۔ لیکن اس مقلب القلوب کی قدرت کو سنئے بعد غور سے سننے اس عرض اور دعویٰ کے پرانھرو صاحب نے مونگالال سے کہا کہ وہ تختہ ہم نے اس کو دیا ہے۔ تم کو اس میں مخبری کرنے کا کیا اختیار ہے۔ اسی دم اس کو عدالت سے باہر نکلوا دیا اور مجھ سے فرمایا کہ تم گھر جاؤ اور ہوشیار رہو۔

۱۸۶۹ء میں ایک رات کو جب کہ میرے گھر میں قریب پانچ سو روپیہ کے سرکاری روپیہ تنخواہ قیدیان اسٹیشن ہدو کا رکھا ہوا تھا میرے

گھر کی کھڑکی توڑ کر ایک چور میرے مکان میں اندر گھس آیا اور بتی کو جو میرے پلنگ کے نزدیک جلتی تھی بجھا دیا۔ ایک چھوٹا سا صندوقچہ روپیہ سے بھرا ہوا میری پائینتی کے پاس رکھا تھا۔ میں غافل سوتا تھا میرا ایک نوکر مراد نام دوسری کوٹھری میں تھا۔ اس وقت چور کو وہ صندوق اٹھا لیجانے کو کوئی چیز مانع نہ تھی۔ لیکن قدرت الٰہی سے یک بیک میری آنکھ کھل گئی میں نے اندھیرا دیکھ کر اور کچھ آہٹ پا کر اپنے نوکر مراد کو بلایا تو چور خالی ہاتھ نامراد ہو کر اسی دم بھاگ گیا اور اس رب العزت نے میری عزت رکھ لی بشرط چوری ہو جانے اس سرکاری روپیہ کے بظاہر میری سخت خرابی اور بربادی تھی۔

مارچ ۱۸۶۳ء میں میں نے یک صد پچاس روپیہ کی ایک ہنڈی ازطرف مسٹر ردپپ اسٹراپ صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنام منشی غلام نبی صاحب خزانہ کلکتہ پر واسطے منگانے بعض ضروری سامان اپنی شادی کے بھیجنا چاہا تھا اور وہ مال بھی ایک دوسرے سوداگر کے نام سے منگانا تجویز کیا تھا۔ کیونکہ میں ملازم سرکار تھا۔ مجھ کو نہ ہنڈی بھیجنے کا اختیار تھا اور نہ مال منگانے کا۔ یہ سب کارروائی ناجائز مخفی طور پر کی گئی تھی۔

جب میں نے خط معہ ہنڈی ڈاک میں ڈالا تو ہندو میرے دشمنوں کو بھی اس حال کی کسی ذریعہ سے خبر ہو گئی۔ انہوں نے کرنیل ینگ صاحب چیف کمشنر سے مخبری کر کے فوراً اس خط اور ہنڈی کو پکڑوا دیا اور تجویز ہوئی کہ

سوائے ضبطی اس زر ہنڈی کے مجھ کو سزا بھی ہو گی۔ جب مجھ کو اس گرفتاری خط اور ہنڈی کی اطلاع ہوئی تو جناب الٰہی میں التجا کر کے پراتھرو صاحب سے جا کر سارا حال بیان کیا۔ اور وہی مقدمہ قربانی اس عداوت کا سبب ظاہر کیا۔ پراتھرو صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم کچھ فکر نہ کرو۔ میں کرنیل مین صاحب سے ملاقات کر کے اس کا حال دریافت کروں گا۔ غرض پراتھرو صاحب کرنیل صاحب موصوف کے بنگلے پر گئے اور ان سے ملاقات کر کے میری ہنڈوی اور خط دونوں واپس لے آئے اور مجھ کو لا کر دیدیا اور فرمایا کہ ہندو تمہارے دشمن ہیں تم ہوشیاری سے کام کرو۔

مولوی محمد حسن کا انڈمان پہنچنا

اگست ۱۸۶۸ء میں یہ عاجز بطور کچہری صاحب چیف کمشنر بہادر میں جزیرہ ہدو سے صدر مقام جزیرہ روس کو تبدیل ہو گیا۔ مئی ۱۸۷۱ء میں جب میں جزیرہ روس میں تھا مولوی محمد حسن صاحب ہم لوگوں کی ملاقات کو پٹنہ سے پورٹ بلیر کو آئے اور ایک مہینے تک رہ کر پھر اپنے ملک کو واپس تشریف لے گئے۔

ایک دن جب مولوی محمد حسن صاحب بڑے ذوق شوق سے کشتی میں سوار ہو کر جزیرہ روس سے جزیرہ وائپر کو مولوی احمد اللہ صاحب کی ملاقات کے واسطے جا رہے تھے۔ راستے میں وہ کشتی طوفان میں پڑی اور قریب تھی کہ ڈوب جاوے۔ اس وقت اپنے ڈوبنے سے زیادہ مولوی محمد حسن صاحب

گو یہ افسوس تھا کہ مولوی احمد اللہ صاحب کی زیارت بھی نصیب نہ ہوئی۔ لیکن یہ فقط آزمائش الٰہی تھی۔ چند جھونکوں کے بعد طوفان رفع ہو گیا اور مولوی صاحب موصوف بخیریت ویر پہنچ گئے۔ اور مولوی احمد اللہ صاحب سے ملاقی ہوئے۔

ہماری گرفتاری کے بعد انگریزوں نے مولوی محمد حسن کو بھی پھنسا کر کالے پانی بھیجنا چاہا تھا۔ مگر فضل الٰہی اور حکمت ربی سے وہ محفوظ رہے۔ لیکن اللہ رب العزت نے اس طرح پر بھی کالے پانی تک پہنچا کر اور بعض مصائب بحری میں ڈال کر کالے پانی والوں کے اجر میں شریک کر دیا۔

مارچ سنہ ۱۸۷۱ء میں کرنیل مین صاحب چیف کمشنر پنشن پا کر ولایت کو گئے۔ اور اکتوبر سنہ ۱۸۷۱ء میں جنرل اسٹوارٹ صاحب جو اخیر میں جنگی لاٹ ہند کے ہو گئے تھے۔ چیف کمشنر ہو کر انڈمان کو تشریف لائے۔ اسی صاحب کے عہد میں حسب ایما لارڈ میو صاحب بہادر کے پورٹ بلیر میں کھنڈاروہ کا کھانا قیدیوں کے واسطے مقرر ہوا اور لارڈ میو صاحب کا بنایا ہوا وہ قانون بھی جاری ہوا جس سے پورٹ بلیر کی قید ہندوستان اور ولایت کے جیل خانوں سے بھی زیادہ سخت ہو گئی۔

لارڈ میو گورنر جنرل کا انڈمان جانا

۸ر فروری سنہ ۱۸۷۲ء کو لارڈ میو[1] صاحب کا قتل بھی اس سپرنٹنڈنٹ

---

[1] لارڈ میو جنوری ۱۸۶۹ء میں گورنر جنرل ہند ہوا اور فروری [illegible] (بقیہ [illegible])

کہ عہد جلیلہ ہوا جس کو بطور ہدیہ مختصر ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

لارڈ میو صاحب بہادر ۸ فروری ۱۸۷۲ء کو سات بجے کے بعد معہ چار اگنبوٹوں کے جزیرہ انڈمان میں رونق افروز ہوئے۔ صدہا صاحب لوگ اور عظیم واسطے سیر جزائر ہذا کے لارڈ صاحب کے ساتھ تھے آٹھ بجے کے بعد گورنر صاحب معہ چند ہمراہیان خود جہاز سے اتر کر جزیرۂ روس میں جو صدر مقام پورٹ بلیر کا ہے۔ شرف افروز ہوئے۔

اترنے کے وقت لارڈ صاحب کے واسطے ۲۱ ضرب توپ کی سلامی ہوئی اس وقت ہزار مل مرد عورت آزاد اور قیدی اس نظارے کے واسطے گھاٹ جزیرہ روس پر حاضر تھے۔ لارڈ صاحب بہادر ٹاپو میں اترنے کے ساتھ ہی بازار روس آئی لینڈ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسکول و بازار و ہسپتال و بارک ہائے قیدیان و بارک ہائے جنگی پلٹن کا ملاحظہ کر کے چیف کمشنر صاحب

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) قتل ہوا۔ صورت یہ ہوئی کہ اس زمانے میں سٹلمنٹ انڈمان اور پورٹ بلیر کی انتظامی حالت خراب تھی۔ حکام خودسر اور خود رائے تھے لارڈ میو نے یہاں کے انتظام کو درست کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ چنانچہ سٹلمنٹ کے انتظام کا ایک مکمل لائحہ عمل مرتب کیا گیا اور اس کو عملی شکل دینے کی غرض سے لارڈ میو نے سپرنٹنڈنٹ کو خاص ہدایات دیں اور اس کی دلچسپی یہاں تک بڑھی کہ وہ خود جزائر انڈمان و پورٹ بلیر کا انتظام دیکھنے آیا مگر کسے معلوم تھا کہ یہ سفر اس کے لئے سفر آخرت ہوگا۔

انڈمان کے بنگلہ پر تشریف لے گئے اور وہاں ٹفن تناول فرما کر اور تھوڑا آرام کر کے گورہ بارک کا ملاحظہ کیا اور پھر پنے اگنبوٹ کو دیکھتے ہوئے ویپر آئی لینڈ کو جہاں بدمعاش قیدی جیل میں رہتے ہیں۔ شرف افزا ہوئے اور بعد ملاحظہ ویپر کے جزیرہ چاٹم کو واپس آئے۔

جزیرۂ چاٹم مابین راہ جزیرہ روس اور جزیرہ ویپر کے مونٹ ہریٹ پہاڑ کے قریب واقعہ ہے۔ چاٹم میں ایک دخانی آرہ گھر ہے۔ یہاں ایک لال لکڑی کے تختہ کو لارڈ صاحب نے بہت پسند کیا۔ چاٹم میں پھرتے پھرتے یک بیک لارڈ صاحب کے دل میں آیا کہ اسی وقت مونٹ ہریٹ پہاڑ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ پرائیویٹ سکریٹری اور چیف کمشنر صاحب نے بوجہ غیر وقت ہو جانے کے اس دن مونٹ ہریٹ کو جانے سے بہت اصرار سے ان کو منع کیا لیکن لارڈ صاحب نے نہ مانا۔ یوں کہو کہ موت نے ان کو نہ ماننے دیا۔

لارڈ میو کا قتل

چاٹم سے سوار ہو کر ہوپ ٹون میں جو زیر پائے کوہ مونٹ ہریٹ کے آباد ہے پہنچے۔ اس ٹاپو میں شیر علی نام ایک آفریدی قیدی مدت دراز سے ایک چھری واسطے قتل کرنے کسی افسر اعلیٰ کے تیار کر کے منتظر بیٹھا تھا۔ جب لارڈ صاحب کی کشتی ہوپ ٹون میں پہنچی تو شیر علی مذکور اپنی چھری ہمراہ لے کر آن پہنچا۔ ہوپ ٹوپ سے لارڈ صاحب کے ہمراہ تھا۔ مگر راستہ میں کہیں

اس کا داؤ نہیں چلا اور لارڈ صاحب بخیریت تمام پہاڑ پر پہنچ گئے۔ اب وقت غروب آفتاب کا آگیا تھا لارڈ صاحب نے وہاں بیٹھ کر سمندر میں غروب آفتاب کا تماشا دیکھا اور فرمایا کہ ایسا خوبصورت نظارہ میں نے اپنی ساری عمر میں کبھی نہیں دیکھا۔

جب اندھیرا ہوگیا تو مشعلوں کی روشنی میں نیچے اترنے لگے۔ اس وقت ایک مسلح جماعت پولیس لارڈ صاحب کے چاروں طرف تھی اور چیف کمشنر صاحب اور پرائیویٹ سکریٹری لارڈ صاحب کے دائیں بائیں بدن سے بدن ملائے ہوئے چلتے تھے اور دوسرے بیسیوں افسران کے پیچھے پیچھے تھے۔ اترائی میں بھی لارڈ صاحب بخیریت تمام ہوپ ٹاؤن کے گھاٹ تک پہنچ گئے۔

جب گھاٹ پر ایک گاڑی کے نزدیک جو وہاں اس دن کھڑی تھی پہنچے۔ چیف کمشنر صاحب لارڈ صاحب کی اجازت لے کر کسی ضرورت کے واسطے پیچھے کو ہٹ گئے اور لارڈ صاحب مع پرائیویٹ سکریٹری آہستہ آہستہ چلے جاتے تھے اس وقت اس گاڑی کی آڑ میں ایک آدمی نے مثل شیر کے کود کر لارڈ صاحب کو دو زخم کاری ایک چھری سے ایسے لگائے کہ لڑکھڑا کر لارڈ صاحب سمندر میں جا پڑے اس گڑبڑ میں مشعلیں بھی سب گل ہوگئیں مگر ایک دوسرے قیدی نے جرات کر کے قاتل کو پکڑ لیا ورنہ وہ

لہ۔ کوتانی پیادہ کا ایک قیدی ارجن نامی تھا جس نے لارڈ میو کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور دو چار کو مارتا۔ لارڈ صاحب کو سمندر سے نکالا اور اسی گاڑی پر لٹایا وہ تو ایک دو بات کرکے راہی ملک بقا ہوئے۔

شیر علی کو پھانسی

جب قاتل سے پوچھا کہ تم نے یہ کس واسطے کیا اس نے کہا کہ میں نے خدا کے حکم سے کیا ہے پھر پوچھا کہ تمہارا کوئی شریک ہے تو جواب دیا کہ خدا میرا شریک ہے بعد تحقیقات ضابطہ منظوری ہائی کورٹ بنگال کے قاتل کو پھانسی کا حکم ہوا۔

یہ قاتل شیر علی نام ضلع پشاور کا ایک پہاڑی افغان تھا۔ اس نے کہا کہ ۱۸۶۹ء سے میرا ارادہ تھا کہ کسی بڑے افسر انگریز کو ماروں گا۔ اس واسطے چند سال سے میں نے یہ چھرا تیار کرکے رکھا تھا۔ جب ۸ر فروری ۱۸۷۲ء کو لارڈ صاحب آئے اور ان کی سلامی ہوئی تو میں نے دوبارہ اس چھرے کو تیز کیا میں تمام دن اس تاک میں رہا کہ میں کس طرح اس ٹاپو میں پہنچوں جہاں لارڈ صاحب پھرتے ہوئے مجھ کو ملیں۔ مگر مجھ کو وہاں جانے کی رخصت نہ ملی۔ تقدیر، شام کے وقت جب میں مایوس ہو گیا تھا لارڈ صاحب کو میرے

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) قاتل شیر علی کو پکڑ لیا اس کے صلے میں الرحمن کی رہائی ہوئی اور اس کو نقد انعام اور عمدہ نوکری ملی۔

پورٹ بلیر (تاریخ عجیب ص ۷۳)

گھر لے آئی۔ میں پہاڑ پر بھی لارڈ صاحب کے ساتھ گیا تھا اور ساتھ ہی واپس آیا مگر جانے اور آنے میں اور پہاڑ کے اوپر کہیں مجھ کو ایسا موقع نہیں ملا تب میں اس گاڑی کی آڑ میں آکر چھپ رہا۔ یہاں سے میری مراد دلی پوری ہو گئی۔

یہ شخص گو ضعیف الجثہ اور پستہ قد بدرو آدمی تھا۔ مگر بڑا شہ زور اور دلیر آدمی تھا پھانسی پڑنے کے وقت تک وہ کچھ ہراساں نہیں ہوا۔ پھانسی کے اوپر چڑھ کر اس نے باآواز بلند قیدیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بھائیو میں نے تمہارے دشمن کو مار ڈالا اور تم گواہ ہو کہ میں مسلمان ہوں اور پھر کلمہ پڑھنے لگا اور کلمہ پڑھتے پڑھتے ہی اس کی جان جسم سے پرواز کر گئی[1]

یہ وقوعہ قتل لارڈ صاحب کا ایک ایسے ادنیٰ قیدی کے ہاتھ سے ہونا ایک نمونہ قدرت الٰہی کا تھا ورنہ کہاں گنگو تیلی اور کہاں راجہ بھوج

---

[1] اس سلسلے میں مولوی محمد جعفر تھانیسری کا یہ بیان بھی قابل ذکر ہے۔

"بہت سے خوشامدی مسلمان اور دنیا پرست مولویوں نے واسطے سزا اس قاتل کے اس بات کا فتویٰ دیا تھا کہ ان کی لاش جلا کر اس کی راکھ سور کی کھال میں بھری جاوے یا وہ زندہ ہی جلا دیا جاوے اور اس قسم کے دوسرے سخت عذاب اس پر کئے جاویں۔" (تاریخ عجیب ص ۸۲)

جب موت آئی تو صدہا محافظ کرچوں والے اور وہ اَن گنت مسلح پولیس والے
اور وہ بند و بست اور خبرداریاں کچھ کام نہ آئیں وہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے
کسی کو اس کی قدرت میں دخل نہیں۔

اس سے ایک مہینہ پہلے ایک دوسرے پشاوری افغان نے چیف
جسٹس نارمن صاحب کو اسی طرح کلکتہ میں چھرے سے مار ڈالا تھا۔ اب
چاہئے تھا کہ بعد ایسے واقعات وحشت اور عبرت انگیز کے انگریز لوگ
پٹھانوں کے دشمن ہو جاتے۔ مگر میں نے دیکھا کہ پہلے سے دو چند پٹھانوں
کی خاطرداری صاحب لوگ کرنے لگے اور بچارے افغانوں کے بدنصیب
وہابیوں کے اور زیادہ دشمن ہو گئے تو میں نے سمجھا کہ مارنے والے سے
ہر کوئی ڈرتا ہے اور غریب پر ہر کوئی شیر ہو جاتا ہے۔

ایشری پرشاد کا مجاہدین کو پھنسانے انڈمان پہنچنا

اس سے زیادہ تعجب ہم کو اس وقت ہوا کہ جب بعد اس دفعہ قتل
لارڈ صاحب کے ملیٹ صاحب کمشنر پولیس کلکتہ اور لالہ ایشری پرشاد
ہمارے پرانے دوست جو پہلے ہم غریبوں پر گپ شپ لگا کر سارجنٹ سے
ڈپٹی کلکٹر ہو گئے تھے اور چند دوسرے نامی نامی افسر پولیس ہند سے یہ
بیڑہ اٹھا کر پورٹ بلیر میں پہنچے کہ ہم اس مقدمہ میں وہابیوں کو ضرور
پھنسا دیں گے۔ مگر فضل الٰہی سے اس وقت پورٹ بلیر میں جنرل
اسٹوارٹ صاحب اور پرائھرو صاحب لیسے ہوشیار اور بیدار مغز افسر

ہمارے حالات اور چلن اور اس قتل کی کیفیت اور قاتل کے حالات سے بخوبی واقف موجود تھے۔ اس سبب سے اس مرتبہ ایشری پرشاد کا ٹکار خالی گیا ورنہ اس نے پورٹ بلیر میں پہنچتے ہی مثل سابق جھوٹے گواہ بنانے شروع کر دیئے تھے۔ مگر جنرل اسٹوارٹ صاحب نے کہا کہ ہم ان وہابیوں سے بخوبی واقف ہیں اور ایسی ناجائز کارروائی جھوٹی شہادت تیار کرنے کی ہم اپنے علاقہ میں نہ ہونے دیویں گے۔ اس سبب سے اس رب العزت نے اس ناگہانی آفت سے بھی ہم کو محفوظ رکھا اور جو اصل مجرم تھا وہ سزا پا گیا۔

مولوی محمد جعفر کا انگریزی سیکھنا

پورٹ بلیر میں پہنچ کر بھی تا وقوعہ قتل لارڈ میو صاحب میں انگریزی سے واقف نہ تھا۔ ۱۸۷۲ء میں رام سروپ نام ایک انگریزی خواں کی ترغیب سے ایک برس کی محنت میں مجھ کو انگریزی بولنے اور لکھنے پڑھنے میں خوب مہارت ہو گئی۔ چونکہ میں صاحب لوگوں کو اپنی فرصت کے اوقات میں فارسی اردو، ناگری وغیرہ زبانیں سکھلایا کرتا تھا ان کے ساتھ رات دن بات کہنے اور ان کے سبقوں کو انگریزی میں ترجمہ کر کے سمجھانے اور ان کے تحریری ترجموں کو صحیح کرنے کے سبب سے روز بروز میری استعداد انگریزی بڑھ چلی اور وہاں اس وقت تک بوجہ قلت کاتبوں کے ملازمان سرکاری کو عرائض و اپیل نویسی کی بھی ممانعت نہ تھی۔ پھر میں نے عرضی و اپیل بھی

انگریزی زبان میں لکھنے شروع کر دیئے تھے جس میں سوائے ترقی استعداد علمی کے ہزاروں روپیہ کا فائدہ بھی مجھ کو ہوا۔ یہی دو پیشے یعنے معلمی صاحبان اور عرائض نویسی تھے۔ جس میں مجھ کو سو روپیہ ماہوار سے کم نہ ملتا تھا۔

چونکہ میرے سوا وہاں کوئی مسلمان انگریزی خوان نہ تھا۔ میں نے بڑے بڑے اہم مقدمات اہل اسلام میں ان کو ہمیشہ ہمیشہ بڑی بڑی مدد دی اور بڑی بڑی آفتیں اور الزام مسلمانوں پر سے ٹلوا دیئے اس علم کے ذریعہ سے میں نے لوگوں کو بہت بڑا نفع پہنچایا جس کو مدت تک وہاں کے لوگ بھول نہ جاویں گے اور جن لوگوں کی پھانسیاں میری انگریزی دانی سے موقوف ہوئیں اور جان بچ گئی وہ تو تا زیست اس احسان کو فراموش نہ کریں گے اور یہ بات بھی ایک بڑے تعجب کی ہے کہ جس دن میری رہائی کا حکم پہنچ کر مشتہر ہوا اسی دن ملازمان سرکاری کو عرضیوں کا لکھنا بھی قطعی منع ہو گیا جس سے ظاہر کیا کہ وہ اجازت بھی فضل الٰہی سے مثل دوسرے نعمار ربی میری ہی ذات کے واسطے تھی اب اگر کوئی ملازم سرکار بھولے سے بھی عرضی لکھ دیوے تو اسی دن اپنے عہدے سے برخاست ہو جاوے۔

میں نے انگریزی سیکھ کر بڑے بڑے کتب خانوں کی سیر کی اور ہر علم اور ہنر کی صدہا کتابیں دیکھیں دنیا کی کوئی زبان ایسی نہ ہوگی جسکی صرف و نحو انگریزوں نے نہ لکھی ہو اور کوئی ملک ایسا نہ ہوگا جس کی تاریخ نہایت شرح و بسط کے ساتھ انگریزی زبان میں نہ ہو انگریزی زبان علم اور

فنون کا گھر ہے جو انگریزی نہیں جانتا وہ بلاشبہ دنیا کے حالات سے بخوبی ماہر نہیں ہے اور بے انگریزی سیکھے پکا دنیادار و طرار نہیں ہو سکتا اور نہ سوائے اس زبان کے آج کل کوئی آلہ زر کمانے کا ہے۔

جس دن یہ زبان دنیوی فوائد سے بھری ہوئی ہے اس سے زیادہ دین کے واسطے مضر بلکہ سم قاتل ہے۔ کوئی جوان لڑکا جس نے پہلے قرآن اور حدیث اور سلوک راہ نبوت میں خوب مہارت اور مشق نہ کری ہو اگر اس زبان کو سیکھ کر میری طرح ہر قلم اور ہر علم کی کتابیں کا مطالعہ کرے گا۔ ضرور پرلے سرے کا بے حد آزاد، بد دین، بے ادب، ملحد ہو جاویگا۔ بلکہ ایسا بے دین اور ملحد ہو گا کہ جس کا سنورنا محال کیا بلکہ غیر ممکن ہے۔

مغربی علوم کا ملحدانہ اثر

مگر فقط زبان انگریزی کا سیکھنا اتنا مضر نہ ہو گا۔ صرف کتب بعض علوم کی جو تعلیم انبیا کے خلاف ہیں ایک ایسے شخص کو جو اصول مذہب اسلام پوری طرح واقف نہیں ہے۔ ضرور بد دین اور ملحد کر دیوں گی اور ایسے شکوک اس کے دل میں پیدا ہوں گے کہ تا مرگ جن کا نکلنا محال ہے اور وجہ اسی مرض یا موت قلب کے اداے عبادت میں بھی، بہت سست ہو جاویگا اور گو ظاہر میں وہ دعوی اسلام کا کرے۔ مگر فردا اسلام سے اس کا نام خارج ہو جاوے گا۔

اب باوجود میری اس دینداری کے پہلے میرا ہی حال سن لیجئے

کہ اس علم کی بدولت مجھ پہ کیا کیا اثر ہوئے اسی علم کی بدولت میری نماز تہجد جس کا میں بچپن سے عادی تھا یک قلم چھوٹ گئی تھی۔ رات کو حسب عادت خود ہیں جاگ پڑتا تھا۔ مگر دو بجے شب سے فجر تک چارپائی پر بیٹھا رہتا۔ ہرگز ہمت نہ ہوتی کہ اٹھ کر وضو کروں یا نماز پڑھوں۔ نہ جمعہ میں نہ جماعت میں شامل ہوتا نہ قرآن حدیث پڑھنے اور سننے کو راغب ہوتا۔ ہر وقت انگریزی دیکھنے کو دل چاہتا کوئی گھڑی انگریزی کتاب پڑھنے سے خالی نہ رہتا۔ رمضان بھر میں چاہتا کہ تلاوت قرآن مجید کی کروں اور قرآن مجید کھول کر پڑھنے کو بھی بیٹھتا مگر پڑھا نہ جاتا زبان پر ثقل ہو جاتا جو دعائیں ہاتھ اٹھا کر گھنٹوں تک مانگا کرتا تھا اب اس خواب خرگوش میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ ہاتھ اٹھا کر چار کلمے بھی زبان سے ادا نہ ہوتے تھے ہاتھ خود بخود گر جاتے تھے ان ایام میں فقط فرض نماز پنجگانہ میں پڑھا کرتا تھا اور اس کا ادا کرنا بھی پہاڑ سے زیادہ سخت تھا اور قریب تھا کہ میں فرض نماز روزہ کو بھی جواب دیدوں اور اس کے چھوڑ دینے اور عبث ہونے کے دلائل بھی شیطان مجھ کو تعلیم کیا کرتا تھا۔

قرآن مجید بقدر تین پارہ کے مجھ کو حفظ یاد تھا اس میں سے فقط اخیر کی چند سورتیں یاد رہ گئیں تھیں اور باقی سب بھول گیا تھا۔ صدہا حدیثیں بھی مجھے حفظ یاد تھیں وہ بھی گویا دل سے کسی نے دھو ڈالیں تھیں۔ روز بروز ان برے عقائد اور زشت اعمال سے دل پر زنگ جمتا چلا جاتا تھا اور یہاں تک میرا دل روگی اور مریض ہو گیا تھا کہ اس پر نزع کی حالت تھی اور

قریب تھا کہ دل مردہ ہو جاوے۔ اور طرہ یہ کہ اس حالت میں بھی شیطان ایسی ایسی وجوہات میرے دل پر نقش کیا کرتا تھا کہ میں اپنی اس حالت کو بھی سب سے بہتر جانتا اور سمجھتا تھا کہ فقط اقرار کلمہ کا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جنت میں جانے کو بس ہے یہ تکالیف شرعی سب بے فائدہ ہیں۔

یہ بھی مجھ کو یاد ہے کہ گاہے گاہے حق تعالیٰ جو شیطان کا اصل مطلب ہے وہ بھی مجھ کو القا کیا کرتا تھا اور جب کبھی میں ملحدا ور دہریوں کے دلائل کو دیکھتا تو خواہ مخواہ دل اُن کو قبول کرنا چاہتا۔ غرض مجھ میں اور کفر میں فقط چند انگشت کا فرق باقی تھا اور قریب تھا کہ میں اُس میں گر جاؤں اور یہ کیفیت کوئی ایک دو دن نہیں رہی مگر بوجہ اجتبار ازلی یا نیک اعمال سابقہ کے میں اپنے کو ہالک اور گمراہ سمجھ کر یہ دعا بھی اکثر مانگا کرتا تھا کہ اے آنکھ والے مجھ اندھے کا ہاتھ پکڑ۔

آخر عنایت الٰہی اور تربیت واہبی نے پھر جوش مارا کہ دسمبر ۱۸۸۰ء میں یہ خاکسار یک بیک بعارضۂ ایک سخت دنبل کے جو میری جانگھ پر نکلا تھا بیمار شدید ہوا۔ جس سے کھانا پینا سب چھوٹ گیا ڈیڑھ مہینے تک اس سے میروں پیپ جاری رہی پانچ ہفتہ تک میں ہسپتال پڑا رہا مرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا۔ دوست آشنا سب مایوس ہو گئے تھے۔ اس حالت مرض میں یہ خاکسار بہت گڑگڑایا اور اپنی گزشتہ حالت سے منفعل ہو کر پورا پورا تائب ہوا اور عہد کیا کہ اس مرض سے شفا پاتے ہی نماز تہجد بھی شروع کروں گا اور قرآن اور حدیث کا مطالعہ بھی کیا کروں گا۔

مجھ کو اسی وقت آثارِ قبولیت دعا کے مقبول ہو گئے اور اسی گھڑی سے دل کی حالت پلٹ گئی آثارِ رحمت اور تربیت وہیں کے ظاہر معلوم ہونے لگے بھولا ہوا قرآن اور حدیث اور ادعیہ ماثورہ آپ سے آپ یاد ہونے لگ گئیں نماز اور دعا میں لذت اور حلاوت پانے لگا۔ تب میں سمجھا کہ یہ بیماری محض میری اصلاح اور تربیت کے واسطے ہی تھی۔ ہسپتال سے واپس آکر میں نے پھر از سر نو حدیث اور تفسیر پڑھنا شروع کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں میری حالت پہلے سے بھی اچھی ہو گئی۔

پھر میں نے خیال کر کے دیکھا کہ جب قرآن و حدیث کے پڑھنے سے طبیعت گھبراتی تھی اور زبان پر ثقل ہو جاتا تھا اور ایک دو آیت پڑھنا بھی محال اور دشوار تھا وہ اب میں دن بھر بیٹھ کر پڑھتا ہوں اور اس کے پڑھنے سے طبیعت کو سرور اور دل کو لذت ہوتی ہے اور وہ دعا میں کے واسطے ہاتھ اٹھانا محال تھا اب گھنٹوں مانگنے سے بھی سیر نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور اطاعت کی توفیق دینا یہ بھی ایک اس کا فضل ہے جس کو چاہے دیوے اور جس کو چاہے نہ دیوے۔

مجاہدین کے خلاف سرکارِ ہند کی معاندانہ پالیسی

جو آگ گرفتاری و بیان ۱۸۶۳ء میں تھانیسر میں روشن ہوئی تھی اس کو روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ خود ہمارے مسلمان اور ہندو بھائی بجائے

بجھانے کے اس میں تیل اور تار پین ڈال کر بڑھاتے گئے آخر کو ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے تو ہزاروں من ولایتی بارود اور کروسین آئیل اس میں ڈال دیا اور ہماری سرکار کو یہاں تک بھڑکایا کہ صادق پور پٹنہ کے وہ مکانات جن میں قافلہ کے لوگ ٹھہرا کرتے تھے وہ مکانات سکنی ان فرضی باغیوں کے کھدوا کر پھینکوا دیئے مگر اس پر بھی سرکار کا دل ٹھنڈا نہ ہوا[1]

پٹنہ اور بنگال میں گرفتاریاں

۱۸۶۲ء کے اخیر تک پٹنہ اور بنگال میں سلسلہ گرفتاری بے گناہوں کو جاری رکھا بیچارہ امیر خاں سوداگر چرم اور مولوی تبارک علی وغیرہ

---

[1] علمائے صادق پور کے مسکونہ مکانات اعظیم الشان حویلیاں یہاں تک کہ قبریں تک کھود کر پھینک دی گئیں مولوی مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں.

"داوننشا کی سفارش کے بموجب مکانات بھی زمین کے برابر کر دیئے گئے اور اب وہاں پر پٹنہ کی سٹی میونسپلٹی کی عمارت قائم ہے ۱۹۳۴ء کے زلزلے میں اس کی دوبارہ مرمت ہوئی مگر تاریخ قائم شدہ ۱۸۶۵ء (ESTABLISHED 1865) اس پر درج ہے میونسپلٹی کے باہر چھوٹا سا بازار بھی ہے" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ۱۴۲، ۱۴۳) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بہت سے آدمی پٹنہ میں پکڑے گئے۔ مولوی امیر الدینؒ صاحب کو پنبہ میں جا کر پکڑا اور ایک بوڑھے اور ضعیف شخص ابراہیم منڈل کو اسلام پور میں اور اپنے معمولی اور پرانے گواہوں سے جو چاہا گواہی دلوا کر بے چاروں کو کالے پانی کو روانہ کیا۔

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) مولوی عبدالرحیم مرحوم لکھتے ہیں۔

"انڈمان سے رہا ہو کر صادق پور گیا تو وہاں دیکھا کہ ہم لوگوں کے مکانات کل منہدم کر کے دست میدان بنا دیا گیا ہے اور اس پر بازار اور میونسپلٹی کے مکانات بنا دیئے گئے ہیں میں نے چاہا کہ اپنے خاندانی مقبرہ کو کہ جہاں چودہ پشت سے ہمارے آباؤ اجداد دفن ہوتے چلے آئے تھے جا کر دیکھوں اور خصوصاً اپنے والدین ماجدین غفرالله لہما کے مزار کی زیارت کروں اور اس پر دعائے مغفرت اور فاتحہ پڑھوں مگر ہرچند کوشش کی پتہ نہ ملا بعد تجسس و تفحص بسیار و غور و فکر کے قرینہ سے معلوم ہوا کہ حضرت والدین ماجدین کی قبریں کھود کر اس پر بنائے عمارت میونسپلٹی بنا دی گئی ہے" (تذکرہ صادقہ)

لہ پٹنہ میں پہلا مقدمہ سازش ۱۸۶۵ء میں ہوا جس میں مولوی احمد اللہ ماخوذ ہوئے دوسرا مقدمہ ۱۸۷۱ء میں ہوا جس میں سات ملزم ۱۔ امیر خاں

اور امیر خاں کی جائداد سے اپنا کل خرچہ پورا کر لیا اگرچہ اس امیر خاں کو باوجود دائم الحبس کے چار برس بعد گورنمنٹ نے مفت کا احسان رکھ کے چھوڑ دیا اور ایک حبہ جائداد منضبطہ سے واپس نہ دیا۔ اگر چار برس پہلے الزام سے بری ہو کر چھوٹ جاتا تو اپنی جائداد منضبطہ بھی سرکار سے واپس لے لیتا۔ اس تعصب اور مفت کے احسان کی طرف غور کر کے دیکھئے کہ اگر امیر خاں مذکور ایسا بھاری مجرم تھا جیسا کہ ملاحظہ مسل مقدمہ سے ثابت ہے تو ایسے بھاری مجرم کو چار برس بعد کیوں رہا کر دیا اور اگر وہ قصوروار نہیں تھا جیسا کہ اس کی جلدی رہائی سے ظاہر ہے تو کس واسطے اتنے بھاری اہتمام سے اس کو قید کر کے اسکی جائداد ضبط کی تھی۔

مارچ ۱۸۷۲ء میں مولوی تبارک علی صاحب اور مولوی امیر الدین

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) (۲) مبارک علی (۳) حشمداد خاں (صحیح نام حشمت داد خاں ہے) (۴) تبارک علی (۵) پیر محمد (۶) حاجی دین محمد اور (۷) امین الدین ماخوذ ہوئے حشمت داد خاں اور پیر محمد پر جرم ثابت نہ ہوا وہ رہا ہوئے باقی سزایاب ہوئے۔

(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۵۸ و سرگزشت مجاہدین ص ۴۲۲-۴۲۳)

[۱] مولوی امیر الدین مالدہ کے مقدمہ میں ماخوذ ہوئے جو ۱۸۷۰ء میں چلا یا گیا۔

[۲] ابراہیم منڈل راج محل کے مقدمہ میں گرفتار ہوئے جو ۱۸۷۰ء میں چلایا گیا۔

صاحب بھی ہمارے پاس کالے پانی میں پہنچے۔ مگر بوجہ اجرار قانون جدید سختی کے بے چاروں کو مدت تک سخت مشقت کرنی پڑی لیکن بفضل الٰہی کچھ عرصہ کے بعد مولوی تبارک علی صاحب اسٹیشن محرر اور مولوی امیرالدین صاحب معلم مدرسہ مقرر ہو گئے اور فقط دس برس قید کاٹنے کے بعد بتوجہ فیض بخشی لارڈ رپن صاحب بہادر ہمارے ساتھ ہی رہا ہو کر اپنے اپنے گھر کو واپس آ گئے اور وہ ان کی سختی مشقت قید کی کمی ایام قید میں مجرا ہو کر ہمارے برابر ہو گئے۔

جب دس برس تک بھی یہ سلسلہ گرفتاری وہابیان بند نہ ہوا تو میں اپنے بد اعمال کو یاد کر کے بہت کڑھا کرتا تھا کہ یہ آگ تیرے ہی گھر سے نکلی اور تیرے بداعمالیوں کے سبب سے دس برس سے تمام ہند میں ہزارہا علماء و شرفا گرفتار پنجہ مصیبت ہیں۔ اگر تجھ سا منحوس بدبخت نہ پیدا ہوا ہوتا یا بچپن ہی میں مرجاتا تو یہ آفت اور مصیبت مسلمانوں پر نہ پڑتی۔

چو از قومے یکے بیدانشی کرد
نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

مارچ ۱۸۷۲ء میں اسی جہاز میں مولوی تبارک علی اور مولوی امیرالدین صاحب آئے تھے۔ میاں عبدالغفار کی بی بی اور ان کے دو لڑکے بھی بحکم سرکار کالے پانی میں پہنچے۔ میاں عبدالغفار نے بذریعہ چیف کمشنر پورٹ بلیر کے سرکار سے درخواست کی تھی کہ میری بیوی اور بچے ہند سے بلا دیئے جاویں۔ صد آفرین بنگال گورنمنٹ پر کہ اس نے اپنے خرچ سے ایسے باغی کے

جورو اور بچوں کو کالے پانی میں پہنچا دیا۔

سرکار کا یہ غصہ اور وہابیوں کو دھڑا دھڑ دس برس تک دریا برد کرتے رہنے سے یہ غرض تھی کہ وہابیوں کا قلع قمع ہند سے کیا جاوے اور ان کا بیج ناس ہو جاوے۔ سو میں نے کالے پانی سے واپس آکر اس کے برعکس دیکھا۔ میری موجودگی ہند کے وقت شاید پنجاب بھر میں دس وہابی عقیدے کے مسلمان بھی موجود نہ تھے۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی گاؤں اور شہر ایسا نہیں ہے کہ جہاں کے مسلمانوں میں کم سے کم چہارم حصہ وہابی معتقد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے نہ ہوں یوماً فیوماً یہ فرقہ ایسا بڑھ رہا ہے جیسے ایک وقت پہ الٹسٹنٹ یک بیک تمام یورپ میں بڑھ گئے تھے اور کوئی عذاب اور شکنجہ کشی اور سولی اور پھانسی اور جلاوطنی اور آگ میں زندوں کو جلا دینا ان کی ترقی کو مانع نہ ہوا تھا بلکہ تجربوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی فرقے کی ترقی کو مانع ہونا اور اس میں تشدد کرنا سب سے زیادہ قوی سبب اسکی ترقی وجاہ وجلال کا ہوتا ہے۔

دور کیوں جاؤ تھوڑے دن کی بات ہے کہ جب سکھوں کا فرقہ نکلا اور اس کی ترقی شروع ہوئی تو مغلوں نے کس قدر اس کے نیست و نابود کرنے کے علاج کئے۔ مگر خدا کے بڑھائے کو کون روک سکتا ہے۔ آخر وہی سکھ ہیں جنہوں نے پشاور سے دہلی تک مغلوں کی سلطنت چھین لی اور سو برس تک بڑے جلال اور اقبال سے راج کیا ادھر ملک دکن میں مرہٹوں کا یہی حال سمجھو جنہوں نے کا

اتنا ہی بڑھتے گئے[1] خداوند تعالیٰ کی حکمت بالغہ میں اور ست اندازی کرنا اپنے کو ہلاک کرنے کا سامان ہے۔

مولوی محمد جعفر کی اولاد

۱۳ر اپریل ۱۸۷۲ء کو میری بڑی لڑکی پیدا ہوئی اس کے عقیقے کا کھانا بھی بڑی دھوم دھام سے ہوا تھا اور مولوی تبارک علی صاحب اور مولوی امیر الدین صاحب جن کو وہاں صرف پندرہ دن ہوئے تھے اس عقیقے میں شامل تھے۔ اس کے بعد میری دوسری لڑکی پیدا ہوئی۔ مارے محبت کے اس کا نام میں نے اپنی ہندوستان کی لڑکی کے نام پر رکھا تھا اس کے عقیقے کا کھانا بھی ویسا ہی دھوم دھام سے ہوا اس کے بعد پھر تیسرا بچہ محمد صادق ۲۶ر نومبر ۱۸۷۵ء کو پیدا ہوا اس کا نام بھی میں نے اپنے ہندوستان کے لڑکے کے نام پر رکھا تھا۔

اس لڑکے کی پیدائش کے وقت ایک عجیب اسرار الٰہی جو غالباً میری تسلی کے واسطے تھا ظاہر ہوا جس دن یہ لڑکا کالے پانی میں پیدا ہوا اسی دن بلکہ اسی وقت میرا بڑا لڑکا محمد صادق پانی پت میں فوت ہو گیا۔ جب اس کی وفات کی خبر مجھ کو پہنچی میں نے اس کا نعم البدل اس کے ہم نام اپنے پاس دیکھ صبر شکر

---

[1] سکھوں اور مرہٹوں کے متعلق مولوی محمد جعفر تھانیسری کا بیان سرسری معلومات پر مبنی ہے حقائق اس کے برخلاف ہیں یہ دونوں فرقے مرکزی حکومت کے خلاف (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کیا اور اس کی والدہ کو بھی اس کا نعم البدل اور ہم نام بل جانے کی خبر لکھ بھیجی۔

ہنٹر کی کتاب پر تبصرہ

جب میں نے انگریزی سیکھی تو ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب "آور انڈین مسلمان" کے دیکھنے کا بڑا شوق ہوا بمشکل تمام سات روپیہ قیمت کو کلکتہ سے ایک جلد طبع دوم کی میں نے منگوائی[1] اور اس کا مطالعہ کیا تو ایک مقام پر دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے بڑی لمبی چوڑی تمہید باندھ کر لکھا ہے کہ اگر بنظر تراحم خسروانہ سرکار کبھی ان وہابیوں کو کالے پانی سے رہائی بھی دیدے تو یہ لوگ اپنی رہائی کو منجانب اللہ جل جلالہ سمجھ کر ہند کو واپس آنے کے بعد بھی اور زیادہ موجب تخریب اور بربادی سلطنت انگریزی کے ہونگے پہلے ہی سے سرکار کا غصہ دیکھ کر ہم رہائی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ یہ مضمون زہر آمیز دیکھ کر لاہی سہی امید بھی جاتی رہی۔

اس کے بعد جب گورنمنٹ ہند نے قواعد رہائی قیدیان دائم الحبس بعد انقضائے بیس برس تاریخ قید سے جاری کیئے تو اس میں بھی ہمارا مقدمہ رہائی

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) سیاسی سرگرمیاں چلاتے رہے نیز امن وامان کو بھی برباد کیا۔ مرہٹوں کے نزدیک تو لوٹتے وقت ہندو مسلمان دونوں برابر تھے۔

[1] ہنٹر کی کتاب "آور انڈین مسلمانس" کا پہلا ایڈیشن ۱۸۷۱ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۸۷۲ء میں شائع ہوا۔

سے مستثنیٰ ہوگیا تھا اور ان سب سے بڑھ کر ناامیدی اس وقت ہوئی تھی کہ جب ۱۸۸۱ء میں خود ڈاکٹر ہنٹر صاحب مؤلف کتاب مذکور گورنر جنرل ہند کے مصاحب مقرر ہو گئے تب ہم نے جانا کہ جس کی کتاب کو ایک دفعہ مطالعہ کر کے پڑھنے سے بڑا دانا انگریز ساری عمر کے واسطے ہمارا دشمن سمجھتا ہے تو ان کی موجودگی محکمہ گورنری میں رہائی کیا نہ معلوم ہم پر اور کیا آفت لادیگی۔

رہائی کی امیدیں

لیکن باایں ہمہ ۱۸۸۱ء سے یہ بات غیب سے دل میں ملہم ہوئی تھی کہ ہم جلد رہا ہو کر ہند کو جانے والے ہیں۔ میں نے مولوی انوار الاسلام اور حافظ محمد اکبر بانی پتی کو خطوط بھی لکھ دیئے تھے کہ میں جلد ہند کو آیا چاہتا ہوں۔

جون ۱۸۷۶ء میں یہ خاکسار میر منشی ضلع جنوبی پورٹ بلیر کا مقرر ہو کر، یہ ڈیٹی کو بدل گیا اور اپنے پرانے آقا اور شاگرد ممبر براتھر و صاحب ڈپٹی کمشنر کا میر منشی ہوا جہاں میں اپنی رہائی اور روانگی کی تاریخ تک برابر اسی عہدہ پر رہا۔

اس صاحب نے میری اعانت سے پورٹ بلیر کی آئین کی کتاب بھی بنائی جو بعد منظوری گورنمنٹ کے مشتہر بھی ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ بھی خود میں نے ہی لکھا تھا اور وہ بھی چھپ چکا ہے۔ میری چودہ برس کی عمدہ کارگذاریوں اور جانفشانیوں پر نظر توجہ ہو کر اسی صاحب کی تحریک سے

بڑی دھوم دھام سے ایک لمبی چوڑی گورنمنٹ ہند کو میری رہائی کی رپورٹ بھی ہوئی تھی۔ اس رپورٹ پر رہائی کیا ہوئی تھی۔ مگر سکرٹیری ہوم ڈیپارٹمنٹ اس قدر ناراض ہوا کہ تاحیات میری رہائی غیر ممکن ہوگی اور دوبارہ کسی افسر کو میری رہائی کی رپورٹ کرنے کا حوصلہ باقی نہ رہا۔ ۱۸۸۱ء کے آخر میں مولوی عبدالفتاح صاحب پسر مولوی عبدالرحیم اپنے والد کی ملاقات کے واسطے پورٹ بلیر پہنچے اور کوئی ایک برس تک وہاں رہ کر پھر ملک ہند کو واپس چلے گئے۔ اس وقت مولوی عبدالرحیم صاحب نے ایک مسودہ عرضی اپنی خاص رہائی کے واسطے لکھوا کر اپنے بیٹے کی معرفت سے ہند کو روانہ کیا تھا کہ جس سے وہاں ایک عرضی اس مسودہ کے موافق ان کی بیوی کی طرف سے تیار ہو کر بحضور گورنر جنرل ہند اپریل ۱۸۸۲ء میں پیش ہوئی جس میں یہ بیان تھا۔

"کہ میرے شوہر پر در اصل کچھ بھاری قصور ثابت نہ ہوا تھا اس واسطے بر وقت تجویز مقدمہ سشن جج اور نیز چیف کورٹ نے یہ ارشاد کیا تھا کہ بشرط نیک چلنی بعد ۱۴ برس کے عبدالرحیم کے مقدمہ میں نظرثانی کی جاوے گی۔ سو اب تو اٹھارہ برس ہو گئے۔ میں نے اس کی جدائی میں بہت تکلیف اٹھائی اور وہ بھی بہت بوڑھا ہو گیا۔ سرکار اب اس کو بعد ملاحظہ مسل کے رہائی بخشے"۔

بعد ملاحظہ اس عرضی کے لارڈ رپن صاحب بہادر سوائے طلبی مثل مقدمہ کے پنجاب اور بنگال گورنمنٹ سے رائے بھی طلب کی کہ اگر ان وہابیوں

کو رہائی دی جاوے تو کچھ قباحت تو نہیں ہے بعد آنے آرا سے لارڈ کل حکام کے مقدمہ مذکور تا شروع سال آئندہ کے لئے ملتوی ہو گیا۔

چونکہ یہ عرضی مولوی عبدالرحیم صاحب کے واسطے تھی اور در اصل ان کا قصور کبھی نہ تھا فقط فرضی مسندوں کی اولاد تصور ہو کر زبردستی قید کئے گئے تھے۔ اس واسطے ہم لوگوں کو فقط ان کی رہائی کا انتظار تھا۔ اس ذریعہ سے اپنی رہائی کا تو کچھ گمان بھی نہ تھا ہمارے اخیر وقت میں سب بنگال کور کے صاحب لوگ پورٹ بلیر میں جمع ہو گئے تھے اس سبب سے ان کو تعصب بھی ہم لوگوں سے زیادہ تھا۔

۱۸۸۱ء میں بوجہ پیری اور ضعف کے مولوی احمد اللہ صاحب جن کی عمر اس وقت اسی سال کے قریب تھی۔ وہ ضعیف قابل ترحم دشمنان ہو گئے تھے انہوں نے اپنی یہ حالت زار دیکھ کر اپنے بیٹے مولوی محمد یقین صاحب سے جو کلکتہ میں مقیم تھے بلا کر ملاقات کرنی چاہی۔ حالانکہ بموجب قاعدہ عام پورٹ بلیر کے یہ ملاقات جائز اور درست تھی اور سینکڑوں بیٹے اپنے باپوں سے آ کر مل گئے مگر فقط اس سبب سے کہ احمد اللہ وہابی ہے۔ ان کی یہ درخواست نامنظور ہوئی۔

اس مابین میں امتحاناً میں نے بھی ایک درخواست کی تھی کہ محمد رشید میرے حقیقی برادر زادہ کو میرے پاس پورٹ بلیر میں آنے کی اجازت بخشی جاوے۔ حالانکہ یہ درخواست بھی سراسر قابل منظوری کے تھی۔ مگر فقط اس سبب سے کہ سائل وہابی ہے، وہ بھی نامنظور ہو گئی۔

مولوی احمد اللہ کا انتقال

جب مولوی احمد اللہ صاحب نہایت کمزور اور چراغ سحری ہو گئے تو مولوی عبد الرحیم صاحب نے ان کی حالت اور کمزوری بیان کرکے حکام کو لکھا کہ میں ان کا رشتہ دار قریب ہوں۔ ویپر میں کوئی ان کی خبر گیری کرنے والا نہیں ہے۔ اس واسطے امیدوار ہوں کہ ان کو ابرڈین میں میرے گھر رہنے کی اجازت بخشی جاوے یہ درخواست بھی جس کے پڑھنے سے سنگ دل کا دل نرم ہو جاوے فقط اس وجہ سے نامنظور کی گئی کہ احمد اللہ اور عبد الرحیم دونوں وہابی ہیں۔ ان کے ساتھ ایسی رعایت اور مہربانی نہیں ہو سکتی۔

جب مولوی صاحب موصوف کا حال نہایت پتلا ہوا اور صاحب لوگوں کے تعصب کا یہ حال تھا تو مولوی عبد الرحیم صاحب نے یہ اجازت چاہی کہ مجھ کو رات کو ویپر میں ان کے پاس رہنے کی اجازت بخشی جاوے سو یہ درخواست بعد بڑی دریافت اور بحث کے منظور ہو کر مولوی عبد الرحیم صاحب کو ۲۰ نومبر کو شام کے وقت ایک تحریری پاس ملا اور اسی رات کو واقعہ ۲۱ نومبر ۱۸۸۱ء مطابق ۲۸ محرم ۱۲۹۹ھ شب دوشنبہ کو بوقت ایک بجے رات کے مولوی صاحب موصوف کی روح اس جسم قید در قید کو چھوڑ کر فردوس بریں کو پرواز کر گئی۔

مولوی صاحب کی وفات کے وقت عبد الواحد نام ایک مسلمان

مولوی صاحب موصوف کا ان کے پاس ہسپتال میں حاضر تھا۔ مرنیکے وقت مولوی صاحب نے جو پہلے چند روز سے عالم بے ہوشی میں تھے آنکھ کھول کر الا اللہ مالک الملک آخری کلمہ فرمایا اور سرد ہو گئے۔

۱۷ر تاریخ کو بوقت آٹھ بجے فجر کے بمقام ابرڈین ہم لوگوں کو اطلاع ہوئی۔ ہم سب آدمی بمعہ بہت سے دوستوں کے نو بجے فجر کے ویپر میں پہنچ گئے میں کچہری ضلع میں منشی تھا اور بلا اجازت صاحب ضلع کے جا نہیں سکتا تھا اور بوجہ تعصب حکام اجازت ملنا محال تھا اور مجھ کو ان کی تجہیز و تکفین میں شامل ہونا ضرور ہوا اس واسطے میں بتوکل مولی بلا اجازت ویپر چلا گیا اور ایک عرضی اطلاعی بھیجدی کہ میں احمد اللہ صاحب کی تجہیز و تکفین میں شامل ہونے کو ویپر جاتا ہوں، آج کی میری غیر حاضری معاف فرمائی جاوے۔

ہم نے ویپر پہنچ کر آخری درخواست حکام انگریزی سے یہ بھی کر دیکھی کہ ہم کو اجازت بخشی جاوے کہ مولوی احمد اللہ صاحب کی لاش کو ابرڈین میں لیجا کر ان کے سگے بھائی مولوی یحیٰی علی صاحب کی قبر کے متصل دفن کر دیویں یہ درخواست بھی نامنظور ہو گئی تو لاچار بعد غسل و نماز کے ان کی لاش کو لیجا کر گورغریباں واقعہ ڈنڈاس ہینیٹا میں جو ویپر سے تھوڑی دور ہے دفن کر دیا۔

اپنے بست سالہ تجربات میں میں نے یہی اکثر دیکھا کہ جب کبھی کسی افسر یا حاکم کی مدد پر میں نے بھروسہ کیا اور خدا کی طرف توجہ نہ رکھی تو میرے رب نے اسی خیالی معاون کے ہاتھ سے مجھ کو ایذا پہنچانے کا بندوبست کر دیا۔ مگر جب میں نے اس خیال سے تائب ہو کر اس ذات وحدہٗ لاشریک کی

طرف رجوع کیا تو پھر اس غالب زبردست حکمت والے نے میری مدد کی اور آفت سے نجات بخشی اور جو لوگ پہلے سے میرے دشمن تھے اور جن سے میں ڈرتا تھا ان کو میری مدد اور پشت پناہ پر کھڑا کر دیا۔

خداوند تعالے کو کسی طرح بھی منظور نہیں ہے کہ میں اس کی طرف سے توجہ پھیر کر غیر اللہ کی طرف رجوع کروں وہ رب العزت ہمیشہ مجھ کو مار مار کر اور تنبیہ کر کے شرک سے بچا کر اپنی طرف رجوع کراتا رہا ہے۔

ستمبر ۱۸۸۲ء میں لاچار ہو کر میری ہندوستان کی بیوی نے پانی پت سے مجھ کو لکھا کہ میری بڑی لڑکی جوان ہو گئی۔ تمہاری رہائی کی امید پر آج تک اس کی شادی کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا۔ اب بظاہر کوئی شکل تمہاری رہائی کی ایسی جلدی نہیں ہے۔ اس واسطے اگر اجازت دو تو کسی جگہ اس کی شادی کا بندوبست کیا جاوے اور اس کار خیر کے واسطے کچھ خرچ ضروری بھی بھیجدو۔

میں نے ۱۴ اکتوبر ۱۸۸۲ء کو گویا تاریخ حکم رہائی سے اڑھائی ماہ پہلے بقدر تین سو روپیہ کے نقد و زیور و پارچہ پانی پت کو بھیجدیا۔ اور اپنی بیوی کو لکھا کہ تم کسی دیندار مسلمان سے اس لڑکی کی شادی کر دو۔

جب میرا بھیجا ہوا اسباب اور خط پانی پت میں پہنچا تو بوجہ نہ میرے شامل ہونے کے اس شادی میں بجائے خوشی کے غم ان لوگوں کو ہو گیا اور میری بیوی اور لڑکی رو رو کر یہ دعائیں کرتی تھیں کہ "اے قادر کریم اس کو بھی اس شادی میں شریک کر۔"

مولوی محمد جعفر کی رہائی

بظاہر کوئی سامان میری رہائی کا اس وقت نہ تھا، مگر اس مستجاب الدعوات نے وہ فریاد انکی اسی دم قبول کرلی۔

۲۰ر دسمبر ۱۸۸۲ء کو بلا عرضی اور درخواست اور بلاسعی سفارش میری رہائی ہوکر مجھ سے پہلے پانی پت میں میری بیوی کو اطلاع ہوگئی۔ اب جو میری رہائی کا زمانہ قریب آیا تو میں ہر اگنبوٹ میں اپنی رہائی کا منتظر رہتا تھا اور اس ملک کے تحفے تحائف جمع کر کے چلنے کو تیار بیٹھا۔ گو بہت سے لوگ جو میرے مقدمہ اور جواب محکمہ گورنری سے واقف تھے میری اس تیاری کو دیکھ کر مجھ پر ہنستے تھے۔

آخر ۲۲ر جنوری ۱۸۸۳ء روز دوشنبہ کو مہارانی نام اگنبوٹ یہ حکم لے کر پہنچا کہ جس قدر آدمی بجرم بغاوت وہابی کیس میں قید ہیں سب یک قلم رہا کر کے ہند کو روانہ کر دیئے جاویں۔ ان کی لوکل گورنمنٹ اُن کی سکونت کے واسطے بندوبست معقول کرے گی۔ جب یہ حکم وہاں پہنچا تو میں اور مولوی عبدالرحیم صاحب و میاں عبدالغفار و مولوی تبارک علی و مولوی امیرالدین اور میاں مسعود کل ۶ نفر اس مقدمہ کے وہاں موجود تھے سو سب کی رہائی ہوگئی۔

جب یہ حکم بذریعہ اخبارون کے ہند میں مشہور ہوا تو بوجہ جمعیت اسلامی جملہ انجمن و مجلس ہائے اسلام نے اس تراحم خسروانہ لارڈ رپن صاحب

بہادر بذریعہ میمو ریل کے ان کا شکریہ ادا کیا۔ جیسے ہماری گرفتاری پر گھر گھر تمام ہندیں واویلا مچ گیا تھا۔ ویسے ہی گھر گھر خوشی اور شکریہ کی مجلسیں منعقد ہوئیں اور لارڈ رپن صاحب کی مداحی اور شکر گزاری سے ہماری زبان اور قلم کبھی قاصر نہ ہو گی جس کی الوالعزم اور ترحمانہ پالیسی سے ہم کو ہند کا دیکھنا پھر نصیب[1] ہوا۔

اسی عرصہ میں میرے ایک پرانے شاگرد کپتان ٹیمپل صاحب نے جو بروقت میری رہائی کے خاص کیمپ انبالہ میں جسٹریٹ تھے۔ میری رہائی کی خبر پاکر مجھ کو لکھا کہ اگر تم میرے پاس رہنا قبول کرو تو میں گورنمنٹ سے اجازت

---

[1] لارڈ رپن اپریل ۱۸۸۰ء میں ہند پاکستان کا وائسرائے اور گورنر جنرل مقرر ہوا مئی میں وہ ہند پاکستان روانہ ہوا اور ۸ رجون ۱۸۸۰ء کو اس نے اپنے عہد کا چارج لیا۔ لارڈ رپن کے زمانے میں حکومت کی پالیسی میں خاصی تبدیلی عمل میں آئی انگلینڈ میں لبرل جماعت کو کامیابی ہوئی جس پارٹی کا لیڈر گلیڈسٹون تھا لارڈ رپن بھی اسی لبرل جماعت کا نمائندہ تھا لہٰذا لبرل جماعت کے نمائندہ کی حیثیت سے لارڈ رپن نے ہند پاکستان کی سیاست اور خارجہ پالیسی کو دیکھا اس کے نتیجہ میں تحریک جہاد کے اسیران انڈمان کو رہائی ملی۔ ملاحظہ ہو۔

The Viceroyalty of Lord Ripon by S. Gopal (London 1953, P. 3-5)

لے کر تم کو اپنے پاس بلاؤں۔ میں نے اس پیام کو تائید غیبی سمجھ کر فوراً قبول کر لیا۔ تب انہوں نے گورنمنٹ پنجاب سے اجازت حاصل کر کے اور خود میرے ضامن ہو کر کل شرائط نگرانی وغیرہ میرے اوپر سے اٹھوا دیں۔

روانگی کے انتظامات

جب میری رہائی کا حکم پورٹ بلیر میں آیا تو میری بیوی خورد دائم الحبس تھی اور اس وقت اس کو فقط چودہ برس قید میں ہوئے تھے اس واسطے اسی اگنبوٹ میں گورنمنٹ کو اطلاع دی گئی کہ جب تک محمد جعفر کی ہوی رہا نہ ہوگی وہ ہند کو نہیں جا سکتا اور اپنی رہائی کا حکم پا کر اسی وقت میں نے بھی گورنمنٹ پنجاب کو لکھا کہ "یہاں نہایت عمدہ میرا گھر موجود ہے اور میں سو روپیہ ماہوار کا نوکر ہوں اور ہند میں نہ میرا گھر ہے اور نہ مکان اور غالباً حکام پنجاب میرے وہاں آنے پر مجھ سے ناحق چھیڑ چھاڑ کیا کریں گے اور مجھ کو قیدی سابق سمجھ کر کوئی نوکری وغیرہ بھی نہ دیویں گے اس واسطے میں امیدوار ہوں کہ وقتاً فوقتاً ہند میں جا کر اپنے بال بچوں کو دیکھ آیا کروں گا"۔ گو چیف کمشنر صاحب پورٹ بلیر نے بعد اظہار میری نیک چلنی اور عمدہ کارگزاری کے پھر سفارش بھی کی تھی کہ محمد جعفر کے واسطے کسی خاص طور پر سرکار سے اندازہ مقرر کیا جاوے تب ملک ہند میں اس کی گذران ہو سکتی ہے۔ لیکن گورنمنٹ پنجاب نے میری اس درخواست کو نامنظور کر کے جبراً مجھ کو اور میرے بال بچوں کو ہند میں بلایا مگر یہ وعدہ کیا کہ یہاں پنجاب

میں اس کو نوکری مل سکتی ہے۔

۳ مارچ ۱۸۸۲ء کو مولوی عبدالرحیم و میاں عبدالغفار و مولوی امیر الدین صاحب و تیار کسب علی روانہ ہند ہو گئے اور بخیریت تمام اپنے گھر پہنچ گئے۔ اس کے بعد ۲۸ اپریل ۱۸۸۳ء کو میاں مسعود بھی چلے گئے فقط میں اکیلا بانتظار حکم رہائی اپنی بیوی کے رہ گیا۔ یکم مئی ۱۸۸۳ء کو میری بیوی کی رہائی بھی آ گئی۔ مگر اس وقت میری بیوی کو چھ مہینے کا حمل تھا اور سمندر میں موسم طوفان کا شروع ہو گیا تھا اس واسطے میں نے تا ماہ نومبر ۱۸۸۳ء مطابق محرم ۱۳۰۱ھ پورٹ بلیر میں رہنے کی اجازت حاصل کر لی۔ اس مہلت میں میں نے اپنے گھر کا اسباب فروخت کرنا شروع کیا اور اونے پونے پر جیسے ہوا بیچ ڈالا۔

مولوی محمد جعفر کے مکان مسکونہ کو مسجد بنانے کی اجازت نہ دینا

اکتوبر ۱۸۸۳ء میں میں نے چاہا کہ میرا گھر جس میں میں رہتا تھا مسجد بنا کر فی سبیل اللہ وقف کر دیا جاوے اور سب مسلمان جو بغیر مسجد کے تکلیف اٹھاتے تھے۔ اس وقف سے بہت خوش ہوئے مگر میجر ہرنا صاحب ڈپٹی کمشنر نے ازراہ تعصب کے یہ رپورٹ کر دی کہ یہ شخص وہابی ہے و نیز یہ مسجد بھی وہابیوں کے قبضہ میں رہے گی۔ اس واسطے یہاں مسجد بنانے کی اجازت نہ دی جاوے۔ پس وہی تصدیہ

وہابیت کا اس کار کو بھی مانع سمجھاؕ

انڈمان کا انتظام حکومت

جیسا کہ میں نے اپنے پورٹ بلیر میں داخل ہونے کا ذکر کر کے بعد حالات متعلقہ جغرافیہ و قدیم باشندگان بیان کئے ہیں۔ اس مقام پر اپنے پورٹ بلیر کے روانہ ہونے کے ذکر کے پہلے قوانین و اوضاع و اطوار ساکنان پورٹ بلیر کو ذکر کر کے اصل جزیرے سے کوچ کروں۔

ؕ انگریزی حکومت کی فتنہ طرازیاں ملاحظہ ہوں کہ اس نے مسلمانوں کی توجہ جہاد سے ہٹانے کے لئے بعض علماء کے ذریعہ مسلمانوں میں حنفی اور وہابی کی ایسی وسیع خلیج حائل کرائی جس سے ہند پاکستان کے مسلمانوں کا مذہبی شیرازہ بکھر گیا تحریک جہاد کے حامیوں کو "وہابی" کے نام سے بدنام کیا گیا مذہبی اور معاشرتی طور سے ان کی تحقیر کی گئی۔ مساجد سے ان کا اخراج کیا گیا عام مساجد میں ان سے نماز پڑھنے کا حق چھین لیا گیا اس زمانے میں ہند پاکستان میں مسجدوں پر حنفیوں اور وہابیوں کے قبضہ کے متعلق سینکڑوں مقدمے دائر ہوئے اس سلسلے میں آخر کتاب میں ایک ضمیمہ شامل کیا گیا ہے جس سے انگریزوں کی سیاست اور مسلمانوں کی انتشاری کیفیت کا اندازہ ہوگا۔

یہ جزیرہ مثل دوسرے احاطوں کے ایک مستقل لوکل گورنمنٹ ہے۔ صاحب چیف کمشنر انڈمان کو اختیار ہے کہ جو ایکٹ چاہیں یہاں جاری کر دیویں اور جس حاکم ماتحت کو چاہیں اختیارات دیوانی یا فوجداری کے عطا کریں۔ یہاں کا چیف کمشنر اس قسمت کا سشن جج بھی ہے یہاں کے چیف کمشنر کا حکم ناطق ہے ناس کا کچھ اپیل نہیں ہو سکتا۔ صرف مقدمات پھانسی میں گورنر جنرل اجلاس کونسل کی منظوری لی جاتی ہے۔ باقی اور سب امور دیوانی اور فوجداری میں یہاں کا چیف کمشنر ہائیکورٹ بھی ہے۔ یہاں کوئی جہاز یا مسافر یا کوئی مال و اسباب بلا اجازت صاحب موصوف کے اس ٹاپو سے نہیں جا سکتا ہے۔ یہاں کا چیف کمشنر صدر مقام روس میں رہتا ہے اس کی تنخواہ تین ہزار روپیہ ماہوار ہے۔

یہ قسمت دو ضلعوں میں تقسیم ہے ایک ضلع جنوبی جس کا صدر مقام ابرڈین ہے دوسرا شمالی جس کا صدر مقام چاتھم ہے۔ دونوں صاحب ضلعوں کے ماتحت دوسرے بہت سے اسسٹنٹ و اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کام کرتے ہیں اس سٹلمنٹ کے دستور العمل اور قواعد ابتدا ۱۸۵۸ء سے اب تک وقتاً فوقتاً بہت بدلتے رہے ہیں اور ہمیشہ رو بسختی و جبر ہیں اور "ہر کہ آمد براں مزید کرد" پر یہاں خوب عمل ہوتا ہے۔

قیدیوں کے لئے قوانین

یہاں قریب دو ہزار قیدی کے سالانہ ہند سے نئے قید ہو کر آتے

ہیں اور اس وقت قریب چودہ ہزار قیدی کے یہاں موجود ہیں۔ جہاز سے اترنے کے ایک مہینہ بعد ان کی بیڑی کٹ جاتی ہے، یہاں کوئی جیل نہیں ہے، بارکوں میں یہ قیدی ماتحت قیدی افسروں کے رہتے ہیں۔ دن میں مثل جیل ہائے ہند قیدی سخت مشقت کرتے ہیں دو وقت ان کو پختہ کھانا ملتا ہے۔ رات کو انہیں بارکوں میں سو رہتے ہیں۔ ان بارکوں کی حفاظت پر سوائے قیدی افسروں کے اور کوئی پولیس یا جنگی پلٹن نہیں ہے۔ غرض قیدیوں کی حفاظت اور نگرانی اور ان کو کام پر تقسیم کرنا اور ان سے کام کروانا یہ سب پرانے قیدی افسروں کے سپرد ہے جو سر پر لال دوپٹہ اور گلے میں چپراس ڈال کر رہتے ہیں اور حسب مدارج اپنے عہدوں کے سوا خوراک کی نقد تنخواہ بھی سرکار سے پاتے ہیں۔

ان نئے قیدیوں کو بھی بشرط نیک چلنی تین چار برس کے کسی قدر نقد تنخواہ ملنے لگ جاتی ہے اور بعد تنخواہ پانے کے یہ نئے قیدی بھی چپڑے والے افسر مقرر ہو جاتے ہیں۔ دس برس نیک چلن رہنے کے بعد ہر ایک مرد قیدی مستحق ٹکٹ پانے کا ہو جاتا ہے اور ٹکٹ یہ ہے کہ قیدی آزاد ہو کر بارک سے نکل جاتا ہے اور شہر اور بستیوں میں رہ کر جو چاہے پیشہ کرے اور کھاوے کما دے۔

قریب پچاس ساٹھ کے قیدیوں کی بستیاں آباد ہیں جن میں قیدی ہی نمبردار اور چوکیدار و پٹواری ہیں۔ جو لوگ کھیتی کرنے کا ٹکٹ لیتے ہیں

ان کو گاؤں میں دو تین زمین بقدر ۱۰ بیگہ کے مفت سرکار سے مل جاتی ہے اور تین برس تک محصول معاف رہتا ہے اور کبھی کبھی کچھ تقاوی اور بیل اور خوراک سے بھی سرکار مدد دیتی ہے۔ جو حلوائی یا نانبائی یا نائی وغیرہ پیشوں کے ٹکٹ لیتے ہیں ان کو بھی کبھی کبھی کچھ مدد ملتی ہے۔ اس ٹکٹ پانے کے بعد قیدی آزاد ہو جاتا جو چاہے سو کرے۔

جو عورتیں قید ہو کر آتی ہیں وہ ایک علیحدہ جزیرہ میں ماتحت قیدی عورات افسروں کے بارک میں رہتی ہیں۔ حتی المقدور جب تک وے بارک میں رہتی ہیں زناکاری کی پوری پوری روک رہتی ہے۔ عورتوں کو بھی اپنی بارک کے اندر پسائی سلائی وغیرہ کی مشقت کرنی ہوتی ہے۔ عورتوں کو پانچ برس کے بعد ٹکٹ آزادی کا مل جاتا ہے۔ لیکن جو ان عورتیں جب تک شادی نہ کر لیویں ٹکٹ پا کر اپنی بارک سے باہر نہیں جانے پاتیں۔

بعد انقضائے پانچ برس مدت قید کے عورت کو اختیار ہے جس مرد سے چاہے شادی کر لیوے۔ مردوں میں سوائے ٹکٹ والوں کے مشقتی بارک باش قیدی شادی نہیں کر سکتے جس مرد کو شادی کرنا منظور ہوتا ہے وہ عورتوں کے ٹاپو میں جا کر کسی عورت کو پسند کر کے کچھ ان کو دے دلا کر راضی کر لیتا ہے اور جب میاں بیوی راضی ہو جاتے ہیں۔ تو ان کو یک اقرار نامہ اپنی رضامندی اور محبت و موافقت سے مل کر رہنے کا وغیرہ وغیرہ صاحب چیف کمشنر بہادر کے لکھ دینا پڑتا ہے اس کے بعد

بیوی میاں کے گھر چلی آتی ہے۔

ٹکٹ والے قیدی ملک سے اپنے بال بچوں کو بھی بلا سکتے ہیں۔ جب کوئی قیدی بیس برس تک نیک چلن رہے تو پھر اس کی رہائی بھی ہو جاتی ہے اور اس کو بعد رہائی کے اختیار ہے چاہے اس ملک میں رہے چاہے اپنے وطن اور زادبوم کو چلا آوے۔

بعد ٹکٹ پانے کے قیدیوں کو اختیار ہے کہ اپنی کمائی حلال سے چاہیں لاکھوں روپیہ جمع کرلیویں۔ مگر ٹکٹ سے پہلے بلا اطلاع و اجازت حکام وہ نہ کچھ اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے کے پاس جمع کر سکتا ہے۔ قیدی جب تک بارک میں رہ کر مشقت کرتے ہیں ایک برس یا تین مہینے میں ایک خط اپنے گھر کو بھیج سکتے اور ایک خط آمدہ ہند پا سکتے ہیں۔ مگر ٹکٹ والے ہر مہینے میں ایک خط بھیج سکتے اور ایک منگا سکتے ہیں۔

مختلف زبانیں

پورٹ بلیر ایک ایسی جگہ ہے کہ جہاں چینا، برہما، ملائی، سنگلی، جنگلی نکوباری، کشمیری، پشتونی، ایرانی، عربی، حبشی، پارسی، پرتگیز، امریکن، انگریز، ڈین فرنچ وغیرہ اور ہندوستان کے سب ضلعوں اور شہروں کے آدمی مثل کھد ٹیا، نیپالی، پنجابی، سندھی، گجراتی، دیس والے، ہندوستانی، اہل برج، آسامی، تہلی بند، لکھنڈی، اوڑیا، تلنگی، مرہٹے، کرناٹکی، مدراسی، ملیالم، گونڈ، بھیل، بنگالی گول، سنتھال وغیرہ سب موجود ہیں۔

جب یہ لوگ آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو اپنی اپنی زبان میں بات چیت کرتے ہیں۔ مگر بازار اور کچہریوں کی زبان یہاں بھی ہندوستانی ہے۔ ہر ملک کا آدمی یہاں آکر آپ سے آپ ہندوستانی زبان سیکھ لیتا ہے کیونکہ بے اس زبان جانے کے یہاں آدمی کا گذارہ نہیں ہو سکتا۔ میرے خیال میں پردۂ زمین پر کوئی دوسرا مقام ایسی مختلف قوموں سے آباد نہ ہوگا۔ قریب چالیس مختلف قوموں کے جو ایک دوسرے کی زبان نہ سمجھ سکیں یہاں موجود ہیں۔

شانِ الٰہی سے یہاں ایک ایسا میلہ جمع ہوا ہے۔ شاید آج تک پردۂ زمین پر ایسا مجمع کہیں جمع ہوا ہوگا۔ جب کوئی بنگالی مرد اور مدراسی عورت یا کاٹھیا مرد اور پنجابی عورت وعلیٰ ہذا القیاس آپس میں شادی کرتے ہیں اور میاں بیوی کی اور بیوی میاں کی بات نہیں سمجھتے اور بروقت تکرار اور لڑائی باہمی کے دونوں اپنی اپنی زبان میں ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں اور فریق ثانی کچھ نہیں سمجھتا تو عجب کیفیت ہوتی ہے۔ یہاں جب کسی تقریب شادی پر دعوت اور نیوتہ ہو کر ملک ملک کی عورتیں جمع ہو کر اپنی اپنی بولی میں گاتی اور اپنی وضع پر ناچتی کودتی اور اپنے اپنے ملک کا لباس پہنتی ہیں تو وہ تماشا بھی قابل دید ہے۔

مختلف اقوام اور انکی معاشرت

یہاں قوم کی پابندی جو ہندوستان کی پرانی بیماری ہے یک قلم ترک ہو گئی ہے۔ مسلمان مرد خواہ کسی ذات کا ہو، ہر مسلمان عورت سے بلا روک ٹوک

شادی کرلیتا ہے اسی طرح ہندوؤں میں بھی ہندو ہونا کافی وافی ہے ایک ذات کا ہونا ضرور نہیں ہے۔ برہمنوں کے گھروں میں پاسنیں اور جالوٹں کے گھروں میں بہنیاں موجود ہیں۔

یہاں ٹھگ وہ ٹھگ ہیں کہ دل کو ٹھگ لیویں اور چودہ چور ہیں کہ آنکھوں کا کاجل چرالیں۔ یہاں شعبدہ باز بازیگر، بہروپئے، کھنڈیلے، نقال، ہیجڑے، نٹ، طوائف، میراثی، گویئے، قوال اور ہر فن کے نیک و بدمعاش سب موجود ہیں۔ یہاں اچھے اور نیکوں کا بھی یہ حال ہے کہ کوئی ٹاپو مولوی اور پنڈت اور درویش و بھائی جی وغیرہ سے خالی نہیں۔

یہاں مدراسی اور بنگالی سوکھی مچھلی بھی بڑے مزے سے کھاتے ہیں۔ اس سوکھی مچھلی کو جس میں سڑے ہوئے چمڑے کی سی بو ہوتی ہے۔ عمدہ عمدہ گوشت پر یہ لوگ سبقت دیتے ہیں، برہما اور چینیا پینی بھی کھاتے ہیں۔ مچھلیوں کو پیپوں میں بھر کر سڑانے سے جب ان میں کیڑے پڑ جاتے ہیں تو ان کیڑوں اور سڑی مچھلیوں کو کوٹ کر پینی بنتی ہے اور اس میں ایسی بدبو ہوتی ہے کہ ہم لوگ ہوا کے رُخ ایک میل تک بھی اس کی بدبو سہار نہیں سکتے۔ مگر برہما اور چینیا اس کو بجائے گرم مصالح کے ہر عمدہ کھانے پر بُرا بُرا کر بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ جب ان کو پینی مل گئی تو گویا دنیا کی نعمت مل گئی۔

یہاں کسی طوائف یا کسی کی عام دوکان نہیں ہے۔ مگر اکثر عورتیں ایسی بے حیا اور فاحشہ ہیں کہ کسبیوں کو ان سے شرم آتی ہے۔

بعد تجربہ کے مجھ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اپنی اپنی وضع اور رسم اور بولی

جب یہ لوگ آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو اپنی اپنی زبان میں بات چیت کرتے ہیں۔ مگر بازار اور کچہریوں کی زبان یہاں بھی ہندوستانی ہے۔ ہر ملک کا آدمی یہاں آکر آپ سے آپ ہندوستانی زبان سیکھ لیتا ہے کیونکہ بے اس زبان جاننے کے یہاں آدمی کا گذارہ نہیں ہو سکتا۔ میرے خیال میں پردۂ زمین پر کوئی دوسرا مقام ایسی مختلف قوموں سے آباد نہ ہوگا۔ قریب چالیس مختلف قوموں کے جو ایک دوسرے کی زبان نہ سمجھ سکیں یہاں موجود ہیں۔

شانِ الٰہی سے یہاں ایک ایسا میلہ جمع ہوا ہے۔ شاید آج تک پردۂ زمین پر ایسا مجمع کہیں جمع ہوا ہوگا۔ جب کوئی بنگالی مرد اور مدراسی عورت یا بھٹیا مرد اور پنجابی عورت دعلیٰ ہذا القیاس آپس میں شادی کرتے ہیں اور میاں بیوی کی اور بیوی میاں کی بات نہیں سمجھتے اور بروقت تکرار اور لڑائی باہمی کے دونوں اپنی اپنی زبان میں ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں اور فریق ثانی کچھ نہیں سمجھتا تو عجب کیفیت ہوتی ہے۔ یہاں جب کسی تقریب شادی پر دعوت اور نیوتہ ہو کر ملک ملک کی عورتیں جمع ہو کر اپنی اپنی بولی میں گاتی اور اپنی وضع پر ناچتی کودتی اور اپنے اپنے ملک کا لباس پہنتی ہیں تو وہ تماشا بھی قابل دید ہے۔

مختلف اقوام اور انکی معاشرت

یہاں قوم کی پابندی جو ہندوستان کی پرانی بیماری ہے یک قلم ترک ہوگئی۔ مسلمان مرد خواہ کسی ذات کا ہو، ہر مسلمان عورت سے بلا روک ٹوک

شادی کر لیتا ہے اسی طرح ہندوؤں میں بھی ہندو ہونا کافی وافی ہے ایک ذات کا ہونا ضرور نہیں ہے۔ برہمنوں کے گھروں میں پاسنیں اور جالوٹں کے گھروں میں پھینیاں موجود ہیں۔

یہاں ٹھگ وہ ٹھگ ہیں کہ دل کو ٹھگ لیویں اور چور وہ چور ہیں کہ آنکھوں کا کاجل چرالیں۔ یہاں شعبدہ باز بازیگر، بہروپئے، بھنڈیلے، نقال ہیجڑے، نٹ، طوائف، میراثی، گویئے، قوال اور ہر فن کے نیک و بدمعاش سب موجود ہیں۔ یہاں اچھے اور نیکوں کا بھی یہ حال ہے کہ کوئی ٹاپو مولوی اور پنڈت اور درویش و بھائی جی وغیرہ سے خالی نہیں۔

یہاں مدراسی اور بنگالی سوکھی مچھلی بھی بڑے مزے سے کھاتے ہیں۔ اس سوکھی مچھلی کو جس میں سڑے ہوئے چمڑے کی سی بو ہوتی ہے۔ عمدہ عمدہ گوشت پر یہ لوگ سبقت دیتے ہیں، برہما اور چنیا پینی بھی کھاتے ہیں۔ مچھلیوں کو پیپوں میں بھر کر سڑانے سے جب ان میں کیڑے پڑ جاتے ہیں تو ان کیڑوں اور سڑی مچھلیوں کو کوٹ کر پینی بنتی ہے اور اس میں ایسی بدبو ہوتی ہے کہ ہم لوگ ہوا کے رُخ ایک میل تک بھی اس کی بدبو سہار نہیں سکتے۔ مگر برہما اور چینیا اس کو بجائے گرم مصالح کے ہر عمدہ کھانے پر پڑا پڑا کر بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ جب ان کو پینی مل گئی تو گویا دنیا کی نعمت مل گئی۔

یہاں کسی طوائف یا کسی کی عام دوکان نہیں ہے۔ مگر اکثر عورتیں ایسی بے حیا اور فاحشہ ہیں کہ کسبیوں کو ان سے شرم آتی ہے۔

بعد تجربہ کے مجھ کو یہ بات معلوم ہوتی کہ اپنی اپنی وضع اور رسم اور بولی

اور لباس و خوراک ہر کسی کو پسند ہے۔ جنگلی اپنے جنگل میں رہنے اور ننگ دھڑنگ پھرنے اور کیڑے مکوڑے کھانے کو ہماری قبا اور دوشالوں اور پلاؤ اور قلیہ پر سبقت دیتے ہیں۔ ہمارے کھانوں سے ان کو قے ہونے لگتی ہے۔ ہمارے کپڑے پہننے سے ان کو ایسی تکلیف ہوتی ہے۔ جیسے ہم کو ننگا رہنے سے۔

برہما، چینیا ہمارے گھی کے پکوان کو دیکھ کر اپنی ناک بند کر لیتے ہیں۔ ہمارے قلیے اور قورمے اور پلاؤ کے بھگار سے عربوں کا دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے۔ انگریز لوگ ہمارے عطر کو نہیں سونگھ سکتے۔ غرض بچپن سے زبان اور ناک جس چیز کا عادی ہو گیا ہے وہی اس کو پسند ہے۔

الوداعی ضیافت

جب میں ۹ ماہ نومبر ۱۸۸۳ء کو سوار ہونے کو تھا تو اس وقت میں نے ایک عام دعوت کر کے اپنے سب دوستوں کو مدعو کیا تھا۔ اس دعوت کی نسبت مہر کی پیشانی پر لکھا تھا کہ "یہ خاکسار بعد ایک قیام اٹھارہ برس کے بظاہر ہمیشہ کے واسطے ہندوستان کو جانے والا ہے امید ہے کہ آج میرے کل عنایت فرما جن کے نام نامی ذیل درج ہیں۔ قدم رنجہ فرما کر خاکسار کے ساتھ آخری ماحضر تناول فرما کر مشکور و ممنون فرماویں گے۔"

جس کسی کو یہ دعوت پہنچی بلا عذر دوڑا چلا آیا۔ یہ دعوت میرے گھر میں میرے سوار ہونے سے فقط ایک گھنٹہ پہلے دوپہر کے وقت ہوئی تھی۔ میری جدائی سے حاضرین کے منہ پر رود اشک جاری تھیں ہر چند بہت لوگوں نے

اس جلسہ مفارقت میں کچھ لیکچر سپیچ (تقریر) کرنا چاہا۔ مگر دو لفظ کہنے کے بعد ہر کسی کی ہچکی بندھ جاتی تھی۔ میں خود بھی جو ایک تقریر طویل نصیحت آمیز کرنے کو تھا ایک لفظ بھی ادا نہیں کر سکا اور دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

مولوی لیاقت علی الہ آبادی کا ذکر

اس دن اتفاق سے جمعہ تھا بعد تناول طعام مولوی لیاقت علی صاحب کے ساتھ آخری نماز جمعہ پڑھ کر گاڑیاں تیار کھڑی تھیں۔ میں معہ لواحقین خود سوار ہو کر جزیرہ روس کو چلا آیا وہاں میرے ہمراہ بھی صدہا مرد و عورت مجھے رخصت کرنے کو آئے تھے۔ جب بوقت چار بجے شام کے میں معہ لواحقین خود مقام جزیرۂ روس سے کشتی پر سوار ہو کر اگنبوٹ کو چلا تو بے شمار خلقت خوشی اور رنج سے زار زار روتی تھی۔

اس وقت میرے ساتھ ایک میری بیوی اور آٹھ بچے معہ میرے کل دس نفر تھے اور قریب آٹھ ہزار روپیہ کے میرے قبضہ میں جائداد تھی۔ اس وقت میں اپنی اس حالت کو کہ جب میں ۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء کو اسی گھاٹ میں ایک لنگوٹی باندھ کر تن تنہا جہاز سے اترا تھا اور اب ایسی رنج اور محن کی جگہ سے معہ دس نفر اور آٹھ ہزار کی جائداد کے واپس جاتا ہوں یاد کر کے قدرت خدا پر تعجب کرتا تھا کہ حکام دنیا نے مجھ کو بے خانماں کر کے سخت سزا کے واسطے یہاں بھیجا تھا مگر اس حاکم حقیقی نے کہ دراصل جس کے ہاتھ میں ساری دنیا اور مافیہا کا انتظام ہے۔ دشمنوں کے ہاتھ سے میرے ساتھ کیسے سلوک کرائے اور پھر ایک

فرد واحد سے دس نفر میرے اہل بیت کے کرکے کس اعزاز اور اکرام سے مجھ کو واپس لے چلا۔

یہ چونکہ یہ جہاز جس پر میں سوار ہونے کو تھا اسی جگہ کھڑا تھا۔جہاں کہ وہ جمنا جہاز جو مجھ کو لے کر آیا تھا کھڑا ہوا تھا اور اس دن میں فجر کے وقت جمنا جہاز سے اترا تھا اور آج شام کے وقت جہارانی اگنبوٹ پر سوار ہونا تھا اس واسطے مجھ کو اٹھارہ برس تک اس جزیرے میں رہنا ایک خواب وخیال معلوم ہوتا تھا اور ایسا خیال میں آتا تھا کہ میں آج فجر کو جمنا جہاز سے اترا تھا اور آج ہی سوار ہو گیا۔

میں نے اپنے چلنے سے چند روز پہلے بقدر راہ خرچ کے اپنے پاس رکھ کر باقی کل نقد روپیہ کو جو اس وقت میرے پاس موجود تھے۔حسب سہام شرعی اپنی دونوں حویلیوں پر تقسیم کر کے ہر ایک کے حوالہ کر دیئے اور آپ اس دولت دنیا سے سبکدوش ہو گیا۔اب میری ذاتی جائداد سوائے چند کتابوں اور چند جوڑے کپڑوں کے اور کچھ نہیں ہے جس قدر نقد وجنس وزیور وغیرہ میری جس حویلی کے قبضہ میں ہے وہ انہیں کا مال ہے دوسری حویلی کا اس میں کچھ دعویٰ نہیں۔

سواد ہند کو روانگی

قریب پانچ بجے شام کے ہم نے اگنبوٹ جہارانی نام پر سوار ہو کر ایک پہلگہ پر اپنا ڈیرہ کر لیا۔ہم لوگوں کے سوا اس جہاز پر اور بھی بہت سی رہائی

والی عورتیں اور مرد اور نیز بہت سے مسافر یورپین اور ہندوستانی سوار تھے۔ موسم نہایت عمدہ اور سمندر بالکل قریب ٹھنڈا اٹھا موج اور تلاطم کا نام نہ تھا۔

اس دن محرم کی بھی دسویں تاریخ اور صدی چودھویں شروع ہوگئی تھی۔ بوقت غروب آفتاب کے جہاز کا لنگر اٹھایا گیا اور ہم لوگوں نے چشم پرآب ایک کے بعد ایک جزائر انڈمان کو خیرباد کہہ کر پیچھے چھوڑنا شروع کیا۔

اب رات ہوگئی تھی چاندنی رات میں سمندر کی لہروں کی کیفیت بڑی آب دکھلا رہی تھی۔ دوسرے دن ہمارا جہاز جزیرہ کوکو میں پہنچا۔ دو روز چلنے کے بعد کسی قدر پانی بھی برسا جس سے مسافروں کو کچھ تکلیف ہوئی۔ مگر جب جہاز تھوڑا آگے بڑھ گیا تو تکلیف رفع ہوگئی اور پانی بھی بند ہوگیا۔

علی رضا نام ایک مشہور تاجر نے اس جہاز پر ہماری بڑی خاطر تواضع کی۔ دونوں وقت عمدہ کھانا گوشت مچھلی، چار کافی، برف اور قسم قسم کے میوے اور مٹھائیاں ہمارے واسطے ہر دم موجود رہتی تھیں بڑے آرام وراحت سے یہ سفر کیا۔

جس وقت مارے برسات کے سب مسافر پانی میں تر بتر کانپ رہے تھے اس وقت نورالدین نام ایک رہائی والے کی عورت کو درد زہ شروع ہوا اس حالت میں کہ زچہ پانی میں شرابور کانپ رہی تھی اس کو بلو ٹھا بچہ پیدا ہوا اور وہاں اچھوائی کہاں اس دن مشکل سے زچہ کو دال بھات ملا ہوگا۔

مگر اس کو یا اس کے بچہ کو کچھ مرض ہوا نہ بیماری دونوں صحیح تندرست تھے۔

کلکتہ

جب جہاز کلکتہ میں جاکر لنگر انداز ہوا اس بچہ نوزائیدہ کی عمر صرف دو دن کی ہو گی۔ اس کی والدہ معہ اپنے بچہ کے تندناتی ہوئی جہاز سے اتری اور پھر کلکتہ سے اس کے مرد نے ایک ٹکٹ سیدھا لاہور تک کا لیا۔ اسی حالت میں زچہ اور بچہ خوش وخرم روانہ ہو گئے۔ اور بچہ کا نام بوجہ سمندر میں پیدا ہونے کے سمندر ہی رکھا گیا تھا۔

خیر بفضل الٰہی ہم چار دن اور چار رات کے سفر کے بعد ۱۳ر نومبر ۱۸۸۳ء مطابق ۱۴ر محرم ۱۳۰۱ھ داخل کلکتہ ہوئے اور وہاں چینا باڑہ میں جاکر مولوی عبدالرؤف صاحب برادر مولوی عبدالرحیم صاحب کے مکان میں رہ کر تیسری شب کو بوقت ۹ بجے رات کے ہم بسواری ریل کلکتہ سے ہند کو روانہ ہو گئے اور کلکتہ سے الہ آباد اور وہاں سے کانپور سے علی گڈھ اور علی گڈھ سے سہارنپور اور وہاں سے انبالہ تک کا منزل بہ منزل ٹکٹ لیتے ہوئے ۱۳ر نومبر ۱۸۸۳ء کو بوقت ۹ بجے شب کے اسٹیشن کیمپ انبالہ پر پہنچ گئے۔

انبالہ

کلکتہ سے دو سپاہی ایک نائک ہمارے اہل وعیال اور مال کی حفاظت کے واسطے بطور اردلی انبالہ تک ہمارے ساتھ آئے تھے۔ انڈمان میں بارہ ماس موسم معتدل رہنے کے سبب سے میرے بال بچوں نے اس سے

پہلے کبھی جاڑہ گرمی نہ دیکھا تھا اسی واسطے اخیر نومبر میں کلکتہ سے آگے بڑھ کر ان کو کسی قدر سردی سے تکلیف بھی ہو گئی۔ مگر جس جس قدر موسم سرما اور سرد ملکوں کا قریب ہوتا گیا۔ اسی قدر ان کی طبیعت بھی اس کی عادی ہوتی گئی۔

بلیس برس کے بعد اس زندان قفس اولاد آدم سے ہر موسم میں جگہ بجگہ کا ہوا پانی اور طرح بطرح کے موسمی میوے وغیرہ سے میرے بال بچوں کی طبیعت نہایت شاداں اور فرحاں تھی۔ اسی سبب سے پورٹ بلیر سے انبالہ تک دن عید اور رات شب برات کی کیفیت رہی۔

ایک دن وہ تھا کہ ہم ۲۲ فروری ۱۸۶۵ء کو جیل انبالہ سے زیور آہنی وجو گیانہ لباس و گلیم سیاہ سے آراستہ پیراستہ ہو کر زیر حراست پولیس انبالہ سے مغرب کو روانہ ہوتے تھے! اور بڑے مصائب کھینچتے ہوئے ۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء کو گیارہ ماہ بعد تاریخ روانگی انبالہ سے کالے پانی میں داخل ہوئے تھے اور یا یہ دن ہوا کہ ہم بڑی آسائش سے دریائی سفر کو طے کر کے کلکتہ میں پہنچے اور وہاں سے ایک خاص درجہ ریل میں بلا شرکت احدے سوار ہوتے ہوئے دس آدمیوں کے عیال اور نقد و جنس کو ساتھ لے کر مثل نوابوں کے عمدہ سلطانی بانات کا لباس پہنے ہوئے پورٹ سے چل کر گیارہویں دن مشرق سے آکر داخل انبالہ ہوئے۔

میری اس کیفیت اور شان اور اولاد و رمال و منال کو دیکھ کر خلقت کو تعجب اور متعصبوں کو افسوس اور میرے ہوا خواہوں کو خوشی تھی۔

راہ میں بھی جہاں جہاں میں اترتا ہر شہر کے مسلمان میرا نام سن کر میری ملاقات کو دوڑے چلے آتے اور میری کیفیت کو دیکھ کر یہ کہتے تھے کہ اللہ جل جلالہٗ بڑا قادر ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے راہ میں یا انبالہ میں جو جو آدمی میرے مقدمہ اور حالات سے واقف تھے وہ سب یہی کہتے تھے۔ کہ تیرا اس ملک میں اس شان سے آنا مردے کے زندہ ہونے سے کم نہیں ہے جو اس کرامت کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہ لاوے البتہ وہ دل اور آنکھ دونوں کا اندھا ہے۔

ذرا غور تو کیجئے کہ یہاں میری ایک بیوی چھوٹی تھی کالے پانی میں مجھ کو دو بیویاں عنایت ہوئیں۔ یہاں میرے دو بچے چھوٹے تھے۔ وہاں آٹھ بچے مرحمت ہوئے اور سامان اور اسباب نقد وجنس ہر ایک چیز کا نام بنام نعم البدل اس قید خانہ میں دے کر مجھ کو واپس لے آیا جیسے کہ ایوب علیہ السلام کے مقدمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ

(دیا ہم نے اس کو کنبہ اس کا اور زیادہ دیئے اس کو اس کنبے کے ساتھ مثل اس کی یہ ایک رحمت تھی ہماری طرف سے اور ایک نصیحت تھی واسطے عابد لوگوں کے)

یہ آیت میرے حق میں بھی از سرتا پا صادق آئی مگر اس میرے قصہ سے جو ایک بڑی روشن آیت آیات الٰہی سے ہے۔ صرف عابدین اور صالحین ہی کو عبرت اور نصیحت ہو سکتی ہے منکرین اور منافقین کو نہیں۔

انبالہ

دوسرے دن فجر کو ہم شہر انبالہ میں پہنچے اور وہاں کے حکام ضلع سے اجازت لے کر کیمپ انبالہ میں اپنے آقائے قدیم کپتان ٹمپل صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب میں کپتان ٹمپل صاحب کے بنگلہ پر گیا وہ دوڑ کر میرے ملنے کو باہر نکل آئے اور اندر لیجا کر مجھ کو موڑھے پر بٹھایا اور بہت تسلی و تشفی کی اور فرمایا کہ آج کی تاریخ سے ہم بیس روپیہ ماہوار تنخواہ تم کو اپنے نج سے دیا کریں گے اور تمہاری نوکری کے واسطے بھی جلد اچھا بندوبست ہو جاوے گا۔

کپتان ٹمپل صاحب کی سعی سے بہت سے صاحب لوگ مجھ سے پڑھا کرتے تھے۔ میرے یہاں پہنچنے کے سوا برس بعد تک ٹمپل صاحب یہاں رہ کر مجھ کو قریب پچاس روپیہ ماہوار کے بندوبست کر دیتا تھا۔ اپریل ۱۸۸۶ء سے یعنی اس کے چلے جانے کے بعد سے وہ بندوبست ٹوٹ گیا بلکہ اس وقت سے نگرانی پولیس کی میرے اوپر مقرر ہو کر اور بھی سختی بڑھ گئی۔

بعد پہنچنے انبالہ کے جب میں نے اس سفر بیت سالہ کو نقشہ ہند سے پیمائش کر کے دیکھا تو انبالہ سے چل کر براہ لاہور و بمبئی کالے پانی تک اور پھر کالے پانی سے براہ کلکتہ انبالہ تک قریب سات ہزار میل کے مسافت ہوئی اور باستثنائے بعض شمالی اضلاع ہند کے قریب تمام کے کل ہند کا طواف ہو گیا۔ صدر بازار کیمپ انبالہ میں ایک مکان کرایہ کا لے کر مع اہل و عیال و اطفال خود اس میں آباد ہو گیا۔

دہلی

جب میں سب اسباب ضروری خانہ داری کا خرید چکا تو ۱۱ دسمبر ۱۸۸۲ء کو ایک ہفتہ کی رخصت لے کر براہ ریل اول دہلی گیا اور وہاں ایک شب رہ کر دوسرے دن شام کو بسواری یکہ پانی پت پہنچا اور اتفاق حسنہ سے پورے بیس برس کے بعد وہی ۱۳ دسمبر میرے پانی پت سے دہلی کو بھاگ جانے کی تاریخ تھی کہ جب میں ۲۰ برس پہلے تھانیسر سے سوار ہو کر بوقت صبح اپنی بیوی کو پانی پت میں چھوڑ کر اور پانی پت سے یکہ پر سوار ہو کر دہلی کو بھاگا تھا۔ جب میں پانی پت کی جانب شرق جنوب کی سڑک پر شام کے وقت دہلی سے پانی پت کو چلا آتا تھا تو وہی سڑک اور وہی موسم اور وہی تاریخ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج فجر میں اپنی بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر دہلی کو گیا تھا اور آج ہی واپس آگیا۔

پانی پت

خیر مغرب کی نماز کے بعد میں بمقام پانی پت اپنے گھر میں پہنچا۔ میری بیوی اور لڑکے مجھ کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئیں۔ بروز فرار جس لڑکے کو میں نے چند مہینے کا چھوڑا تھا اب اس کو بیس برس کی عمر میں دیکھا۔ پانچ روز وہاں ٹھہرنے کے بعد پھر میں براہ کرنال تھانیسر آیا اور ایک شب چند گھنٹے تھانیسر میں ٹھہر کر پھر انبالہ کو لوٹ آیا۔

جس جس شہر میں یہ عاجز گیا ہزاروں خلقت اس شہر کی میرا آنا سن کر میرے دیکھنے کو آتی تھی اور تھانیسر میں تو ایسا اژدہام خلائق کا ہوا کہ میں اس

کو سوائے بھی نہیں پایا بلکہ بسبب تنگی وقت کے بہت سے آدمی میری ملاقات سے محروم رہ گئے اور انبالہ میں چند مہینوں تک منزلوں سے لوگ میرے دیکھنے کو آتے رہے اور میرا منہ دیکھ کر خدا کی قدرت پر تعجب کرتے تھے۔

تھانیسر

شہر تھانیسر کو میں نے دیکھا کہ ۱۲ دسمبر ۱۸۶۳ء میں اس سے میرا قدم اٹھانا تھا کہ اس پر زوال شروع ہوا۔ اس بیس برس میں ساتویں حصہ سے بھی کم اس کی آبادی رہ گئی۔ مکانات گر گر راہ کوچے بند ہو گئے اور بجائے آدمیوں کے بندر اور چیونٹیوں نے اس میں اپنا دخل کر لیا۔ لیکن خداوند کریم نے مجھ کو قرائن سے معلوم کرا دیا کہ یہ شہر عنقریب بڑی دھوم دھام سے پھر دوبارہ آباد ہو گا۔

جب میں تھانیسر میں گیا تو میں نے اپنے مولد اور مکان مسکن پر جا کر مالک مکان سے جو اس وقت اس میں آباد تھا بہ عاجزی تمام یہ اجازت چاہی کہ اپنے زنانوں کو کسی ایک کمرے میں علیحدہ کر کے مجھ کو اس مکان کے اندر دو قطعات کی زیارت کر لینے دو۔ مالک مکان نے مجھ کو شناخت کر کے بڑے اخلاق سے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ مجھ کو اس جگہ بھی قدرت الٰہی یاد آئی کہ جس مکان کو میں نے خود ہزاروں روپیہ خرچ کر کے تعمیر کیا تھا اب اس کے اندر میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔

اب میں امید کرتا ہوں کہ خداوند کریم اس بدیہ اور تذر مکان کو

ریا سے پاک کر کے قبول کر لیوے۔ اور اس کا بدل کوئی مکان آخرت میں عطا کرے۔ اب بعد اختتام اس کیفیت بست سالہ کے بعض انعامات الٰہی کو ذکر کر کے میں اس کتاب کو ختم کر دیتا ہوں۔

انعامات الٰہی کا ذکر

ایک ان میں سے یہ ہے کہ تاریخ قید سے جہاں جس جگہ میں رہا کیسے اپنے سایۂ عاطفت اور انعام میں مجھ کو رکھا۔ بیس برس میں ایک دن بھی مشقت کرنے کی نوبت نہ آنے دی اور کالے پانی میں میرے پہنچنے سے پہلے میری راحت کے سامان جمع کر رکھے تھے جہاں پر اترنے ہی کے دن مجھ کو بڑا عہدہ دار سرکار بنا دیا اور ہمارے کالے پانی میں پہنچنے سے فقط چار پانچ برس پہلے اُن نئے جزائر کا آباد ہونا اور اس سبب سے قوانین پورٹ بلیر کا قیدیوں کے واسطے نرم اور آسان مقرر ہونا اور ہمارے وہاں داخل ہونے کے وقت تک جنگل کی صفائی اور مہلک امراض کا قطعی ہو کر اس کا رشک کشمیر ہو جانا اور پھر بیس برس تک بڑے آرام اور عیش سے ہمارا وہاں رہنا اور ایسی جائے نااُمیدی سے باوجود تعصب حکام باشان وشوکت مال و اولاد صحیح و تندرست جیسے گئے تھے اس سے بہتر حال میں واپس آجانا۔

دوسرے اس ملک ہند میں ہمارے واپس پہنچنے کے بعد بھی باوجود سخت تخالف اور تباین کے آب وہوا پورٹ بلیر انڈمان اور ہندوستان کے میرے بال بچے اب تک صحیح و سالم اور تندرست ہیں۔ بلکہ اور دو بچے اس

ملک میں آکر بھی میرے گھر میں پیدا ہوئے۔ حالانکہ اور دوسرے بچے جو کالے پانی سے یہاں واپس آئے، بہت ہی کم اس ملک میں زندہ رہے اور جب کوئی وبا۔ یا متعدی مرض اس ملک میں پھیلتا ہے تو یہ چھاؤنی یا میرا گھر ہمیشہ اس سے محفوظ رہتا ہے اور میرے یہاں پہنچنے کے بعد بارش، باران اور ارزانی غلہ بھی بہ نسبت سنین ملحقہ کے نہایت کثرت سے ہوئی۔

تیسرے جب بعد بیس برس کے اس جزیرے سے میری رہائی ہوئی تو بہ تقاضائے بشریت مجھ کو یہ فکر تھا کہ اس وقت میں ہندوستان میں جا کر کہاں رہوں گا اور کیا کروں گا۔ کیوں کہ بہ مقام تھانیسر میرے کل مکانات سکنی آراضی و زمینداری وغیرہ ضبط سرکار ہو کر نیلام ہو چکی تھی اور حکام ضلع انبالہ ہمارے اکثر وہی پرانے رفیق تھے جنہوں نے ہم کو کالے پانی بھیجا تھا۔ مگر ایسے وقت تردد اور انتشار میں اس قادر کریم اور مقلب القلوب نے کپتان ٹیمپل صاحب مجسٹریٹ کیمپ انبالہ میں بلایا اور اس میری شروع واپسی میں کہ جب ہر ایک انگریز میری صورت سے متنفر تھا بطور وکیل مدتوں میری طرف سے لڑتا رہا اور روزگار وغیرہ کی طرف سے بالکل مجھ کو فارغ البال کرا دیا۔

ریاست ارلولی میں ملازمت

جب ٹیمپل صاحب بوجہ تبدیلی خود اس ملک سے چلے گئے تو اس کے بعد خود بخود بلا میری درخواست کے ریاست ارلولی میں میرا روزگار معقول مقرر کرا دیا کہ جہاں میں اب تک بڑے آرام اور آسائش سے نوکر ہوں اور یہ بھی

اس کا شکر ہے کہ یہ دو توں سبب میرے روزگار اور آسائش کے غیر مسلمانوں کے ہاتھ سے ہوئے کہ جہاں سوائے تائید غیبی کے کوئی ظاہری گمان ہمدردی قوم وغیرہ کا بھی موجود نہیں ہے۔

مولوی محمد جعفر تھانیسری پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوئی

ہمارے ہندوستان میں واپس آنے کے بعد جو نگرانی پولیس وغیرہ ہمارے اوپر مقرر ہوئی تھی اول تو اس کو بذمہ داری وضمانت خود کپتان ٹمپل صاحب نے میرے اوپر سے اٹھوا دیا تھا اور بعد تبدیلی کپتان ٹمپل صاحب کے محض بہ تائید غیبی بلا سعی سفارش کسی بشر کے وہ احکامات نگرانی وغیرہ بذریعہ چٹھی نمبری ۱۸۸ مورخہ ۱۷ فروری ۱۸۸۸ء منجانب سکرٹری گورنمنٹ پنجاب بنام صاحب کمشنر قسمت دہلی میرے اوپر سے اٹھوا دیئے گئے۔ حالانکہ میرے پانچوں رفقاء جیل یعنی مولوی عبدالرحیم وغیرہ پر سے وہ احکامات نگرانی ابھی تک بھی نہیں اٹھائے گئے۔

بفضل الٰہی اب میں قطعی آزاد ہوں۔ جہاں چاہوں رہوں اور جو چاہے روزگار کروں۔ بضرورت کاروبار ریاست میں لاہور اور کلکتہ کے مابین میں ہمیشہ دورہ سیر میں رہتا ہوں۔ بلکہ عنقریب ایک مقدمہ ریاست ارنولی کی پیروی میں میرا ولایت جانے کا بھی ارادہ ہے جہاں انشاء اللہ تعالےٰ ڈاکٹر ہنٹر صاحب اور دوسرے موافق اور مخالف صاحب لوگوں سے ملاقات کر کے اس قدرت الٰہی کا ان سے اعتراف کراؤں گا۔

جب میں کچہری انبالہ کے اس مقام کو دیکھتا ہوں کہ جہاں مجھ کو پھانسی کا حکم سنایا گیا تھا اور یا جب جیل انبالہ کے پاس سے نکلتا ہوں جس میں دو برس تک قید رہا تھا اور یا ان سڑکوں پر گذرتا ہوں کہ جہاں سے بعد سنانے حکم پھانسی کے ہم کو جیل خانہ کو لے گئے تھے۔ تو قدرت الٰہی کو دیکھ کر میرا دل ہل جاتا ہے اور یہ خیال ہو جاتا ہے کہ بروز سنائے جانے حکم پھانسی کے کس کو گمان تھا کہ پھر میں اس کمرۂ عدالت میں یا ان مقاموں پر کبھی کھلا ہوا بے روک ٹوک پھروں گا۔ ہرگز کسی بشر کو گمان کیا اس کا وہم بھی نہ تھا۔

یہ فقط اس رب قدیر کا کام ہے کہ یہ سارے تماشے گرم سرد زمانے کے دکھا کر اس اپنے نالائق مفرور غلام کو پھر جیسے کا جیسا اس ملک میں لا کر پہلے سے وہ چند لوگوں کی آنکھوں میں معزز اور ممتاز کر دیا ہے۔ ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء

خاتمہ

اس قصہ کو ایک کہانی یا ایک مسل ایک فوجداری کا ترجمہ ہی نہ سمجھو بلکہ یہ قصہ ایک بڑی آیت آیات الٰہی ہے۔ اس کو بار بار چست ملاحظہ کر کے عبرت پکڑنا چاہئے۔ خداوند تعالیٰ اپنے کتاب مجید میں ایسے ہی قصہ کی نسبت فرماتے ہیں۔ لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب (ترجمہ۔ تحقیق ان کے قصوں میں ایک عبرت اور نصیحت ہے۔ عقلمندوں کے واسطے) اور تعمیل حکم ربانی واما بنعمۃ ربک فحدث۔ (ترجمہ۔ اپنے رب کے انعاموں کو لوگوں میں بیان کر دو۔)

ہیں نے جملہ انعامات ظاہری اور باطنی خداوند عالمین جل جلالہ وعمہ نوالہ کو بقدر اپنی سمجھ کے بطور اختصار کے لکھ کر پبلک کے سامنے پیش کردیا ہے۔ اب یہ آخری دعا ہے کہ خداوند کریم اس محنت او مشقت اور ان تکالیف قید کو ریا سے پاک کرکے قبول فرما دے اور ناظرین کو اس قصہ سے عبرت اور نصیحت ہوتی رہے۔ آمین۔ اللھم انا نجعلك فی نحورھم و نعوذبك من شرورھم۔

تمام شد

تذکرۂ رجال

از

محمد ایوب قادری (مرتب)

فهرست

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] الوقت

۱۴۔ میاں عبدالغفار

۱۵۔ عبدالغفور

۱۶۔ عبدالکریم

۱۷۔ عزن خان

۱۸۔ مولوی لیاقت علی الہ آبادی

۱۹۔ مولوی مبارک علی

۲۰۔ مولوی محمد ابراہیم منڈل

۲۱۔ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی

۲۲۔ مولوی محمد حسن

۲۳۔ محمد شفیع

۲۴۔ محمد یقین

۲۵۔ مسعود گل

۲۶۔ مہدی سوڈانی

۲۷۔ قاضی میاں جان

۲۸۔ شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی

۲۹۔ مولوی یحییٰ علی۔

مولوی احمد اللہ

مولوی احمد اللہ بن مولوی الٰہی بخش ۹-۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸-۹ء میں پیدا ہوئے پہلے ان کا نام احمد بخش تھا سید احمد شہید نے احمد اللہ رکھ دیا۔ مولانا ولایت علی صادق پوری اور مولوی منور علی آروی سے علوم مروجہ کی تحصیل کی اس کے بعد سلسلۂ درس و تدریس جاری کیا مولانا نہایت صائب الرائے اور معاملہ فہم تھے پبلک اور حکام میں خاص امتیاز اور عزت کے مالک تھے ۱۸۵۷ء میں کمشنر پٹنہ ٹیلر نے حفظ ماتقدم کے طور پر نظر بند رکھا۔ مولانا کے تقریباً تمام اعزہ تحریک جہاد کے سرگرم کارکن اور بعض قائدین میں تھے مولانا احمد اللہ جائداد اور گھر بار کی نگرانی کیا کرتے تھے جب ان کے بھائی مولوی یحییٰ علی انبالے کے مقدمے میں ماخوذ ہو گئے تو انہوں نے حسب ضرورت تحریک کی رہنمائی کی حکومت اصحاب عظیم آباد سے سخت بدظن اور ان کی مکمل بربادی کے درپے تھی ان کے خلاف بھی جھوٹے گواہ بنا کر ایک خوفناک سازش کا مقدمہ چلایا گیا مولوی مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں۔

> "ان کے مقدمے کی ساری کارروائی اور فیصلے راقم کی نظر سے گزرے ہیں پورا مقدمہ "بنایا ہوا" معلوم ہوتا ہے خود حکام کو اس بات کا اقرار ہے کہ الٰہی بخش ملزم انبالہ کی شہادت کے بغیر مولانا احمد اللہ کی سزایابی مشکل تھی۔"

مولانا احمد اللہ کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی مولانا ۱۵ جون ۱۸۶۵ء (۱۲۸۱ھ) کو انڈمان پہنچے تمام املاک منقولہ وغیر منقولہ ضبط کر لی گئی اہل وعیال بے خانماں کر دیئے گئے تمام جائداد اور سامان کو کوڑیوں کے مول نیلام کیا گیا غیر منقولہ جائداد ۷۷۰۰۵ روپئے اور پچیس پیسوں اور منقولہ جائداد ۱۵۲۷ روپیہ دس پیسے میں نیلام ہوئی منقولہ املاک میں کتب خانہ، فرنیچر، یکے، گھوڑے، پالکیاں اور طلائی ونقرئی زیورات وغیرہ سب سامان شامل تھا مولانا کے اہل وعیال کو عین عید کے دن مکان سے نکالا گیا ان کے صاحبزادے مولوی حکیم عبدالحمید (ف ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء) نے ایک مثنوی (شہر آشوب) لکھی جس میں اس خونچکاں داستان کو نظم کیا تھا حکیم صاحب لکھتے ہیں۔

چوں شب عید کا سحر کردند ۔۔۔ ہمہ را از مکاں بدر کردند
ضبط و تاراج جملہ مال و متاع ۔۔۔ نقد و جنس و ہمہ اثاث و ضیاع
بہر ما بود آہ جرم سخت ۔۔۔ بر دل سوزنے زجملہ رخت
کتب ملت مسلمانان ۔۔۔ رفت در دست حرف ناخوانان

مولانا احمد اللہ نے اٹھارہ سال جزائر انڈمان میں غربت و اسیری میں گزارے، قید کی تکلیف، اعزہ سے علٰحدگی، آب و ہوا کی ناسازگاری، غذا کی ناموافقت اور کبر سنی کی وجہ سے مولانا کی طبیعت بہت کمزور ہو گئی تھی مولانا عبدالرحیم ان کی بہت مدد اور خدمت کرتے تھے ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۹۸ھ مطابق ۲۱ نومبر ۱۸۸۱ء کو

جزیرہ انڈمان میں قید حیات سے آزاد ہوئے جزیرہ ڈنڈا کر پائنٹ میں سپرد خاک کئے گئے رحمۃ اللہ علیہ۔

مولوی محمد ایوب خاں کیفی مراد آبادی مقیم جزیرہ انڈمان نے مولانا احمد اللہ کی وفات پر مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے۔

چوں ازیں دار فنا جانب باغ رضوان	احمد اللہ رواں گشت بہ صد دل شاداں
شش و ہفتاد و سن عمر شریفش بودند	بغتۃً گشت نصیبش سفر جاویداں
بست و ہشتم شبے بود از مہ ذی حجہ کہ او	راہی ملک بقا گشت ز دار گزراں
اعتقادش بہ احادیث نبی از ہمہ بیش	اعتمادش ہمہ ہر دم بہ نصوص قرآں
ہم زہد و ہم تقویٰ و ہمہ صوم و صلوٰۃ	ہمہ مصروف عبادت ہمہ صرف عرفاں
سال تاریخ وفاتش ز تفکر جستم	دخل الخلد بفرمود ہمہ دم رضواں ۱۲۹۹ھ
مہ قرباں بہ تمامی و محرم اقرب	سن تسعہ ز حادثش بگر ختم پئے آں

اخوند سوات ملا عبد الغفور

آخوند سوات کا نام شیخ عبد الغفور ابن عبد الواحد تھا سوات کے ایک مقام جبڑی میں ۱۷۹۴ء میں پیدا ہوئے وہ ایک غیر معروف گھرانے

لہ ملاحظہ ہو (۱) تذکرہ صادقہ ص ۲۴۲

(۲) سرگزشت مجاہدین ص ۳۶۳ و ۳۴۴

(۳) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۰۷، ۱۴۰، ۱۵۱

سے تعلق رکھتے تھے طبیعت کا رجحان ابتدا ہی سے زہد و اتقا کیطرف تھا پہلے مولانا عبدالحکیم سے تحصیل علم کی، شاہ محمد شعیب سے نقشبندیہ سلسلے میں بیعت ہوئے بارہ سال تک ریاضتیں کرتے رہے حضرت سید احمد شہیدؒ (ش ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) سے بھی ملے مولوی غلام رسول مہر لکھتے ہیں ۔

"سید صاحب کے عزم یورش کا حال آخوند صاحب کو معلوم تھا اور انھوں نے خان ہنڈ کو سید صاحب کا مخلص سمجھتے ہوئے یہ راز بتا دیا خان ہنڈ نے سکھوں کو قبل از وقت خبردار کر دیا اٹک کے جو مسلمان شہر اور قلعہ کو مجاہدین کے حوالے کر دینے کی تیاریوں میں شریک تھے انہیں خوفناک سزائیں جھیلنی پڑیں اور پنجاب پر کامیاب اقدام کی اسکیم ابتدائی مراحل ہی میں ناکام ہو گئی آخوند صاحب کو اپنی اس نادانستہ حرکت پر اتنی ندامت محسوس ہوئی کہ بیکی سے نکل کر مدت تک روپوش رہے"

آخوند صاحب نے قبیلہ اکوزئی میں نکاح کیا جس سے دو بیچے پیدا ہوئے ۱۳ ارجنوری ۱۸۷۸ء کو آخوند صاحب کا انتقال ہوا آخوند صاحب کے پوتے میاں گل عبدالودود نے سوات کی بادشاہی کا منصب حاصل کیا اور اب عبدالودود کے صاحبزادے جہاں زیب سوات

کے فرمانروا ہیں آخوند صاحب کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو[۱]

الٰہی بخش

الٰہی بخش کے والد کا نام کریم بخش تھا یہ شخص مولانا احمد اللہ کا مختار تھا اور روپیوں کے بھیجنے کا کاروبار زیادہ تر اسی کے ذریعہ ہوتا تھا اس کا اپنا بھی کاروبار تھا انبالے کے مقدمہ میں سزایاب[۲] ہوا جائداد ضبط ہوئی مگر محمد شفیع اور عبدالکریم وغیرہ کے ساتھ سرکاری گواہ بن گیا اور مولانا احمد اللہ کے خلاف گواہی دی سرکاری کاغذات میں تحریر ہے کہ مولانا احمد اللہ کے متعلق سب سے زیادہ معلومات الٰہی بخش کے ذریعے حاصل ہوئی۔ لفٹنٹ گورنر بنگال نے اس خدمت کے صلہ میں اس کو رہا کردیا مکان واپس مل گیا پانچ سو روپیہ نقد ملا رہائی کے بعد بھی یہ شرط تھی کہ ہفتے میں ایک مرتبہ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے یہاں حاضری دے اور مجسٹریٹ کی بلا اطلاع شہر سے کہیں باہر نہ جائے۔[۳]

---

[۱] (۱) سرگزشت مجاہدین جلد چہارم از مولوی غلام رسول مہر ص ۳۲۶ (کتاب منزل لاہور، ۱۹۵۶ء)

(۲) صاحب سوات از مولانا محمد اسمٰعیل طوروی مرتبہ ظہور الحق طوروی (پشاور، ۱۹۵۳ء)

[۲] سرگزشت مجاہدین ص ۴۸۶، ۲۰۱، ۲۰۲ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مولوی امیر الدین

مولوی امیر الدین کے والد کا نام رفیع منڈل تھا مولانا ولایت علی کے ایک خلیفہ عبد الرحمٰن لکھنوی تھے جنہوں نے مالدہ میں تبلیغ کی وہیں سکونت اختیار کر لی اور مالدہ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اس مرکز کا آغاز تقریباً ۱۸۴۰ئہ میں ہوا رفیع منڈل ان کے کارکنوں میں تھے رفیع منڈل ۱۸۵۳ئہ میں گرفتار ہوئے اور پھر رہا کر دیئے گئے ان کے صاحبزادے مولوی امیر الدین بھی تحریک جہاد کے نہایت سرگرم اور مخلص کارکنوں میں تھے بلکہ مولوی محمد ابراہیم منڈل کے بعد وہی اس علاقے میں سب سے زیادہ اثر رکھتے تھے یہ بڑی تندہی سے رقوم کی فراہمی اور جہاد کی تبلیغ کرتے تھے ان کے حلقے میں مالدہ، راج شاہی اور مرشد آباد کا کچھ علاقہ تھا مشہور سرکاری جاسوس نوبو کرسٹو گھوش نے مولوی امیر الدین کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا اور تحقیقات کی کہ ان کے ذریعہ سرحد پر رقوم اور مجاہدین جاتے ہیں جس کے نتیجے میں مارچ ۱۸۶۹ئہ میں گرفتار ہوئے مقدمہ چلایا گیا۔

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) ؎ سلیکشنس فرام بنگال گورنمنٹ ریکارڈس آن وہابی ٹرائلس (۱۸۶۳ئہ - ۱۸۷۰ئہ) مرتبہ معین الدین احمد خاں ص ۲۲۳، ۲۲۴ (ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان - ڈھاکہ، ۱۹۶۱ئہ) آئندہ اس کا حوالہ بنگال گورنمنٹ ریکارڈس سے دیا جائے گا۔
؎ ایضاً ص ۲۵۸

۱۲۱- آدمیوں نے ان کے خلاف گواہیاں دیں مولانا امیرالدین نے اپنی صفائی میں صرف اس قدر کہا کہ مولوی عباس علی نے میری بربادی کا یہ تمام سامان مہیا کیا ہے جو میرے مخالف ہیں- آخر مولوی امیرالدین کو حبس دوام بعبور دریائے شور اور ضبطی املاک کی سزا ہوئی انڈمان پہنچے انڈمان میں بحیثیت قیدی کے ان کا نمبر ۴۷۸ تھا- ۱۸۸۳ء میں مولوی عبدالرحیم وغیرہ کے ساتھ رہا ہوئے اور اگلومی (راج محل) پرگنہ سنتھال میں سکونت اختیار کی- رہائی کے بعد پولیس میں ماہانہ حاضری ضروری تھی مولوی امیرالدین کو سپرنٹنڈنٹ پولیس (پرگنہ سنتھال) کے بجائے سب ڈویزنل آفیسر راج محل کے یہاں ماہانہ اطلاع دینے کی اجازت ہوگئی کیوں کہ اگلومی (راج محل) سے سنتھال کا فاصلہ کافی تھا- مولوی امیرالدین بہت بااثر اور مخلص کارکن تھے[1]

امیر خاں

امیر خاں خوانین میوات سے تھے کلکتہ میں ان کا بڑا کاروبار تھا چمڑے کی تجارت کرتے تھے محلہ کولوٹلہ میں ۱۱۱ کوٹھی تھی یہ کوٹھی ۱۸۴۲-۴۱ء میں تعمیر ہوئی تھی عظیم آباد (پٹنہ) میں چمڑے کے کئی گودام تھے امیر خاں نہایت دیندار اور جوشیلے مسلمان تھے مجاہدین کو مدد دینے کے الزام میں

---

[1] یہ تمام حالات "بنگال گورنمنٹ ریکارڈس سے ماخوذ ہیں۔

۱۰ر جولائی ۱۸۶۹ء کو گرفتار ہوئے اول ان کو گیا جیل میں رکھا گیا پھر علی پور میں منتقل کر دیا گیا انگریزی حکومت نے حسب معمول ضبطی املاک اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا سنائی امیر خاں کی کوٹھی واقع کولوٹولہ ۲۴۵۰۰ روپئے میں نیلام اور سامان منقولہ ۹۹۵ روپئے ۱۲ آنے چھ پائی میں نیلام ہوا نیلام کے فرائض ایک انگلش فرم مسرز میکنزی اینڈ لائل نے انجام دیئے اس کو اس سلسلہ میں ۶۵۵ روپئے ایک آنہ نو پائی کمیشن ملا۔

فیصلہ کے بعد امیر خاں کی بیٹی زیب النساء نیز دوسرے اعزہ نے ان کی رہائی کی بہت کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو انڈمان نہیں بھیجا گیا ۱۸۷۷ء میں رہائی ہوئی گرفتاری کے وقت امیر خاں کی عمر ۶۵ سال کی تھی رہائی کے بعد پھر کاروبار شروع کیا مگر چند ہی روز کے بعد ایک حادثے میں ۱۳ ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ مطابق ۸ نومبر ۱۸۷۸ء کو بروز ہفتہ واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی واحد علی نے ایک طویل قطعہ تاریخ لکھا ہے جس میں اس حادثہ کا مفصل ذکر کیا ہے درج ذیل اشعار سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

کس گفت از واحد بگو تاریخ سال عیسوی — تا یاد ماند بعد ازیں تاریخ سال فوت شاں

واحد بگفتا ردح او در رفتہ سوئے خلد بریں — زاں بعد شد از جان و دل ہر روز و شب تجہیز آں

۱۸۷۸ء

ایضاً

تاریخ ہجری واحد از کرد بیاں پر سید و گفت — آباد رضوان وجناں جنت مقامش شد براں

امیر خاں کی اولاد میں صرف ایک بیٹی زیب النساء تھیں جن کے دو صاحبزادے زکریا خاں اور یحییٰ خاں تھے گورنمنٹ نے ان کا ۱۲ روپے ۸ آنے مہینہ وظیفہ مقرر کیا تھا اور ان کو تعلیم کے واسطے ایم اے۔ او کالج علی گڑھ بھیجا تھا[1]

مولوی تبارک علی

مولوی تبارک علی بن مولوی مبارک علی، ان کے عرف قادر بخش اور خدا بخش تھے اپنے والد کی طرح تحریک جہاد کے سرگرم کارکن تھے پٹنے کے مرکز سے روپیہ اور مجاہدین ان کے ذریعہ سرحد پار پہنچے تھے ان کے اوپر یہ بھی الزام تھا کہ وہ مہم امبیلا (۱۸۶۳ء) میں مولوی عبداللہ (ف ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) کے شریک تھے اور ایک دستے کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی[2] ۱۸۷۰ء میں ان کا فیصلہ ہوا اور حبس دوام بعبور دریائے شور اور ضبطی املاک کی سزا ہوئی ۱۸۸۳ء میں رہائی ہوئی[3]

حسینی (تھانیسری)

حسینی کے باپ کا نام محمد بخش اور تھانیسر وطن تھا، عمر چھبیس سال

---

[1] یہ حالات "بنگال گورنمنٹ ریکارڈس" سے ماخوذ ہیں۔

[2] ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص ۱۵۹

[3] "بنگال گورنمنٹ ریکارڈس" ص ۲۶۵

ہو گی یہ مولانا عنایت علی کے زمانے میں شریک جہاد رہا پھر مولوی محمد جعفر کا معین و مددگار بنا دیا گیا۔ مولوی محمد جعفر نے حسینی کو اشرفیاں دے کر دہلی روانہ کیا تھا وہ بڑی احتیاط سے اشرفیاں لئے جا رہا تھا کرنال سے امرت سر تک یکہ کرایہ کیا راستے میں پیپلی کے نائب تحصیل دار قاسم علی اور سارجنٹ برکت علی نے اسے گرفتار کر لیا۔ نائب تحصیل دار نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ میں تھانیسر میں مختلف مکانوں کی تلاشی کے بعد پیپلی پہنچا تو یہ شخص یکے میں سوار تھا پردے چھوڑ رکھے تھے میں نے پوچھا کہاں سے آئے بولا تھانیسر سے اشنان کر کے آ رہا ہوں چونکہ وہ مسلمان تھا لہٰذا اشنان سے کیا مطلب؟ اس لئے میں نے گرفتار کر لیا اس کی بغل میں دو روئی کی صدریاں تھیں جن میں دو سو نوے (۲۹۰) اشرفیاں تھیں اور ترپن (۵۳) روپئے بھی اس کے پاس سے نکلے۔

حسینی سات سال قید رہا یہ بھی ۱۸۷۱ء کے مقدمہ میں گواہ بنا[1]

حسینی (عظیم آبادی)

حسینی کے باپ کا نام میگھو تھا عظیم آباد کا رہنے والا اور الٰہی بخش (مختار مولوی احمد اللہ) کا ملازم تھا عمر پینتیس (۳۵) سال ہو گی ۱۸۷۱ء

---

[1] ملاحظہ ہو (۱) سرگزشت مجاہدین ص ۳۸۲-۳۸۶
(۲) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۳۶

کے مقدمے میں اس نے بھی شہادت دی دس سال قید رہا[1]

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ

۴ھ میں عضل اور قارۃ قبائل کے چند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کہ ہمارے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا ہے چند لوگوں کو اسلام کے احکام اور عقائد سکھانے کے لئے بھیج دیجئے آپ نے دس آدمی ساتھ کر دیئے جن کے سردار حضرت عاصم بن ثابت تھے جب یہ لوگ مقام رجیع پر پہنچے تو ان غداروں نے بدعہدی کی اور بنو لحیان کو اشارہ کر دیا کہ ان کا کام تمام کر دیا جائے ان لوگوں نے ایک ٹیکرے پر پناہ لی کفار سے مقابلہ ہوا رئیس وفد حضرت عاصم رضی اللہ عنہ مع سات اصحاب کے شہید ہوئے حضرت خبیب رض اور حضرت زید (بن الدثنہ) نے کافروں پر اعتماد کیا اور ٹیکرے سے اتر آئے کافروں نے بدعہدی کی اور مکے میں لے جاکر فروخت کر دیا حارث کے بیٹوں نے ان کو خریدا حرم سے باہر لے گئے اور قتل کرنا چاہا حضرت خبیب رض نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی قاتلوں نے اجازت دے دی انھوں نے دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد

---

[1] ملاحظہ ہو سرگزشت مجاہدین ص ۳۸۶

(۲) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۲۶

کہا کہ نماز تو دیر تک پڑھنے کو جی چاہتا تھا مگر کہیں تم کو یہ خیال نہ ہو کہ میں موت سے خائف ہوں اسلئے جلد پڑھ کر فارغ ہو گیا اور پھر یہ اشعار پڑھے

فلست ابالی حین اقتل مسلما علی ای شق کان فی اللہ مصرعی

وذالک فی ذات الالہ وان یشاء یبارک علی اوصال شلو ممزع

(ترجمہ) جب میں اسلام کے لئے قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھ کو اس کی پرواہ نہیں کہ کس پہلو قتل کیا جاؤں یہ جو کچھ ہے خالصًا خدا کے لئے ہے اگر وہ چاہے گا تو جسم کے ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل کرے گا۔

اس زمانے سے یہ دستور ہے کہ کسی کو قتل کرتے تو مقتول دو رکعت نماز ادا کر لیتا ہے اور یہ مستحب سمجھا جاتا ہے [1]

سید احمد شہیدؒ

سید احمد بن محمد عرفان، ۶ر صفر ۱۲۰۱ھ (۲۹ر نومبر ۱۷۸۶ء) کو پیر کے دن تکیہ رائے بریلی میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم وطن ہی میں شروع ہوئی مگر اس طرف طبیعت کچھ زیادہ راغب نہیں ہوئی قدرت کو ان سے اصلاح دین اور جہاد کا زبردست کام لینا تھا ۱۸ سال کی عمر

---

[1] سیرت النبی جلد اول از علامہ شبلی نعمانی ص ۳۹۱-۳۹۲ دار المصنفین اعظم گڈھ ۱۳۳۶ھ

میں تلاش معاش کی غرض سے لکھنؤ پہنچے وہاں دل نہ لگا دہلی کا راستہ لیا حضرت شاہ عبدالعزیز رح کی خدمت میں حاضر ہوئے شاہ صاحب نے سید احمد کی تعلیم و تربیت اپنے بھائی شاہ عبدالقادر کے سپرد فرمائی ۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء میں سید صاحب نے شاہ عبدالعزیز رح سے بیعت کی اور بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے اور دہلی سے اپنے وطن رائے بریلی واپس آئے۔ ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء میں سید صاحب کی شادی ہوئی اس کے بعد انہوں نے نواب امیر خان (رئیس ٹونک) کے لشکر میں ملازمت کرلی اس طرح سات سال عسکری زندگی کے تجربے میں گزارے جب نومبر ۱۸۱۷ء میں نواب امیر خاں اور انگریزوں سے مصالحت ہوگئی تو سید احمد نواب امیر خاں کے لشکر سے علحدگی اختیار کرکے دہلی پہنچے وہاں اصلاح و تجدید اور بیعت وارشاد کا سلسلہ شروع کردیا مولوی عبدالحئی اور شاہ محمد اسماعیل جیسے متبحر علماء نے سید صاحبؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اس کے بعد دوآبے کا دورہ کیا پھر رائے بریلی پہنچے وہاں بھی اصلاح و تبلیغ کا کام برابر جاری رہا قرب وجوار کے علاوہ سید صاحب نے لکھنؤ کا بھی دورہ کیا۔

شوال ۱۲۳۶ھ (جولائی ۱۸۲۱ء) میں سید احمد کم وبیش چارسو حضرات کی جماعت کے ساتھ فریضۂ حج کے لئے روانہ ہوئے مختلف دیار و امصار میں ٹھہرتے ہوئے کلکتے پہنچے راستے میں بھی وعظ و تذکیر کا کام جاری رہا ربیع الاول ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۲ء میں حجاز روانہ ہوئے

شعبان ۱۲۳۹ھ (اپریل ۱۸۲۴ء) میں سید صاحب فریضۂ حج ادا کرکے وطن پہنچے اس سفر میں دو سال دس مہینے لگے حرمین شریفین سے واپسی کے بعد سید صاحب ہمہ تن جہاد کی تیاری میں مشغول ہو گئے تقریباً دو سال جہاد کی دعوت و تبلیغ میں صرف ہوئے — جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ (جنوری ۱۸۲۶ء) میں وطن سے ہجرت کی گوالیار، ٹونک، اجمیر، حیدرآباد (مغربی پاکستان)، پیر کوٹ، شکارپور، کوئٹہ، پشاور پہنچے اور پھر سرحد کے علاقے کو اپنی جہادی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ بڑے بڑے معرکے سر کیے آخر ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ — (۶ مئی ۱۸۳۱ء) کو بالاکوٹ میں جام شہادت نوش کیا[1]

سید احمد شہیدؒ کے مزار پر حسب ذیل اشعار اور عبارت کندہ ہے[2]

لوح مزار

حضرت سید احمد بریلوی غازی رحمۃ اللہ علیہ ، مدفون بالاکوٹ
ضلع ہزارہ

---

[1] یہ حالات " سید احمد شہید " تالیف مولانا غلام رسول مہر سے ماخوذ ہیں —

[2] ہمارے مخلص دوست جناب شاہ الحق ایم اے نے مئی ۱۹۶۱ء میں بالاکوٹ کا سفر کیا تھا وہ یہ عبارت ہمارے لئے نقل کر کے لائے تھے جس کیلئے ہم انکے شکرگزار ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید احمد بریلوی غازی | ہست مدفون اندرین مرقد
مومن و متقی ولی اللہ | بد مجدد برایں سیزدہ صد
آمد از ہند با گروہ کثیر | بہر امداد مردم سرحد
جنگ با سکھ نمود گشت شہید | باد و راضی از و خدائے احد
بست و چارم بد از مہ ذیقعد | سال غم در بدان ورا ابجد

کاف و حا را کشیدہ گو یوسف

رحمت رب بود بایں مرقد

۱۲۴۶ھ

قاضی محمد یوسف۔ پشاور

منجانب

سرحد ۱/۱۲/۱

لوح مزار کے قریب ایک اور پتھر رکھا ہوا ہے، جس پر نہایت

کچے حروف میں یہ عبارت کندہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مزار شریف

غازی سید احمد صاحب

بریلوی شہید مجدد تیرھویں صدی

سن ۱۹۱۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگنا ہے خاک اب افلاک کے سایہ تلے حشر تک سونا پڑے گا خاک کے سایہ تلے

فدوی خاکسار صادق داتا صبری غلام ربانی ولد غلام علی ساکن بالاکوٹ

متصل پل گرلاٹ

16 - 6 - 38

سید غازی سید احمد شاہ

شیر علی

شیر علی آفریدی پٹھان اور تیراہ کا رہنے والا تھا کمشنر پیشاور کے سوار اردلیوں میں بھرتی ہوا۔ اس کے خاندان کی دو شاخوں میں دشمنی تھی اتفاق سے اس کا ایک دشمن پیشاور آیا ہوا تھا۔ اس نے اس دشمن کو پیشاور میں قتل کر دیا۔ شیر علی پر قتل کا مقدمہ قائم ہوا۔ ۲ر اپریل ۱۸۶۷ء کو پھانسی کا حکم سنا دیا گیا لیکن چونکہ اس کا عام چال چلن اچھا تھا اور جنگ امبیلہ میں بھی وہ انگریزوں کی طرف سے لڑا تھا اور انگریزوں کی خدمات انجام دی تھیں اس لئے سزائے موت کو حبس دوام لعبور دریائے شور سے تبدیل کر دیا گیا ۱۸۶۹ء میں شیر علی نے طے کیا کہ وہ کسی بڑے انگریزی افسر کو قتل کرے گا وہ اکثر روزے رکھتا تھا اور جو کچھ تنخواہ یا مزدوری سے بچ انداز کرتا اس کو خیرات کر دیتا تھا اپنے حسن سلوک اور نیک کردار کی وجہ سے شیر علی خاص طور سے ممتاز ہو گیا تھا اس کے چال

چلن کی بھی چنداں نگرانی نہ تھی۔

۱۸۷۲ء لارڈ میو کے قتل کے ایک مہینہ چار روز کے بعد ۱۱ر مارچ کو اسے پھانسی دے دی گئی۔[1]

مولوی عبدالرحیم

مولوی عبدالرحیم بن مولوی فرحت حسین ۱۴ر شعبان ۱۲۵۲ھ ۱۸۳۶ء کو پیدا ہوئے مولوی عبدالرحیم بہاری، مولوی محمد اطہر سورج گڑھی، مولوی میزان الرحمٰن ساکن ڈھاکہ، حکیم مولوی عبدالحمید، مولانا احمداللہ اور مولوی فیاض علی سے علوم مروجہ کی تحصیل کی جنگ امبیلہ کے مجاہدین کی اعانت کے جرم میں مقدمہ چلا کچھ وقت انبالہ جیل میں گزرا ایک سال آٹھ مہینے کی مدت لاہور جیل میں گزاری حبس دوام بعبور دریائے شور اور ضبطی جائداد کی سزا ہوئی ۱۴ر شعبان ۱۲۸۰ھ ۱۸۶۴ء کو انڈمان بھیج دیئے گئے مولوی عبدالرحیم کو ضیق النفس کا عارضہ تھا لاہور سے کراچی اور کراچی سے انڈمان پہنچے راستے میں سخت مصیبتوں اور مشقتوں سے دوچار ہونا پڑا انڈمان میں بحیثیت قیدی کے مولوی عبدالرحیم کا نمبر ۱۴۵۶۱ تھا۔ انڈمان کے پورے دوران قیام میں مولوی عبدالرحیم کے خلاف کسی قسم کا ریمارک نہیں ہے مولوی عبدالرحیم نے انڈمان میں مختلف ملازمتیں

[1] ملاحظہ ہو سرگزشت مجاہدین ص ۴۴۹ — ۴۵۰

میں لارڈ میو کے قتل میں جب مسلمان قیدیوں پر اور بھی سختی شروع ہوئی تو مولوی عبدالرحیم کو مرکز سے دور افتادہ مقام پر بھیج دیا گیا۔ ان کے چھوٹے ماموں مولوی یحییٰ علی فوت ہو چکے تھے بڑے ماموں مولانا احمد اللہ سے بھی الگ کر دیا گیا مدت کے بعد مولوی عبدالرحیم کو مرکز سے دور افتادہ مقام پر تجارت کی اجازت ملی اور اس میں خوب ترقی ہوئی۔ ۱۵ اگست ۱۸۸۲ء کو مولوی عبدالرحیم کی بیوی مسماۃ جمیلاً نے ان کی رہائی کے لئے حکومت سے درخواست کی جس کے نتیجہ میں مولوی عبدالرحیم نیز اس تحریک کے دوسرے قیدیوں کی رہائی ہوئی ۱۱ مارچ ۱۸۸۳ء کو رہا ہو کر پٹنے پہنچے مولوی محمد سعید نے ان کی رہائی کا مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے۔

تنے چند از عظیم آباد پٹنہ ۔۔۔ کہ بودند اہل علم و فضل بار
پریشاں با عبور بحر پر شور ۔۔۔ چو شد حکم دوام حبس صادر
از ایشاں چند کس مردند در قید ۔۔۔ رہا گشتند باقی ماندہ آخر
بحکم ویسرائے قیصر ہند ۔۔۔ کہ دارد بر رعایا رحم وافر
یکے زاناں مولوی عبدالرحیم است ۔۔۔ کہ وصف او نگنجد در دفاتر
نظیرش کم تواند یافت آں کس ۔۔۔ کہ باشد در فن تاریخ ماہر
پس از طول ازیں الحمد اللہ ۔۔۔ رہا گشتند اسیران جزائر
۱۳۰۰ھ ۔۔۔ ۱۸۸۳ء
حروف صد بیان سال ہجری ۔۔۔ سنین عیسوی از شعر ظاہر

مولوی عبدالرحیم نے رہائی کے بعد پٹنہ پہنچنے پر سپرنٹنڈنٹ پولیس پٹنہ کو ایک اقرار نامہ لکھا آئندہ حکومت کے خلاف نہ کوئی سازش کروں گا اور نہ

شریک ہوں گا چال چلن درست رکھوں گا اور مہینہ میں ایک مرتبہ پولیس میں حاضری دوں گا پٹنے میں مولوی عبدالرحیم نے محلہ ننموہیہ میں قیام کیونکہ ان کے عالی شان خاندانی مکانات منہدم کئے جا چکے تھے اس جگہ بازار اور بلدیئے کی عمارت بن چکی تھی یہاں تک کہ خاندانی قبرستان تک بھی نشان باقی نہ رہا تھا رہائی کے بعد دو مرتبہ حج سے مشرف ہوئے حج کے لئے خاص طور سے حکومت سے اجازت حاصل کی گئی جو بعض شرائط کے ساتھ ملی[1] ۱۰ ار ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۴ اگست ۱۹۲۲ء تقریباً نوے سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ "الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور" (تذکرہ صادقہ) ان کی تصنیف ہے جو ۱۹۲۷ء میں مطبع یونانی الہ آباد میں باردوم شائع ہوئی ہے حکیم محمد شعیب فخری نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ انتقال کہا ہے ـــ

ازیں کاخ مجازی شد بہ جنت	امیرم مولوی عبدالرحیم آہ
چو شد ہشتاد و نہ از عمر پاکش	وصال از مرگ آں فرمود ناگاہ
بر او بود آں مشعل بیت ہدایت	زانوارش گرفتے راہ گمراہ
دم آخر نبوده بر زبانش	بہ جز نام خدا اللہ اللہ
مرا کرده اسیر بند ماتم	بہ زد در جنت الفردوس خرگاه
بہ فخری پیر ملہم گفت سالش	امام پاک دال تشریف بردآه

---

[1] یہ تمام حالات "بنگال گورنمنٹ ریکارڈس" سے ماخوذ ہیں۔

مولوی عبدالرؤف

مولوی عبدالرؤف بن مولوی فرحت حسین ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے مولوی عبدالوحید ساکن یحییٰ پور، مولوی رحمت اللہ اور شمس العلماء مولوی محمد حسن اور حکیم عبدالحمید سے علوم مروجہ کی تحصیل کی شعر و شاعری سے ذوق تھا فکر تخلص کرتے تھے ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ شمس العلماء کا خطاب ملا تھا ۸ شعبان ۱۳۱۸ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۰۰ء کو انتقال ہوا [1]

میاں عبدالغفار

میاں عبدالغفار ولد منگل ساکن صادق پور (پٹنہ) تحریک جہاد کے نہایت مخلص اور پرجوش کارکن تھے مولوی فرحت حسین (وفات ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء) اور یحییٰ علی (وفات ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۸ء) سے تربیت حاصل کی اصحاب عظیم آباد ان کی بڑی قدر کیا کرتے تھے مولانا احمد اللہ کے ملازم تھے [2] مگر تمام اصحاب عظیم آباد

---

[1] ملاحظہ ہو تذکرہ صادقہ ص ۱۹۶ — ۱۹۸

[2] مولوی غلام رسول مہر نے ان کو مولوی عبدالرحیم کا ملازم لکھا ہے (سرگزشت مجاہدین ص ۴۸۵) مگر ہمارے سامنے جو سرکاری خط و کتابت ہے اس میں ان کو مولوی احمد اللہ کا ملازم بتایا گیا ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ان کو سیدی میاں عبدالغفور کہا کرتے تھے مقدمہ انبالہ میں ماخوذ ہوئے حبس دوام بعبور دریائے شور اور ضبطی جائداد کی سزا ہوئی۔ مولوی جعفر علی اور مولوی یحییٰ علی کے ساتھ انڈمان پہنچے اس وقت ان کی عمر پینتیس سال تھی مارچ ۱۸۷۲ء میں درخواست دے کر انہوں نے اپنی اہلیہ اور بچوں کو بھی اپنے پاس بلا لیا تھا ۵۰ سال کی عمر میں رہائی ہوئی جزیرۂ انڈمان کے دوران قیام میں ان کا طرز عمل نہایت مناسب رہا کسی شعبہ میں ملازم تھے یکم فروری ۱۸۷۷ء کو صرف ایک دن غیر حاضر رہے جس کے نتیجے میں ۸ ر جرمانہ ہوا چار فٹ گیارہ انچ قد تھا رنگ سیاہی مائل، گول چہرہ اور ناک کے بائیں رخ پر ایک نشان تھا جب گورنمنٹ آف انڈیا سے ان کی رہائی کے متعلق خط وکتابت ہوئی تو ہیڈ لے کمشنر پٹنہ نے اول اول یہ خیال ظاہر کیا کہ مولانا احمداللہ کے تین صاحبزادے پٹنہ میں موجود ہیں لہٰذا ان کی رہائی مصلحت کے خلاف ہے لیکن مرکزی حکومت اس کی اس رائے سے متاثر نہ ہوئی اور مارچ ۱۸۸۳ء میں ان کی رہائی ہوئی رہائی کے بعد انہوں نے ایک اقرار نامہ لکھا کہ میں کبھی ملکہ وکٹوریہ کی حکومت کے خلاف بغاوت یا سازش نہیں کروں گا اور مہینے میں ایک مرتبہ سپرنٹنڈنٹ پولیس (پٹنہ) کے دفتر میں حاضری دوں گا میاں عبدالغفار کے دو صاحبزادے دل محمد اور ظہور محمد تھے[۱]۔

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) ممکن ہے یہ تعلق دونوں سے رہا ہو۔ بنگال گورنمنٹ ریکارڈس ص ۲۴۸

[۱] یہ تمام معلومات "بنگال گورنمنٹ ریکارڈس" ص ۲۲۶، ۲۶۰، ۲۶۹ سے ماخوذ ہے۔

۱۳۳۳ھ ۱۹۱۴-۱۵ء کے قریب ان کا انتقال ہوا[۱]۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

عبدالغفور

عبدالغفور کے والد کا نام شاہ علی خاں تھا ضلع شاہ آباد کا رہنے والا تھا (ایک روایت کے مطابق ہزاری باغ کا ساکن تھا) عمر پچیس (۲۵) سال ہوگی۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری کے یہاں مقیم تھا ۱۸۶۴ء کے مقدمے میں سرکاری گواہ بنا اس سزائے حبس دوام، دس سال کی قید میں تبدیل ہوگئی۔[۲]

عبدالکریم

انبالہ کا رہنے والا۔ عمر پینتیس سال ہوگی یہ شخص شیخ محمد شفیع کا مختار تھا اور شیخ کی بھانجی سے اس کا نکاح بھی ہوا تھا ڈیڑھ سال قید رہا مختلف مقدمات میں اس نے بھی گواہیاں دیں[۳]۔

۱۔ ملاحظہ ہو ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک۔ ص ۳۳۱

۲۔ ملاحظہ ہو (۱) سرگزشت مجاہدین ص ۳۸۶، ۴۰۱

(۲) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۳۷

۳۔ ملاحظہ ہو سرگزشت مجاہدین ص ۳۸۶

غزن خان

ہوتی مردان کے ٹپہ کمال زئی کا ایک پٹھان تھا غزن خان کے باپ کا نام عبدن خان تھا کرنال کے ضلع میں پولیس سوار دل میں سارجنٹ کی حیثیت سے مامور تھا مئی ۱۸۶۳ء میں اسے چار آدمی پیدل جاتے ہوئے ملے جن کا حلیہ اور لباس درویشوں جیسا، رنگ سانولا اور داڑھیاں چھوٹی تھیں غزن خان نے خیال کیا کہ یہ بنگالی ہیں اس نے ان سے معلومات کی تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ ملکا سے آرہے ہیں تھانیسر میں مولوی محمد جعفر کے یہاں ٹھہریں گے اور پھر آگے کو چلے جائیں گے انہوں نے غزن خان کو بھی مشورہ اور دعوت دی کہ وہ نوکری چھوڑ کر مجاہدین میں شامل ہو جائے غزن ان چاروں کو گرفتار کر کے پانی پت کے تھانے میں لے گیا اور ایک رپورٹ مرتب کر کے مجسٹریٹ کے سامنے ان لوگوں کو پیش کر دیا مگر کوئی ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے وہ لوگ رہا ہو گئے اس سے غزن خان کو سخت غصہ آیا اور اس کی آتش انتقام بھڑک اٹھی اور اس نے مجاہدین کی سرگرمیوں کے مکمل حالات معلوم کرنے کا تہیہ کر لیا اور اپنے بیٹے فیروز کو ملکا بھیجا اور اس کو ہدایت کی کہ وہاں وہ آخوندزادہ عبداللہ کی مسجد میں ٹھہر کر مجاہدین کے کام کے متعلق جملہ معلومات حاصل کرے۔ بیٹے نے باپ کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اور یہ جاسوسی کا کام اس طرح انجام دیا کہ کسی کو مطلق شبہ نہ ہوا وہاں سے واپس آکر فیروز نے مجاہدین کے طریقہ کار اور تنظیم کا راز

فاش کر دیا پولیس سواران کے افسر موزلی نے یہ رپورٹ انسپکٹر جنرل پولیس کے پاس بھیجی جس کے نتیجے میں ضلع انبالہ کے سپرنٹنڈنٹ پولیس پارسنز کو اس سلسلہ میں مزید تحقیقات کا حکم ملا[۱]

مولوی لیاقت علی الہ آبادی

مولوی لیاقت علی بن مہر علی موضع مہگاؤں[۲] پرگنہ چائل ضلع الہ آباد کے رہنے والے تھے ان کی پیدائش ۱۸۱۵ء تا ۱۸۲۰ء کے درمیان ہوئی[۳] انکے والد مہر علی کاشتکاری کا پیشہ کرتے تھے[۴] اور چچا دائم علی فوج میں ملازم تھے[۵] مولوی لیاقت علی نے اپنے چچا کے زیر تربیت تعلیم و تربیت پائی مروجہ تعلیم کی تحصیل کے بعد درس و تدریس اور وعظ و تذکیر کا مشغلہ شروع کر دیا۔ مولوی صاحب نے اپنی اصلاحی سرگرمیوں کا مرکز اس مسجد کو بنایا جو شرک[۶] کلاں (مہگاؤں) پر واقع تھی[۷] مولوی لیاقت علی نے تقریباً سال بھر فو

---

[۱] ملاحظہ ہو سرگزشت مجاہدین ص ۲۷۷-۲۷۸

[۲] مہگاؤں، الہ آباد سے مغرب کی طرف ۱۵ میل کے فاصلہ پر گرانڈ ٹرنک روڈ پر واقع ہے

[۳] مولوی لیاقت علی الہ آبادی پر ایک مفصل مضمون عبد الباری عاصی سابق پرنسپل حافظ صدیق نیشنل ہائر سکنڈری اسکول جہانسی کا الجمعیۃ (دہلی) مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء میں شائع ہوا ہے اس میں انہوں نے بعض قرائن کی روشنی میں سال پیدائش کا یہ تعین کیا ہے ہم نے اس مضمون سے خاص طور (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں بھی ملازمت کی[1] مولوی لیاقت علی افکار و خیالات کے اعتبار سے سید احمد شہید کے متبع تھے۔

اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ مولوی لیاقت علی نے تحریک جہاد کو پھیلانے اور نشر و اشاعت کے سلسلے میں خاص کارنامہ انجام دیا ہے مولوی صاحب نے نظم و نثر کے دو اعلان جہاد کے متعلق چھپوا کر تقسیم کئے پہلا اشتہار تو دراصل مولوی خرم علی بلہوری (ف ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء) کے رسالۂ جہاد پر مشتمل ہے[2] رسالۂ جہادیہ ستاون اشعار پر مشتمل ہے مولوی لیاقت علی اشتہار میں صرف ابتدائی ستائیس اشعار شامل ہیں چھبیسویں، پچیسویں اور چھبیسویں اشعار میں حسب ضرورت ترمیم کر لی گئی ہے مولوی صاحب کا دوسرا اشتہار نثر میں ہے[3]

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) سے استفادہ کیا ہے۔

[۷] الجمعیۃ (دہلی) مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۵۷ء

[۸] ایضاً " " " " "

[۹] ایضاً " " " " "

[1] فریڈم اسٹرگل ان اترپردیش (جلد چہارم) ص ۵۵۰

[2] سید احمد شہید مؤلفہ غلام رسول مہر کے ص ۱۵۸ تا ۱۶۰ پر یہ قصیدہ ملاحظہ ہو۔

[3] ملاحظہ ہو محاربۂ عظیم از کنہیا لال ص ۲۰۰ - ۲۰۱

الہ آباد میں جنگ آزادی کا آغاز ۵ر جون ۱۸۵۷ء کو ہوا ۶ر جون ۱۸۵۷ء کو مولوی لیاقت علی الہ آباد پہنچے اور جہاد آزادی کی قیادت کی مولوی صاحب نے خسرو باغ الہ آباد کو مستقر قرار دیا الہ آباد میں مولوی صاحب کی حکومت قائم ہو گئی مولوی صاحب نے تھانے دار اور تحصیل دار مقرر کئے[1]۔ دہلی سے بھی مولوی لیاقت علی کی گورنری کے تقرر کا پروانہ آ گیا۔ انگریز قلعہ میں محصور تھے ان کے پاس میگزین اور توپیں تھیں ۱۷ر جون ۱۸۵۷ء کو انقلابیوں اور انگریزوں میں مقابلہ ہوا انگریزوں کی فتح ہوئی۔ مولوی صاحب معہ اپنی جماعت کے نانا راؤ کے پاس کان پور پہنچے[2] اور وہاں بخشی زین العابدین کے یہاں قیام کیا[3]۔ جون ۱۸۵۸ء میں مولوی احمد اللہ کے ساتھ شاہجہانپور میں سرگرم کار زار نظر آتے ہیں[4] جب احمد اللہ شاہ ایک غدار وطن راجہ پوایاں کی سازش سے شہید ہو گئے تو ان لوگوں کی جماعت بھی منتشر ہو گئی مولوی لیاقت علی یہاں سے نکل کر گجرات پہنچے۔

مولوی لیاقت علی کا قیام تقریباً ایک سال بڑودہ میں رہا پھر لاجپور پہنچے اس وقت عبدالکریم خاں دوم نواب لاج پور تھے جن کی وجہ سے علماء

---

[1] اسٹرگل فریڈم فار ان اتر پردیش ص ۶۷۹ جلد چہارم

[2] ایضاً " " " " " "

[3] ایضاً " " " " " "

[4] " " " " ۵۲۳ جلد پنجم

صلحار کا اچھا خاصا مجمع ہو گیا تھا مولوی لیاقت علی کی حیثیت ان سب میں ممتاز تھی[۱] وہاں بھی مولوی صاحب نے وعظ و تذکیر اور اصلاح و تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ مولوی صاحب "فرقہ جہادیہ" کے نام سے بیعت لیتے تھے لاج پور میں مولوی صاحب نے ایک شاندار مسجد بنوائی اس علاقہ میں ہندو مراسم اور تمدن کا خاتمہ کیا وہاں عام طور سے مسلمان عورتیں ہندوانہ لباس پہنا کرتی تھیں مولوی صاحب نے ہندو لباس کو کلیتاً ختم کرایا[۲] ۱۸۶۸ء میں نواب ابراہیم محمد یاقوت خاں دوم تخت نشین ہوئے ان کے عہد میں ریاست کے تمام معاملات شریعت کے مطابق طے ہوتے تھے تمام مقدمات کے فیصلے مولوی لیاقت علی اور صوفی عبدالاحد سلیمان لاج پوری انجام دیتے تھے[۳] مولوی صاحب نے وہیں ٹونک یا جے پور کے کسی عالم کی صاحبزادی کے ساتھ شادی کر لی تھی جن سے ان کی ایک صاحبزادی لمت اللہ ہوئیں جنکے صاحبزادے نذیر احمد ہیں۔[۴]

مولوی لیاقت علی کا لاج پور میں تقریباً دس سال قیام رہا آخر حکومت انگریزی کو مولوی لیاقت علی اور ان کی سرگرمیوں کا علم ہو گیا مولوی

۱؎ باغ عارف (ملفوظات صوفی ابو محمد عبدالاحد سلیمان لاجپوری) حصہ سوم ص ۳۷

۲؎ الجمعیۃ (دہلی) مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء

۳؎ باغ عارف حصہ سوم ص ۳۷

۴؎ ایضاً " " " "

صاحب کو بھی حالات کا اندازہ ہوگیا مولوی صاحب لاج پور سے بمبئی پہنچے وہیں گرفتار ہو گئے[1] ان کو الہ آباد لایا گیا مقدمہ چلایا حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی عبدالباری عاصی صاحب کا بیان ہے کہ مولوی عبدالحق میاں جی مرحوم (الہ آباد) نے ایک اردو مثنوی بھی ان کے حالات میں لکھی تھی جیسے انہوں نے اپنے لڑکپن میں خود دیکھا تھا مولوی لیاقت علی نے سرحد کے علماء اور فیروزشاہ سے ابھی تعلقات قائم کئے تھے اور ۱۸۶۶ء میں اس علاقے میں گئے بھی تھے یہ واقعات ہمیں اس خط سے معلوم ہوتے ہیں جو الہ آباد کے ایک افسر پارسن نے پشاور کے کلکٹر مسٹر میکنب کو لکھا تھا اور مولوی لیاقت علی الہ آبادی کا فوٹو شناخت کے لئے بھیجا تھا کہ یہ فوٹو ملا سید امیر، اسماعیل اور محمود سے شناخت کرائے جائیں یہ خط اور فوٹو پشاور میوزیم میں محفوظ ہے اور ہمیں جناب ایس ۔ ایم جعفر ڈائریکٹر آف آرکائوز (پشاور) کی عنایت سے دیکھنے کو ملا۔

مولوی لیاقت علی ۱۸۶۹ء میں انڈمان پہنچے اور تقریباً تئیس سال یعنی ۱۸۹۲ء تک زندہ رہے وہاں بھی مولوی لیاقت علی نے اپنے اثر و فیض صحبت سے قیدیوں میں انسانیت اور اسلامیت کی روح پھونک دی۔ اور انڈمان ہی مولوی صاحب کی آخری آرام گاہ بنی[2]

---

[1] باغ عارف حصہ سوم صہ ۳۷

[2] ایضاً " " " "

مولوی مبارک علی

مولوی مبارک علی، حاجی پور (مظفرپور) کے رہنے والے تھے[1]
مولانا احمد اللہ کی گرفتاری (۱۸۶۵ء/۱۲۸۲ھ) کے بعد جماعت کے نظم ونسق
کے ذمہ دار ہوئے انبالے اور پٹنے کے مقدمات میں مولوی محمد حسن (ت
۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء) کے معین و مددگار رہے پہلی مرتبہ ۱۸۶۸ء میں گرفتار ہوئے
صورت یہ ہوئی کہ ۲۶ مئی ۱۸۶۸ء کو انہوں نے کچھ کاغذات بینک سے
متعلق مولوی محمد امین کو دہلی بھیجے تھے وہ ان تک پہنچے نہیں انہوں نے
پوسٹ ماسٹر جنرل کو درخواست دی، اس پر دہلی اور پٹنے میں مولوی محمد امین
وغیرہ کی خانہ تلاشیاں اور گرفتاریاں عمل میں آئیں دوبارہ ۱۸۷۱ء میں
گرفتار ہوئے اور ان کو سخت تکالیف پہنچائی گئیں کہ اسی حال میں جان بحق
تسلیم ہو گئے (وفات تقریباً ۱۲۸۸ھ)[2] رحمۃ اللہ علیہ

مولوی محمد ابراہیم منڈل

مولوی محمد ابراہیم منڈل مالدہ اور راج شاہی کے علاقہ میں تحریک
جہاد کے سب سے بڑے کارکن تھے۔ اپنے علم وفضل اور زہد و اتقار کی

---

[1] یہ تمام معلومات "بنگال گورنمنٹ ریکارڈس" سے ماخوذ ہیں

[2] سرگزشت مجاہدین ص ۱۱ ۴، ۴۱۶

وجہ سے ایک امتیاز و خصوص کے مالک تھے رقم اور مجاہدین کی فراہمی میں خاص طور سے کوشش کرتے تھے اس کام میں ان کے معین انذیر سردار بھی تھے ان کی گرفتاری کا سلسلہ یوں شروع ہوا کہ تحریک جہاد کے ایک کارکن امارت منڈل تھے ان سے اور ایک شخص انواری لبسواس سے کچھ اختلاف تھا۔ انواری نیل کے ٹھیکہ دار مسٹر گرے کا ملازم تھا اس نے امارت منڈل کی شکایت کی کہ یہ شخص "وہابی" اور سرحد پر رقم اور آدمی بھیجتا ہے تفتیش شروع ہوگئی اس سلسلہ میں ایک شخص گھوش خاص کردار ادا کیا یہ شخص مقدمہ انبالہ میں بھی کام کرچکا تھا اور اس سلسلہ میں اس کو ایک ہزار نقد انعام ملا تھا۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس نے گھوش کی خدمات حاصل کیں۔ گھوش ریشم کے ایک تاجر کی حیثیت سے تحقیقات اور فراہمی اطلاعات کے لئے پہنچا نہایت ہوشیاری سے اس نے اپنا کام مکمل کرلیا بعض لوگوں کو شبہ بھی ہوگیا کہ یہ شخص سرکاری جاسوس ہے اس نے تار کے ذریعہ مجسٹریٹ مالدہ کو پوری کیفیت سے مطلع کیا کلیا چوک کے تھانے دار نے نذیر احمد (قاضی گرام) (۲) گھودن عالم (معظم پور) (۳) عبدالواہب (لکھی پور) (۴) جمول شیخ (لکھو پور) (۵) سکن ملا (آگا ملکی) (۶) ڈنو غازی (معظم پور) اور نوازی ملا (معظم پور) کو گرفتار کیا۔ مجسٹریٹ مالدہ نے ایک وارنٹ ابراہیم منڈل کی گرفتاری کی غرض سے بھیجا۔ گھوش ایک مسلمان کے بھیس میں مولوی ابراہیم منڈل کے گاؤں پہنچا اتفاق سے ان کے بھتیجے سے ملاقات ہوئی اس نے خود کو ایک

مدرس کی حیثیت سے پیش کیا اور کہا کہ میں طلباء کا خواستگار ہوں اس لئے کہا کہ میرے چچا مولوی محمد ابراہیم منڈل سے مل لیجئے گوش جیسے ہی منڈل کے پاس پہنچا اس نے ان کو دو سپاہیوں کی مدد سے گرفتار کرلیا یہ سپاہی کچھ فاصلہ پر عام لباس میں تھے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس راج شاہی مسٹر ولٹ گاؤں کے باہر ہاتھی پر ایک افسر کے ساتھ موجود تھا۔

مولوی محمد ابراہیم منڈل کے مقدمہ میں چودہ اشخاص نے شہادت دی۔ فیصلہ میں تمام اشخاص کو رہا کردیا گیا مولوی محمد ابراہیم منڈل اور نذیر سردار سزایاب ہوئے ۱۸۷۷ء میں مولوی ابراہیم منڈل کی رہائی ہوئی [1]

محمد اسمٰعیل شہید دہلوی

شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۲۔ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ کو پیدا ہوئے نہایت ذہین طباع اور حاضر دماغ تھے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی والد کے انتقال کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز نے تعلیم و تربیت فرمائی پندرہ سولہ سال کی عمر میں تحصیل علم سے فراغت حاصل کرلی شاہ محمد اسمٰعیل شہید نے دین کی بڑی خدمت کی اس زمانے میں مراسم شرک و بدعات کا جو رواج ہوگیا تھا

---

[1] یہ تمام معلومات "بنگال گورنمنٹ ریکارڈس" سے ماخوذ ہیں

اس کا خوب رد کیا سنت کی تبلیغ اور بدعت کی بیخ کنی ان کا مقصد حیات تھا
مولوی محمد اسمٰعیل کے اثر سے خالص "عاملین بالحدیث" کا ایک طبقہ پیدا
ہو گیا۔ وہ جامع مسجد دہلی میں جمعہ اور سہ شنبہ کو وعظ فرماتے تھے ۔۔۔
سید احمد شہید کے دست حق پرست پر بیعت کی حج بیت اللہ سے مشرف
ہوئے تحریک جہاد کے سلسلہ میں شمالی ہند پاکستان کا خاص طور سے
دورہ کیا۔ سید احمد شہید کے ساتھ دست راست کی حیثیت سے جہاد
میں شریک رہے اور بالاکوٹ کے میدان میں ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں شہید ہوئے
شاہ محمد اسمٰعیل کی تصنیفات میں تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، تنویر العینین
ایضاح الحق منصب امامت، اور رسالہ یک روزی وغیرہ خاص طور سے
مشہور ہیں [1]

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے۔ (۱) حیات طیبہ (سوانح عمری شاہ محمد اسمٰعیل شہید)

(۲) آثار الصنادید باب چہارم ص ۵۵ — ۵۹

(۳) ابجد العلوم ص ۹۱۴

(۴) اتحاف النبلاء باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین ص ۴۱۶

(۵) تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۴، ۱۳۴

(۶) واقعات دارالحکومت دہلی جلد دوم ص ۱۰۴ — ۱۲۴

(۷) حیات ولی ص ۳۵۲ — ۳۵۹

(۸) موج کوثر ص ۲۴ — ۲۷

(۹) تراجم علمائے اہل حدیث ص ۷۹ — ۱۱۲

شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کا مزار بالاکوٹ میں ہے۔ لوحِ مزار پر حسب ذیل عبارت اور اشعار کندہ ہیں[1]۔

مدفن

حضرت مولوی شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی بن شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہم

ولادت شنبہ ۲۸ر شوال ۱۱۹۶ھ ——— شہادت جمعہ ۲۴ر ذیقعد ۱۲۴۶ھ

اے ذبیح اللہ اسماعیل
شد بذایت صور اسرافیل

خون خود را درکہ وکہسار ریخت
لیک بیخ حریت در ہند بیخت

احقر العباد سید اسد علی انوری
فرید آبادی این کتبہ را
درماہ محرم الحرام ۱۳۷۲ھ نصب کرد

سید صاحبؒ کے مزار کی طرح یہاں بھی ایک اوپر لائے پتھر پر کندہ دوسرا کتبہ لگا ہوا ہے، جس کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

مزار شریف

غازی مولوی شاہ اسماعیل صاحب دہلوی شہید مرحوم
۱۳ر اپریل ۱۸۸۱ء

---

[1] یہ عبارت بھی جناب ثناء الحق صاحب نقل کر کے لائے۔

مولوی محمد حسن

مولوی محمد حسن، مولانا ولایت علی کے فرزند تھے۔ ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی اشرف علی اور حکیم عبدالحمید سے تحصیل علم کی اور سند فراغ مولوی یحییٰ علی سے حاصل کی نہایت ذکی، ذہین اور عقیل تھے انبالہ کے مقدمہ میں جب اکابر صادق پور گرفتار ہوئے اور مقدمہ چلا تو تنہا مولوی محمد حسن نے تمام خاندان کی پرورش اور نگاہ و پرداخت کی اسی کے ساتھ مقدمات کی پیروی بھی کی مولوی عبدالرحیم لکھتے ہیں۔

"نطاق ہمت اور کمر کو چست باندھا اور وہ وہ کاروائیاں کر دکھائیں جو پچاس کی عمر والے (ان کی عمر ۱۷ سال تھی) اور تجربہ کار شخصوں سے بھی ظہور میں آنا مشکل ہے۔"

یکم مارچ ۱۸۸۴ء کو ایک اسکول محمڈن اینگلو عربک کے نام سے قائم کیا جولائی ۱۸۸۴ء سے ایک اخبار پٹنہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ جاری کیا۔ ۱۸۸۶ء میں شمس العلماء کا خطاب ملا ۷ ربیع الاول ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۸۸۹ء کو انتقال ہوا ذبیح تخلص کرتے تھے [1]

---

[1] ملاحظہ ہو (۱) تذکرہ صادقہ ص ۱۶۲ - ۱۶۲

(۲) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۰۹، ۱۱۱

محمد شفیع

شیخ محمد شفیع کے والد کا نام شیخ محمد تقی تھا جو سید احمد شہید کے مرید تھے محمد شفیع کا دوسرا نام شفاعت علی تھا مختلف چھاؤنیوں میں گوشت فراہم کیا کرتا تھا پچاس لاکھ سے کم جائداد کا مالک نہ تھا ستھانہ مرکز کے لئے روپیہ زیادہ تر اسی کے ذریعہ سے جاتا تھا۔ محمد شفیع انبالہ کے مقدمے میں ماخوذ ہوا پچاس لاکھ کی جائداد ضبط ہوئی دو سال قید رہا سرکاری گواہ بننے کے بعد رہا ہوا مگر جائداد واپس نہ ملی ۱۸۶۵ء و ۱۸۷۱ء کے مقدمات میں اس نے گواہیاں دیں مولوی مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں[1]۔

"ہنٹر نے اس کی بہت برائی کی ہے اور جی بھر کر گالیاں دی ہیں یہاں تک کہ سود خوری کا الزام بھی عائد کیا ہے جو بالکل ناروا ہے۔"

مولوی محمد یقین

مولوی محمد یقین، مولانا احمد اللہ کے صاحبزادے تھے علوم متداولہ

---

[1] ملاحظہ ہو سرگزشت مجاہدین ص ۳۸۵

(۲) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۳۵

(۳) بنگال گورنمنٹ ریکارڈس ص ۲۲۳، ۲۲۴

کی تحصیل اپنے والد اور مولوی فیاض علی سے کی تجارت کا مشغلہ تھا مگر اس کے ساتھ ہی تبلیغ و ہدایت کا کام بھی جاری رہتا ان کا انتقال تقریباً ۱۸۸۶ء میں ہوا ان کے ایک فرزند حکیم محمد امین ۱۲۷ھ-۱۹۲۱ء تھے[1]

مسعود گل

مسعود پٹنہ کے رہنے والے تھے ۱۸۶۴ء میں پشاور میں ان کا مقدمہ ہوا۔ حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی انڈمان میں قیدی کی حیثیت سے ان کا نمبر ۵۵۲۳ تھا ۱۸۸۳ء میں رہائی کا حکم ملا جزیرۂ انڈمان میں ان کی ایک دوکان تھی اس کو علحدہ کرنے کی غرض سے چھ ماہ کی مزید مہلت طلب کی جو ان کو مل گئی مگر چھ مہینے سے پہلے ہی دوکان وغیرہ علیحدہ کر دی اور ۲۸ر اپریل ۱۸۸۳ء کو ایس، ایس مہارانی جہاز سے کلکتہ روانہ ہو گئے کلکتہ سے پٹنہ پہنچے کمشنر پٹنہ کو مطلع کر دیا گیا کہ انسپکٹر جنرل پولیس (پٹنہ) کے ذریعہ مسعود سے اس امر کی تحریر لے لی جائے کہ وہ مہینہ میں ایک مرتبہ پولیس کو مطلع کریں گے اور بغیر اجازت پولیس پٹنہ سے کہیں نہیں جائیں گے۔[2]

---

[1] ملاحظہ ہو تذکرہ صادقہ ص ۹۶-۹۷

[2] ملاحظہ ہو بنگال گورنمنٹ ریکارڈس ص ۲۳۱، ۲۶۳، ۲۶۷، ۲۶۸ (بقیہ نوٹ اگلے صفحہ پر)

مہدی سوڈانی

ان کا اصل نام محمد احمد تھا وہ ایک کشتی بنانے والے کے بیٹے تھے ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے ان میں شروع ہی سے دینی جوش وجذبہ بہت زیادہ تھا ساتھ ہی قیادت کی پوری صلاحیت تھی ان دونوں باتوں نے مل کر ان کے عزم اور ارادے میں ایک قوت پیدا کر دی تھی اس وقت سوڈان اور مصر دونوں ایک پُر آشوب دور سے گزر رہے تھے۔ یورپی اقوام کا تسلط بڑھتا جا رہا تھا انگریز سوڈان میں غلبہ پانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے چنانچہ جنرل گورڈن نے جو ۱۸۷۷ء میں سوڈان کا گورنر جنرل بنا کر بھیجا گیا تھا مقامی واقعات میں پڑکر جو نہایت پیچیدہ ہو گئے تھے ان کو اپنے حق میں درست کر لیا تھا دو سال کی محنت اور جد وجہد سے اس کی صحت کافی متاثر ہو گئی اور وہ آرام کرنے کے خیال سے ۱۸۷۹ء میں مستعفی ہو کر انگلستان روانہ ہو گیا لیکن مصر کے حالات درست

(پچھلے صفحہ کا بقیہ نوٹ) ؎ مولوی مسعود عالم ندوی نے مسعود گل کو بوگرا کا ساکن لکھا ہے سرکاری تحریرات میں پٹنہ کا باشندہ بتایا ہے اور وہیں ان کی واپسی ہوئی ہے ممکن ہے بوگرے سے بھی کوئی تعلق رہا ہو مگر مسعود عالم کا یہ بیان کہ ۱۸۶۶ء میں ماخوذ ہوئے (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۶۹-۱۷۰) صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کے مقدمہ کے متعلق بعض کاغذات ہمارے سامنے ہیں۔

کرنے کی وجہ سے قاہرہ میں ٹھہرا رہا اس لئے انگلستان کو روانگی جنوری ۱۸۷۷ء سے پہلے نہ ہو سکی۔

اس کی روانگی کے بعد خرطوم میں اس کا قائم مقام رؤف پاشا ہو گیا اس وقت سوڈان کی حالت یہ تھی کہ وکٹوریہ جھیل جو جھیل البرٹ کا شمالی مشرقی سرا ہے خدیو مصر کی جنوبی حد تھا امین پاشا علاقہ وکٹوریہ میں متعین تھا جیسی بحر الغزلی کا گورنر تھا لیکن عملی طور پر انتظام و انصرام مفقود تھا دارفر اور حبشہ میں بھی ہیجان و بدنظمی کے آثار نمایاں تھے۔

ان حالات میں مہدی سوڈانی کو موقعہ ملا انہوں نے انتظامات کو اپنے ہاتھ میں لے کر حالات کو درست کرنا چاہا ابھی تک حالات کسی اچھے لیڈر کے نہ ہونے کے سبب قابو میں نہیں آئے تھے موقعہ نہایت موزوں تھا مہدی سوڈانی نے اپنی فطری صلاحیتوں کا خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور ۱۸۸۱ء سے اپنی تحریک کا آغاز کیا اور اگست ۱۸۸۱ء سے وہاں کی جنگجو قوم لگارا کا اعتبار حاصل کر کے اپنا کام شروع کر دیا ان کی گرفتاری کے لئے جو تھوڑا سا لشکر بھیجا گیا اس کو انہوں نے شکست دے دی اور نیل ابیض پر ابا نام کے ایک جزیرے میں اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد شمالی سوڈان سے لوگ جوق در جوق آ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے حکومت نے اس تحریک کو دبانے کی جو کوشش کی اس سے لوگوں میں اور اشتعال پیدا ہوا جنوب میں کسی قدر اس تحریک کو دبانے میں کامیابی ہوئی لیکن مئی ۱۸۸۲ء میں

ایک بڑی فوج کی تباہی سے جو یوسف پاشا الہلالی کی سرکردگی میں بھیجی گئی تھی عام بغاوت شروع ہوگئی اور چند بڑے فوجی مقامات کے سوا کہیں مصری حکومت کا تسلط باقی نہ رہا۔

اس وقت مصری حکومت دیوالیہ تھی وہ سوڈان میں اس سوزش کو دبانے کے لئے وفادار آدمی کہاں سے لاتی اور فوجی مہمات کے لئے روپیہ کس جگہ سے فراہم کرتی اکتوبر میں مصر کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو وہاں کی حکومت نے بھرتی شروع کی اور سال کے اختتام تک کچھ توپیں وغیرہ خرطوم بھیج دی گئیں خرطوم سے وحشت ناک خبریں برابر آرہی تھیں اور یہ خیال زور پکڑ گیا تھا کہ مہدی خرطوم کو فتح کرتے ہوئے بہت جلد مصر میں داخل ہو جائیں گے ان حالات کو دیکھ کر سر چارلس ولسن نے حکومت برطانیہ کو لکھا کہ دوبارہ جنرل گورڈن کو گورنر جنرل بنا کر بھیجا جائے بڑی بحث وتمحیص کے بعد کہ "مصر کو امداد دی جائے یا نہیں" یہ طے پایا کہ ایک برطانوی افسر کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا جائے چنانچہ اس کام کے لئے کرنل ڈی۔ ایچ اسٹورٹ کا انتخاب عمل میں آیا وہ وہاں پہنچا اور اس نے ۱۸۸۳ء کے اوائل میں اپنی رپورٹ بھیج دی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "مصری قطعاً نا اہل اور ناقابل اعتماد ہیں لہٰذا حکومت برطانیہ کو مدد دینی چاہیئے" اسی دوران میں مہدی نے ال عبید، سینار وغیرہ بھی قبضہ کر لیا۔ ایسی حالت میں حکومت برطانیہ کو جنرل گورڈن کو بھیجنا پڑا وہ ۱۸ فروری ۱۸۸۴ء کو خرطوم پہنچا مہدی نے خرطوم کا محاصرہ کر لیا گورڈن متواتر امداد

کے لئے لکھتا رہا لیکن برطانیہ سے کوئی امدادی فوج نہیں آئی اور گورڈن محصور ہوکر ۲۶؍جنوری ۱۸۸۵ء کو مارا گیا اس کے بعد فوج پہنچی مگر بے سود مہدی سوڈانی کی طاقت بڑھتی گئی اور حکومت برطانیہ نے اس کو آزاد چھوڑ دیا۔

اسی سال ۲۲؍جون ۱۸۸۵ء کو مہدی سوڈانی کا بھی انتقال ہوگیا اور ان کے جانشین خلیفہ عبداللہ مقرر ہوئے [1]

قاضی میاں جان

قاضی میاں جان ولد شیخ وجیہہ الدین، کمارکھلی ضلع پٹنہ کے رہنے والے تھے تحریک جہاد کے نہایت ممتاز اور معتمد کارکن تھے ان کے کسی عرف تھے۔ عمر ساٹھ سال کے قریب ہوگی ان کے بھائی مراد علی نے ان کے خلاف شہادت دی جائداد ضبط ہوئی۔ انبالہ کی جیل میں وفات ہوئی [2]

شیخ الکل میاں نذیر حسین

مولوی نذیر حسین بن جواد علی سورج گڑھ ضلع مونگیر (بہار) میں

---

[1] یہ حالات سر ہیرلڈ میکمائیکل کی کتاب "دی سوڈان" مطبوعہ لندن ۱۹۵۴ء سے ماخوذ ہیں۔

[2] ملاحظہ ہو (۱) سرگزشت مجاہدین ۲۸۶، ۳ (۲) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۳۲، ۲۴

سنہ ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے ۱۶ سال کے بعد علم کی طرف میلان ہوا ۱۲۳۶ھ / ۱۸۲۱ء میں وطن سے پوشیدہ طور پر صادق پور پہنچے وہاں کچھ درسی کتابیں پڑھیں سنہ ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۹ء میں دہلی پہنچے پنجابی کٹرے کی مسجد اورنگ آبادی میں ٹھیرے مولوی عبدالخالق دہلوی، اخوند شیر محمد قندھاری، مولوی جلال الدین ہروی، مولوی کرامت علی، بنی اسرائیلی، مولوی محمد بخش، مولوی عبدالقادر رام پوری[۱] المتوفی ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء (تلمیذ مفتی شرف الدین رام پوری) سے جملہ علوم حاصل کیے۔ حدیث کی اجازت شاہ محمد اسحاق دہلوی (ف ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵-۴۶ء) سے حاصل کی نواب مولوی حبیب الرحمٰن خان شروانی، عبدالرحمٰن محدث پانی پتی کا بیان لکھتے ہیں[۲] کہ "جس روز شاہ محمد اسحاق صاحب ہجرت کر کے حجاز روانہ ہوئے تو اس روز نذیر حسین ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند کتابوں کی اولیت کی ایک ایک حدیث پڑھی اور کل کتابوں کی اجازت حاصل کی شاہ صاحب نے ایک چھوٹے کاغذ پر یہی واقعہ لکھ کر دے دیا اس سے پہلے مدرسہ میں پڑھنے کو کبھی نہیں آئے" مولانا سلیمان ندوی نے اس سلسلہ میں کچھ قلمی مواد کی نشاندہی کی ہے جو انہیں نواب صدیق حسن خاں (ف ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء) کے کاغذات میں ملا تھا[۳] ۱۸۵۷ء میں ایک انگریز

---

[۱] الحیاۃ بعد المماۃ از فضل حسین ص ۴۲

[۲] مقالات شروانی از حبیب الرحمٰن خاں شروانی ص ۲۸۲

[۳] حیات شبلی ص ۴۶

خاتون کو پناہ دی ساڑھے تین مہینے گھر میں چھپائے رکھا جس کے بدلے میں ایک ہزار تین سو روپے اور خوشنودی سرکار کا سرٹیفکیٹ ملا[1] جس زمانے میں (۱۸۶۵ء) وہابیوں پر مہم امبیلا کے نتیجہ میں مقدمے چل رہے تھے تو میاں نذیر حسین کو بھی بحیثیت سرگروہ وہابیاں احتیاطاً راولپنڈی جیل میں نظر بند رکھا گیا میاں نذیر حسین کے یہاں سے مختلف حضرات مولوی محمد جعفر تھانیسری (تین خط) مبارک علی ساکن پٹنہ (دو خط) عطاء اللہ (میرٹھ)، محمد عثمان (کان پور)، امین الدین، (کلکتہ) ابوسعید محمد حسین بٹالوی (امرتسر) محمد سوداگر (الموڑہ) کے خطوط برآمد ہوئے خود میاں صاحب کے خطوط کی نقول ملیں جو مختلف حضرات کو لکھے گئے تھے بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کے غدر ۱۸۵۷ء کے دوران کے پانچ فرمان نکلے[2] اس تمام مواد کی نہایت غور سے تحقیق کی گئی نتیجہ یہ نکلا کہ میاں صاحب کا جہاد کی تحریک سے کوئی واسطہ نہ تھا اور بقول مؤلف الحیاۃ بعد المماۃ (سوانح عمری میاں نذیر حسین دہلوی) میاں نذیر حسین وفادار گورنمنٹ ٹھیرے اور کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا جب میاں صاحب حج کو تشریف لے گئے تو کمشنر دہلی کا خط ساتھ لے گئے گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے ۱۴ر جون ۱۸۹۷ء کو شمس العلماء کا خطاب ملا[3]۔

---

[1] الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۲۶ – ۱۲۷

[2] بنگال گورنمنٹ ریکارڈس ص ۶۵ – ۷۱

[3] الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۸۰ – ۱۸۱

میاں نذیر حسین دہلوی عامل بالحدیث عالم تھے ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی میں میاں صاحب کی شخصیت خاص امتیاز کی مالک رہی ہے ملک کے مختلف حصوں سے لوگ دہلی پہنچتے اور میاں صاحب سے تحصیل علم کرتے میاں صاحب کے قیام کی وجہ سے ۱۸۵۷ء کے بعد آمین بالجہر، رفع یدین، آٹھ رکعت تراویح، فاتحہ خلف امام اور حنفی و عامل بالحدیث کے اختلافی مسائل کو خاص طور سے فروغ ہوا۔ میاں صاحب نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب معیار الحق تصنیف کی[1] ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو دہلی میں میاں نذیر حسین کا انتقال ہوا۔

---

[1] شیخ الکل میاں نذیر حسین کے تلامذہ میں حافظ عبد الجبار عمر پوری (ف ۱۹۱۶ء) نے صمصام التوحید فی رد التقلید، ارشاد السائلین فی مسائل الثلاثین، ارشاد الانام فی فرضیۃ الفاتحہ خلف الامام، تبصرۃ الانام فی فرضیۃ الجمعہ والفاتحہ خلف الامام، محمد بشیر سہسوانی (ف ۱۹۰۸ء) نے البرہان العجاب فی فرضیۃ ام الکتاب۔ صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ الدحلان، کشف الحجاب عما فی البرہان العجاب محمد حسین خاں خورجوی (ف ۱۳۰۷ھ ۱۸۸۹ء) نے رد التقلید بالکتاب المجید امیر احمد سہسوانی (ف ۱۸۸۶ء) نے نقض الاباطیل فی الذب عن الشیخ اسماعیل خلیل الرحمٰن (ف ۱۸۹۷ء) نے رسالہ رد تقلید، ابو الفیاض عبد القادر (ف ۱۹۱۲ء) نے حل المغلقات فی بحث المعلقات ابو المکارم محمد علی (ف ۱۳۵۲ھ) نے الجواب السدید (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مولوی یحییٰ علی

مولوی یحییٰ علی، مولانا احمد اللہ کے چھوٹے بھائی تھے انہوں نے علوم دینیہ کی تحصیل مولوی فیاض علی اور مولانا احمد اللہ سے کی حدیث کی سند مولانا ولایت علی صادق پوری سے لی ہمیشہ مولانا ولایت علی کے ساتھ رہے یاغستان کی لڑائیوں میں ان کے شریک کار رہے انبالہ کے مقدمہ میں ماخوذ ہوئے اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی جنوری ۱۸۶۶ء کو انڈمان پہنچے وہاں وہ فرصت کے اوقات میں لوگوں کو قرآن و احادیث پڑھاتے اور نیکوکاری کی تلقین کرتے۔ تقریباً دو سال بعد مولوی یحییٰ علی بیمار ہو گئے حسب قاعدہ علاج کے لئے اسپتال میں داخل ہوئے مولوی عبدالرحیم نے بڑی خدمت اور دیکھ بھال کی ۲۶ر شوال ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۰ر فروری ۱۸۶۸ء کو انتقال ہوا مولوی یحییٰ علی کے جنازے میں تقریباً چار ہزار سے زیادہ اشخاص شریک تھے۔ مولوی احمد کبیر

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) عن مقالات اہل التقلید، دقائق الاسرار، المجن المحمدیہ، القول المحل، ابو یحییٰ محمد شاہجہاں پوری (م ۱۹۲۰ء) نے الارشاد وغیرہ کتابیں لکھیں اگر دوسرے اہل حدیث علماء کی اس قسم کی تصنیفات کا جائزہ لیا جائے تو یہ فہرست بہت طویل ہو جائے ظاہر ہے۔

(یہ فہرست تراجم علمائے اہل حدیث سے ماخوذ ہے)

پھلواروی نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا۔[1]

چونکہ یحییٰ علی ستودہ خصال — عالم و زاہد و محدث بود
روح پاکش گزاشت محبس تن — راہ ملک وصال حق پیمود
گشت راضی خدائے پاک ازو — عزتش پیش قدسیاں افزود
ہاتفے سال او از روئے الم — رضی اللہ ربہ فرمود

---

[1] ملاحظہ ہو (۱) سرگزشت مجاہدین ص ۲۷۴، ۲۳۳، ۲۲۵
(۲) تذکرہ صادقہ ص ۶۳ - ۷۹
(۳) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۰۶ - ۱۰۷، ۱۲۷ - ۱۲۸

ضمیمہ (الف)

مساجد سے اخراج کے واقعات کی فہرست

یہ فہرست ایک کتاب "مجموعہ مولود شریف اور وعظ شریف اور حالات حضرت غوث الثقلین اور کرامات شریف" کے آخر میں شامل ہے یہ کتاب بیسویں صدی کے بالکل شروع میں مطبع مجتبائی لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے اور اس کے مؤلف کوئی صاحب مولوی عبداللہ ہیں انہوں نے اس فہرست کو "مکاتد غیر مقلدین مؤلفہ مولوی وزیر الدین مطبوعہ مطبع حامی الاسلام دہلی سے نقل کیا ہے ہم نے کم و بیش مولوی عبداللہ ہی کے الفاظ میں اس کو یہاں نقل کر دیا ہے۔

(۱) قصبہ آنولہ ضلع بریلی میں روز جمعہ ماہ ربیع الآخر ۱۲۹۶ھ کو ایک غیر مقلد سے مذہبی مسائل میں گفتگو ہوئی ساکنان آنولہ نے ایک عجیب نحو سے ضرب یضرب کا باب صرف کیا اور یہاں تک شدومد کی کہ مثل کسرہ و فتحہ ریش کے بال ریزہ ریزہ اور اس غیر مقلد کی پیش نہ گئی اور اپنے روئے مصحف کا تبرک آنولہ والوں کو دے کر چل دیا۔

(۲) شہر بریلی میں غیر مقلدوں پر جرمانہ ہوا۔

(۳) شہر پیلی بھیت میں کئی غیر مقلد مباحثہ آمین بالجہر وغیرہ میں مغلوب ہوئے۔

(۴) شہر بدایوں میں بہت خفیف ہوئے اور نوکری چھوڑ کر بھاگ گئے۔

(۵) شہر مدراس میں بھی اپنے بدعقیدوں کی وجہ سے بہت خفیف ہوئے اور زجر ملنے بھگتے (سنہ ۱۸۸۴ء)

(۶) شہر جوناگڑھ میں دو غیر مقلدوں نے نواب صاحب والی جوناگڑھ کے سامنے غیر مقلدی اور اپنے برے عقیدوں سے توبہ کی۔

(۷) حیدرآباد دکن میں غیر مقلدین کا ایک سرغنہ مع اپنے تابعین کے خفیف ہوا۔

(۸) شہر رامپور میں والی رامپور نے کتاب تقویۃ الایمان کے ماننے والوں کو زجر و توبیخ کی ان میں سے بعض کو قید کیا گیا اور کچھ توبہ کے بعد رامپور سے خارج کئے گئے۔

(۹) ۱۲۹۱ھ میں نواب عظیم آباد نے غیر مقلدین سے توبہ کرائی۔

(۱۰) شہر میرٹھ میں غیر مقلدین جامع مسجد سے نکالے گئے اور ان پر جرمانے ہوئے۔

(۱۱) اوائل ذی قعدہ ۱۳۰۲ھ کو موضع سراوا ضلع میرٹھ میں ایک غیر مقلد سے پانچ سو روپے کا مچلکہ لیا گیا اور جامع مسجد کی امامت اور وہاں وعظ کہنے سے اس کو علیحدہ کر دیا گیا۔

(۱۲) بلند شہر کی جامع مسجد سے ایک غیر مقلد اپنے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ ۲۷ ستمبر ۱۸۸۱ء کو نکالا گیا۔

(۱۳) شہر امرت سر میں غیر مقلدین پر دو سو روپے جرمانہ ہوا۔

(۱۴) اجمیر شریف میں شاہی مسجد سے غیر مقلدین نکالے گئے دو سال تک مقدمہ چلا، آخر مقلدین نے فتح پائی اور کمشنر اجمیر نے مسجد پر مقلدین کو قبضہ دلا دیا۔

(۱۵) ۱۱ فروری ۱۸۸۱ء کو فرید کوٹ میں بہت سے غیر مقلدین نماز جمعہ کے بعد تائب ہوئے۔

(۱۶) فرید پور میں ۱۲۸۳ھ میں مجسٹریٹ ضلع نے ایک غیر مقلد پر دو سو روپیہ جرمانہ کیا۔

(۱۷) مظفر پور میں ۱۸۸۲ء میں ایک غیر مقلد امامت سے برطرف کیا گیا اور اس کے متبعین مسجد سے خارج کئے گئے۔

(۱۸) سیالکوٹ میں مقلدین اور غیر مقلدین کے ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر

کے انتظام سے مناظرہ ہوا، غیر مقلدین کو سخت خفت ہوئی۔

(۱۹) ۱۸۷۰ء کو موضع بلیا میں ایک غیر مقلد بہت خفیف ہوا۔

(۲۰) قصبہ فرخ نگر ضلع گڑگانوں میں غیر مقلدین نے آمین بالجہر کا شور مچایا اس پر مقلدین نے ۱۳۰۱ھ میں استغاثہ کیا خود صاحب ضلع نے تشریف لاکر امتناع فرمایا جرمانہ کیا اور وہ مسجد سے خارج کئے گئے۔

(۲۱) شہر سورت میں ماہ جمادی الاول ۱۳۰۳ھ میں مولوی عبدالحق دہلوی[1] نے تین غیر مقلدوں کو گفتگو میں لاجواب کیا۔

(۲۲) کلکتہ میں ۱۸ ر جمادی الثانی ۱۳۰۲ھ کو محمد نظر شاہ ولایتی حافظ محمد حاتم اور عرب صاحب نے ایک ممتاز غیر مقلد کو گفتگو میں بلند کیا۔

(۲۳) ایک بساطی غیر مقلد کو نواب ٹونک نے پٹوا کر نکلوا دیا اور عام حکم جاری کیا کہ کوئی غیر مقلد ہمارے شہر میں نہ رہنے پائے۔

(۲۴) شہر بنارس میں تین غیر مقلدین نے ایک مسجد میں آمین بالجہر پکاری مجسٹریٹ چھاؤنی نے ۲۵ ر ستمبر ۱۸۸۴ء حسب دفعہ ۲۹۶ تینوں کو پچیس پچیس روپے جرمانہ اور بصورت عدم ادائیگی

[1] شمس العلماء مولوی عبدالحق حقانی دہلوی المتوفی ۱۳۳۵ھ ۱۹۱۷ء

ایک ایک ماہ کی قید کا حکم سنایا۔

(۲۵) ۱۸۸۷ء میں میرٹھ کی بڑی مسجد سے غیر مقلدین عدالت کے حکم سے خارج کیے گئے۔

(۲۶) جامع مسجد کان پور میں جب دو غیر مقلد علماء نے سر اٹھایا آمین بالجہر پکاری اور وعظ میں اپنے عقائد بیان کرنے شروع کیے تو ایک شخص نواب علی نفیس عرف بنوے ان کو راستے میں خوب مارا پیٹا دونوں غیر مقلدین نے عدالت میں مقدمہ دائر کیا ان کی بدقسمتی سے مقدمہ خارج ہو گیا اور نمبو بری ہو گیا پھر ڈپٹی راجہ جے کشن داس خود جامع مسجد پہنچے اور کھڑے کھڑے مسجد سے غیر مقلدین کو نکلوا دیا۔

ضمیمہ (ب)

اکابر صادق پور کی ضبط شدہ جائداد منقولہ و غیر منقولہ
تفصیل

(۱) الٰہی بخش (جائداد منقولہ)

	پائی	آنہ	روپیہ
(۱) مچھرٹہ کی دوکان سے جو قیمت داخل ہوئی	۰	۰	۲۲۰۲
(۲) نگرہ بھانے کے مکان کی تخمینی قیمت	۰	۰	۲۰۰
(۳) اسباب مکان	۰	۰	۱۰
(۴) دوکان سے نقدی جو ملی	۰	۶	۱۴۳
(۵) ایک ہنڈی ترہٹ کے مجسٹریٹ سے	۰	۲	۵۱۶
(۶) دوکان جو قرق ہوئی	۹	۹	۴۵
(۷) مظفر پور کی دوکان	۰	۰	۳۶۸
(۸) قرضے کی تخمینی رقم جو بقایا تھی	۰	۰	۱۵۰۰۰
میزان	۹	۱	۱۸۴۸۵

(۲) حسینی عظیم آبادی

	روپیہ	آنہ	پائی
(۱) قیمت مکان واقع محلہ کنواں کھوہ	۱۵۰	۰	۰
(۲) کرایہ مکان	۲۱	۰	۰
میزان	۱۷۱	۰	۰

(۳) مولوی عبدالرحیم

	روپیہ	آنہ	پائی
(۱) کتابوں وغیرہ کی قیمت جو صادق پور کے دیوان خانے سے ملیں۔	۱۵	۰	۰
(۲) گھر کا فرنیچر	۲۵	۰	۰
(۳) یکے اور گھوڑے کی قیمت	۵۴	۰	۰
(۴) سونے اور چاندی کے زیورات	۴۸	۰	۰
(۵) نقد	۳۳	۳	۰
(۶) فرخ آبادی اور مرشد آبادی روپئے	۳	۰	۰
(۷) گورکھپوری پیسے	۳	۷	۰
(۸) زنانخانے کے اسباب کی قیمت	۱۰	۰	۰
(۹) مولوی فرحت حسین کی دوسری بیوی بی بی بخش النساء کے گھر سے	۲۰	۰	۰
(۱۰) شیخ ہدایت اللہ کے گھر سے (چچازاد بھائی)	۱	۰	۰
(۱۱) محمد حسین کے گھر سے (چچازاد بھائی)	۱۰	۰	۰
میزان	۲۳۱	۱۰	۰

(۴) مولوی یحییٰ علی

	پائی ــــ آنہ ــــ روپیہ
(۱) زنانخانے کی دوسری منزل سے سامان	۲۵ــــ ۰ ــــ ۰
(۲) زنانے حصے سے (سامان)	۱۰ــــ ۰ ــــ ۰
(۳) ذاتی مکان سے (سامان)	۱۰ــــ ۰ ــــ ۰
(۴) زیورات	۸ــــ ۰ ــــ ۰
(۵) چاندی کی گھڑی	۲۰ــــ ۰ ــــ ۰
(۶) رقم بینک	۵۰۰ــــ ۰ ــــ ۰
میزان	۵۴۵ــــ ۰ ــــ ۰

(۵) مولوی احمد اللہ

(۱) کتابیں وغیرہ	۲۵ــــ ۰ ــــ ۰
(۲) فرنیچر	۲۵ــــ ۰ ــــ ۰
(۳) دیوان خانے کا اسباب اور کتابیں	۱ــــ ۰ ــــ ۰
(۴) فرنیچر	۲ــــ ۰ ــــ ۰
(۵) پارچہ جات	۲۶ــــ ۰ ــــ ۰
(۶) شال وغیرہ	۲۰ــــ ۰ ــــ ۰
(۷) نقدی اور چودہ نوٹ	۱۸۳۵ــــ ۰ ــــ ۰
(۸) ذاتی مکان سے (سامان)	۲۵ــــ ۰ ــــ ۰

(۹) زنانخانے سے (سامان)	۷ ۔۔۔ ۰ ۔۔۔ ۰
(۱۰) پالکی، گھوڑی اور گھوڑا	۱۵۲ ۔۔۔ ۱۵ ۔۔۔ ۳
(۱۱) نقدی عدالت فوجداری میں	۱۴۴ ۔۔۔ ۱۱ ۔۔۔ ۳
میزان	۲۵۱۷ ۔۔۔ ۱۰ ۔۔۔ ۳

(جائداد غیر منقولہ)

(۱) مولوی عبدالرحیم

(۱) گدھنا، اصلی بیم پور اجمنی پور ڈھیکلی پرگنہ منیر	۴۵۱۸ ۔۔۔ ۰ ۔۔۔ ۰
(۲) سگرام پور پرگنہ منیر	۳۸۵ ۔۔۔ ۰ ۔۔۔ ۰
(۳) دینال پور تربینی و دینال پور مکٹ پور پرگنہ بھیم پور	۱۲۹ ۔۔۔ ۰ ۔۔۔ ۰
(۴) سعداللہ پور پرگنہ بھیم پور	۱۲۵ ۔۔۔ ۰ ۔۔۔ ۰
(۵) بہادر چک پرگنہ شاہجہان پور معہ معافی صادق پور وغیرہ	۲۶۷ ۔۔۔ ۰ ۔۔۔ ۰
(۶) افضل پور سرور وغیرہ	۵۹۲ ۔۔۔ ۰ ۔۔۔ ۰
(۷) زمین صادق پور سگرن اور ملکی ٹولہ پرگنہ عظیم آباد	۲۲۸ ۔۔۔ ۰ ۔۔۔ ۰

(٨) زمین واقع محلہ پتھری	٢٣ــــ٠ــــ٠
(٩) زمین واقع ملکی ٹولہ	٥٥ــــ٠ــــ٠
(١٠) ″ ″ بلوچ پور	١ ٠ــــ٠ــــ٠
(١١) مکانات کا کرایہ واقع دودل منڈی	٨ــــ٠ــــ٠
(١٢) بھگوان پور رائے سین	٠ــــ٠ــــ
(١٣) رمنلی ادچا پرگنہ بیال	٠ــــــ٠

(٢) مولوی یحییٰ علی

(١) رسول پور یحییٰ پرگنہ منیر	٦٢٥٠ــــ٠ــــ٠
(٢) چک عزیز وغیرہ	١٤٥ــــ٠ــــ٠
(٣) ملکانہ رسول پور	١٢٥ــــ٠ــــ٠
(٤) کنچن پور	١٤٥ــــ٠ــــ٠
(٥) لشکری چک	٧٥٦ــــ٠ــــ٠
(٦) آمدنی مزروعہ زمین واقع کھجوریانہ	٤٤ــــ٠ــــ٠
(٧) کوٹھیوں کا کرایہ واقع عالم گنج	٩ــــ٨ــــ٠
(٨) کرایہ واقع زمین صادق پور	١١٦ــــ٠ــــ
(٩) کرایہ زمین ومکان واقع صادق پور	١٢ــــ٨ــــ٠
(١٠) آمدنی درخت کھجور واقع کھجوریاں کلاں وخورد	١٢ــــ٨ــــ

(۱۱) درخت کھجور	۹ــــ۴ــــ۰
(۱۲) کرایہ خندق واقع کھوریا	۲ــــ۰ــــ۰
(۱۳) ملکانہ موضع عسکری چک	۱۳ــــ۸ــــ۰
(۱۴) ذاتی مکان	۰ــــ۰ــــ۰
(۱۵) اصطبل و پالکی خانہ واقع صادق پور	۰ــــ۰ــــ۰
(۱۶) مکان مسکونہ مسماۃ وجیہہ النساء ہمشیرہ (مولوی یحییٰ علی)	۰ــــ۰ــــ۰
(۱۷) مکان مسکونہ مسماۃ جمیل النساء	۰ــــ۰ــــ۰

(۳) مولوی احمد اللہ

(۱) بھوئے پرگنہ لہوک (نصف حصہ)	۵۱۰۱۳ــــ۰ــــ۰
(۲) رسول پور پرگنہ منیر (۳) ہر شنکر پور تورینا وغیرہ	۶۲۵ــــ۰ــــ۰
(۴) ملکانہ رسول پور	۱۲۵ــــ۰ــــ۰
(۵) چک عزیز وغیرہ	۱۴۵ــــ۰ــــ۰
(۶) کنجن پور پرگنہ بلیا	۱۴۵ــــ۰ــــ۰
(۷) عسکری چک	۷۵۶ــــ۰ــــ۰
(۸) لگان مزروعہ زمین واقع صادق پور (دو بیگہ)	۴۴ــــ۰ــــ۰

(۹) لگان مزروعہ زمین واقع جمنی باغ	۹—۸—۰
(۱۰) " " " صادق پور	۱۱۶—۰—۰
(۱۱) کرایہ زمین و مکان " " "	۱۲—۸—۰
(۱۲) گیارہ درخت (کھجور) کی آمدنی	۱۲—۸—۰
(۱۳) تین درختوں کی آمدنی جو رہن رکھے گئے	۹—۴—۰
(۱۴) آمدنی تالاب	۹———۰
(۱۵) ملکانہ عسکری چک	۱۲—۸—۰
(۱۶) زنانہ ریاست	۱۲۵———۰
(۱۷) اصطبل و پالکی خانہ	———
(۱۸) مکان مسکونہ	———
(۱۹) مکان مسکونہ وجیہہ النساء (ہمشیرہ)	———
(۲۰) مکان مسکونہ جمیل النساء (ہمشیرہ)	———
(۲۱) آمدنی مسماۃ جمیل النساء	———
میزان کل (ہر سہ جائداد)	۷۷۹۲۸———۰

(نوٹ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

(1) A History of Freedom Movement, Vol II (Pakistan Historical Society, Karachi, 1960)

(2) Ambela Compaign by Dr. Mahmud Husain (Journal of the Pakistan Historical Society, April, 1953, Karachi)

(3) Events leading to the Ambela Expeditions by R.R. Sethi (Journal of the Punjab University Historical Society, December 1933, Lahore)

(4) Freedom Struggle in Uttar Pradesh, Vol. IV (Lucknow, 1959)

(5) Gazetteer of the Province of Sind-Karachi District, B. Vol. I (Bombay, 1910)

(6) Our Indian Musalmans by W.W. Hunter (Calcutta, 1945)

(7) Review [redacted] Dr. Hunter's Indian Musalmans by Sir Sayyid Ahmad Khan (Benaras, 1872)

(8) Selections from Bengal Government Records [redacted] Wahabi Trials (1863-1870). Edited by Muinuddin Ahmed Khan (Asiatic Society of Pakistan, Dacca, 1961)

(9) The Sundan by Sir Herold Machanile (London, 1954)

(10) The Viceroyalty of Lord Ripon by S. Gopal (London, 1953)

نوٹ

جائداد کی قیمتوں کا یہ تخمینہ گورنمنٹ نے لگایا ہے ظاہر ہے کہ اصل قیمت تو کہیں زیادہ ہوگی بعض عنوان کی قیمت اس میں شامل بھی نہیں ہے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کل جائداد کتنے میں نیلام ہوئی صرف مولوی عبدالرحیم کی غیر منقولہ جائداد جو گورنمنٹ کے تخمینے کے مطابق گیارہ ہزار پانچ سو دو روپئے (۱۱۵۰۲) کی تھی وہ صرف ایک ہزار تین سو چونسٹھ (۱۳۶۴) میں ٹھکانے لگی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ لاکھوں کی جائداد کوڑیوں کے مول نیلام کر دی گئی اس سلسلے میں ملاحظہ ہو۔

"بنگال گورنمنٹ ریکارڈس ۴ ۲۰۹ تا ۲۱۸

کتابیات

ابجد العلوم   از نواب صدیق حسن خاں
(مطبع صدیقی بھوپال، ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء)

اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء والمحدثین
از نواب صدیق حسن خاں
(مطبع نظامی کان پور، ۱۲۸۸ھ)

آثار الصنادید   از سرسید احمد خاں بہادر
(نول کشور پریس لکھنؤ، ۱۸۷۶ء)

احقاق الحق وابطال الباطل
از مولوی فضل رسول بدایونی
(مطبع سول ملٹری آرفینج (میرٹھ) ۱۲۸۹ھ)

اسلامی مذاکرہ علمیہ سال ہشتم
(نول کشور پریس لکھنؤ، ۱۸۷۰ء)

اکمل التاریخ جلد دوم   (سوانح عمری مولوی فضل رسول بدایونی)
(قادری پریس بدایوں ۱۹۱۵–۶ء)

البرہان العجاب علیٰ فریضتہ ام الکتاب
ازمولوی محمد بشیر سہسوانی (مطبع محمدی دہلی ۱۳۲۷ھ)

البوارق المحمدیہ لرجم الشیاطین النجدیہ ازمولوی فضل رسول بدایونی
مطبع سول ملٹری آرفنیج (میرٹھ) ۱۲۸۹ھ

الجمعیتہ (دہلی) سنڈے ایڈیشن (مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۵۷ء)

الحیاۃ بعد المماۃ (سوانح عمری میاں نذیر حسین) مرتبہ فضل حسین
(مکتبہ شعیب، کراچی، ۱۹۵۹ء)

الہدیٰ، دربھنگہ (پندرہ روزہ)
(دارالعلوم نمبر، اپریل، مئی ۱۹۵۵ء)

انتخاب یادگار (تذکرہ شعرائے رام پور) از امیر احمد مینائی
(تاج المطابع لکھنؤ ۱۲۹۷ھ)

انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ
از عبداللہ یوسف علی (ہندوستانی اکیڈیمی الہ آباد ۱۹۳۶ء)

ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء از مفتی انتظام اللہ شہابی
(دہلی، ۱۹۴۶ء)

باغ عارف حصہ سوم (ملفوظات صوفی ابو محمد عبدالاحد سلیمان لاج پوری)
(ادارہ تبلیغ القرآن، کراچی ۱۹۵۳ء)

باغی ہندوستان (الثورۃ الہندیہ) از عبدالشاہد خان شروانی
(مدینہ پریس بجنور، ۱۹۴۷ء)

بیاض مولانا فضل حق خیرآبادی
(قلمی، مملوکہ حکیم نصیر الدین ندوی، کراچی)

تاریخ جدید صوبہ اڑیسہ و بہار ، از اولاد حیدر فوق
(مطبع اکبری پٹنہ، ۱۹۱۵ء)

تاریخ عجیب (تاریخ جزائر انڈمان و نکوبار) از مولوی محمد جعفر تھانیسری
(۱) طبع اول (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۰ء)
(۲) طبع دوم (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۲ء)

تجہیز و تکفین مسلمان کی۔ از ملا محمد عمران
(مطبع مرتضوی دہلی، ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء)

تحفۃ المسلمین (از ملا نظام شاہجہان پوری)
مرتبہ حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی
(علی گڑھ، ۱۹۵۹ء)

تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی) مترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری
(پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۶۱ء)

تذکرہ مشاہیر کاکوری از محمد علی حیدر
(اصح المطابع لکھنؤ ۱۹۲۶ء)

تراجم علمائے اہل حدیث از ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی
(جید برقی پریس دہلی، ۱۹۳۸ء)

ترجمان وہابیہ (معہ معاہدہ اتفاقیہ) از نواب صدیق حسن خان
(مطبع محمدی لاہور، ۱۳۱۲ھ)

تصحیح المسائل از مولوی فضل رسول بدایونی
(مطبع گلزار حسینی بمبئی، ۱۳۲۲ھ)

تعارف سوات از شیر افضل خان بریکوٹی
(کراچی، ۱۹۵۵ء)

تقریر اعتراضات بر تقویۃ الایمان از مولانا فضل حق خیر آبادی
(قلمی، مملوکہ حکیم محمود احمد برکاتی، کراچی)

تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان
از شاہ اسماعیل شہید و مولوی محمد سلطان خان شاہجہانپوری
(مطبع مجتبائی دہلی، سال طباعت نامعلوم)

تنبیہ الغافلین مترجمہ و مرتبہ مولوی عبداللہ
(کلکتہ، محلہ سیال دہ ۱۲۶۵ھ)

تواریخ ڈھاکہ از حکیم رحمان علی طیش
(مطبع اسٹار آف انڈیا، آرہ ۱۹۱۰ء)

حیات شبلی از سید سلیمان ندوی
(دار المصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۴۳ء)

حیات طیبہ (سوانح عمری شاہ اسماعیل شہید) از مرزا حیرت دہلوی
(اسلامی پبلشنگ کمپنی، لاہور، سال طباعت نامعلوم)

حیات ولی از مولوی رحیم بخش

(مکتبہ سلفیہ، لاہور، سال طباعت نا معلوم

خطبہ صدارت آنریبل سر عبد الرحیم

(اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ علی گڑھ، ۱۹۲۵ء)

اردو ترجمہ از قاضی عبد الرشید

(مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ، ۱۹۲۵ء

دو گاڑہ، وہابی والوں کا دین اجاڑہ

از مولوی ناصر الدین خاں پشاوری

(مطبع شہاب ثاقب لاہور، ۱۳۰۷ھ)

راہ سنت از مولانا اولاد حسن قنوجی

(قلمی، مملوکہ مولوی عبد الحلیم چشتی، کراچی)

رسالہ امتناع نظیر (تالیف ۱۲۴۷ھ) از مفتی صدر الدین آزردہ

(قلمی، مملوکہ حکیم محمود احمد برکاتی، کراچی)

رسالہ تقوی
رسالہ کلمات کفر
رسالہ عقائد نامہ
} از مولانا سخاوت علی جون پوری

(مطبع علوی، لکھنؤ ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۴ء)

رسائل تسعہ از مولانا ولایت علی وغیرہ

(مطبع فاروقی دہلی، سال طباعت نا معلوم)

رفاہ المسلمین (شرح مسائل اربعین) از مولوی سعد الدین بدایونی
(دہلی، ۱۳۰۸ھ)

سرگزشت مجاہدین از غلام رسول مہر
(کتاب منزل لاہور، ۱۹۵۶ء)

سوانح احمدی از مولوی محمد جعفر تھانیسری
(صوفی پبلشنگ کمپنی پنڈی بہاء الدین، سال طباعت نامعلوم)

سید احمد شہید از غلام رسول مہر
(کتاب منزل لاہور، ۱۹۵۲ء)

سیرت النبی، جلد اول از علامہ شبلی نعمانی
(دار المصنفین اعظم گڑھ، ۱۳۳۲ھ)

سیرت سید احمد شہید از ابوالحسن علی ندوی
(نامی پریس لکھنؤ، ۱۹۳۹ء)

سیرت فریدیہ از سر سید احمد خاں بہادر
(مطبع مفید عام آگرہ، ۱۸۹۶ء)

سیف الجبار از مولوی فضل رسول بدایونی
(مطبع صبح صادق سیتاپور، ۱۲۹۲ھ)

شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک
از مولانا عبید اللہ سندھی
(کتاب خانہ پنجاب لاہور، ۱۹۴۲ء)

ماحب سوات (حالات آخوند سوات)
ازمولوی محمد اسماعیل طوروی (مرتبہ ظہور الحق طوروی)
(پشاور ۱۹۵۳ء)

علم وعمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول مرتبہ محمد ایوب قادری
(ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۰ء)

علم وعمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد دوم مرتبہ محمد ایوب قادری
(ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۱ء)

مائۃ مسائل (از شاہ محمد اسحاق دہلوی) مرتبہ مولوی احمد اللہ
(نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۳ء)

مآثر صدیقی (سوانح عمری نواب صدیق حسن خاں) جلد سوم
از نواب علی حسن خاں
(نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۲۴ء)

مجموعہ رسائل و فوائد از مولوی فضل رسول بدایونی۔
(مطبع کوہ نور لاہور ۱۸۶۰ء)

مجموعہ مولود شریف از مولوی عبداللہ
(مطبع مجتبائی لکھنؤ سال طباعت نامعلوم)

محاربہ عظیم از کنہیا لال (نولکشور پریس لکھنؤ)

موج کوثر از شیخ محمد اکرام
(فیروز سنز کراچی، سال طباعت نامعلوم)

نزہۃ الخواطر (جلد ہفتم) از مولوی حکیم عبدالحئی
(دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۹۵۹ء)
نصیحۃ المسلمین (از مولانا خرم علی بلہوری) مرتبہ مولوی عبدالحلیم چشتی
(کارخانہ تجارت کتب، کراچی ۱۹۵۹ء)
واقعات دارالحکومت دہلی (جلد دوم) از محمد بشیر الدین
(شمسی پریس آگرہ، ۱۹۱۹ء)
ہارو بہار (پشتو) (پیرس ۱۸۸۸ء)
ہدایۃ المومنین از مولانا اولاد حسن قنوجی
(قلمی، مملوکہ محمد ایوب قادری، کراچی)
ہمارے ہندوستانی مسلمان (ڈبلو، ڈبلو، ہنٹر)
مترجمہ ڈاکٹر صادق حسین
(اقبال اکیڈیمی لاہور ۱۹۴۴ء)
ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک از مولوی مسعود عالم ندوی
(مکتبہ ملیہ، راولپنڈی ۱۳۶۸ھ)

اشاریہ

اسمائے رجال

الف

اسمائے اماکن

اسمائے کتب

تواریخ عجیب

یعنی

کالا پانی

(تالیف مولوی محمد جعفر تھانیسری)

مرتبہ

محمد ایوب ایم اے

سلمان اکیڈمی
حق نشان، ۲/۲۳ نیو کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی ۵